توہینِ رسالت اقلیتیں

اور

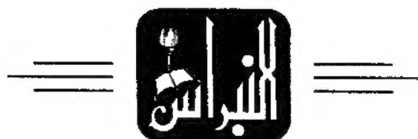
قانونِ تحفظ مذاہب

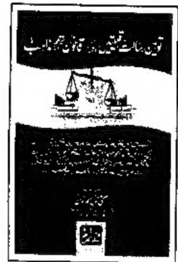
کتاب ہذا میں اسلامی قانون اور پاکستان کے مروجہ قانون کی روشنی میں توہینِ رسالت توہین انبیاء، توہینِ قرآن، توہینِ صحابہ، اسلامی مکاتب فکر کے قانونی حقوق اور اسلامی ریاست کی اقلیتوں کے قانونی اور سیاسی حقوق جیسے اہم موضوعات پر جامع تحقیقی انداز میں بحث کی گئی ہے، مغربی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ کتاب ہذا کی منفرد خصوصیت ہے

تالیف

مفتی نذیر احمد خان

ایڈووکیٹ ہائی کورٹ استاذ جامعہ بنوریہ عالمیہ





نام کتاب .... توہین رسالت قلیتیں اور قانون تحفظ مذاہب
تحقیق وتصنیف .... مفتی نذیر احمد خان (ایڈووکیٹ) 0333-2245889
باہتمام .... عبدالرحیم جوہر
اشاعت .... November - 2006
قیمت 240/-

ملنے کے پتے:

مکتبہ جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی

U.K

1.Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road

2.Azhar Academy Ltd.
At Continental (London) Ltd.
Cooks Road, London E152PW

U.S.A

IslamicBookstor.com
2040-F Lord Baltimore
Dr. Baltimore. MD 21244-2501,
USA

JBbookstre.com
1012-13 Laslie Ave
Baltimore, Md 21228

ادارۃ الانور

دوکان نمبر 2 پلاٹ نمبر GRE 672/4 نور مینشن بنوری ٹاؤن کراچی
Ph: 092-21-4914596, 4919673 Cell: 0300-2573575
E-mail: Idaratulanwar@yahoo.com

عرض ناشر

لسانی و مذہبی تعصب ایسا ناسور ہے جو ایک بھائی کو دوسرے بھائی کا گلا کاٹنے جیسے قبیح فعل پر اکساتا ہے اس لئے ہر اہل دل پاکستانی اس مسئلہ پر متفکر ہے کیونکہ تاریخ میں یہ سبق رقم ہو چکا ہے کہ ایسے معاشرے اور ملت کو زوال سے کوئی نہیں بچا سکتا۔

ماضی قریب میں اس تعصب نے پاکستان میں ایسے دلخراش مناظر دکھائے جس پر ہر دردمند پاکستانی نے خون کے آنسو بہائے اور ہمارے دشمنوں نے ہمیں بدنام کرنے کیلئے ایسے واقعات کو خوب اچھالا۔ایک ایسا وطن جس کی بنیادوں میں عصمتوں اور عظمتوں کی قربانیوں کی ایک دردناک تاریخ شامل ہو اسکی بنیادیں ہلا دینے میں اس تعصب نے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔اس ناسور کے پنپنے کی کئی وجوہات ہیں جن کا تجزیہ کرنا اس وقت مقصود نہیں لیکن ایک اہم مسئلہ جو ایک عام سیدھی سادھی عوام کو اس میں ملوث کر دیتا ہے، وہ لاعلمی اور غلط فہمی ہے۔اس کتاب میں اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

مذہبی شدت پسندی فرقہ وارانہ فسادات اور خصوصاً اقلیتوں کے حوالے سے انتہائی عالمانہ شان کے ساتھ بحث کرتے ہوئے ثابت کیا گیا ہے کہ اقلیتوں بشمول قادیانی جماعت کو جو حقوق اسلامی قانون اور پاکستان میں حاصل ہیں مغربی

ممالک میں اس کا تصور تک نہیں اور شیعہ سنی بریلوی دیو بندی مسائل کا حل بھی پاکستانی قانون میں احسن طریقے سے موجود ہے۔ یوں ان قوانین کا تعارف کرا کر فرقہ وارانہ اور مذہبی فسادات جو لاعلمی کی بنیاد پر ہوتے ہیں ان کے سدباب کی کامیاب کوشش آپکے ہاتھوں میں ہے۔ جناب مفتی نذیر احمد خان صاحب نے پاکستانی معاشرہ کو اس تعصب کی وباء سے نکالنے کیلئے ایک گراں قدر خدمت انجام دی ہے۔ ہمارا ادارہ جناب موءلف کی ایک گراں قدر تحقیق "حدود آرڈیننس اور تہذیبی تصادم" پہلے ہی عوام کی خدمت میں پیش کر چکا ہے۔ اب دوسری انتہائی اہم تالیف پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔

اللہ تعالی اس کوشش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر ملک وملت کیلئے مفید بنائے۔ موءلف اور ناشر کیلئے ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین

عبدالرحیم جوہر
مدیر النبراس کراچی
07-11-2006

فہرست مضامین

انتساب



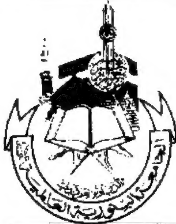
بصد عقیدت و احترام

فدائیانِ اسلام و شہداء ناموس رسالت کے نام

زندہ ہوجاتے ہیں جو مرتے ہیں ان کے نام پر
اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کردیا

پڑا فلک کو دل جلوں سے کام نہیں
جلا کے راکھ نہ کردوں تو داغ نام نہیں

نذیر احمد خان



الجامعۃ البنوریۃ العالمیۃ
BINORIA UNIVERSITY INTERNATIONAL
Post Box No.10689, Near S.I.T.E., Police Station, Karachi - Pakistan
Ph. 2560300, 2560400 Fax: 2564586 Emails: binoria@binoria.org, fatwa@binoria.org Webpage: http://www.binoria.org

تأثرات

اعتدال پسندی امت مسلمہ کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کی فطرت میں قدرت نے اعتدال اور عدم تشدد کو سمویا ہوا ہے، اسی لئے قرآن پاک نے اس امت کو "اُمّۃً وسطاً" یعنی اعتدال پسند امت کا لقب دیا ہے۔

کوئی بھی قوم جب اپنی فطرت سے بغاوت کر کے غیر فطری جھمیلوں کا شکار ہو جاتی ہے تو نہ اسکی اجتماعیت باقی رہ سکتی ہے۔ اور نہ وہ شاہراہ حیات پر اپنی منزل تک رسائی کی سکت رکھتی ہے بلکہ ایک بھٹکے ہوئے مسافر کی طرح اسکو کوئی مستقل پناہ گاہ بھی میسر نہیں آتی ہے۔

ہماری تاریخ کے صفحات اس قسم کے بیسیوں واقعات سے لبریز ہیں کہ مسلمانوں نے جب بھی غیر مقصدی امور میں باہم اختلافات کے معرکے گرم کیئے تو ان کے اختلافات سے ہمیشہ کسی فتنہ تاتار نے فائدہ اٹھا کر امت مسلمہ کو حسرتوں کی درد بھری داستان بنا چھوڑا۔

بحیثیت مسلمان اور وارثین پیغمبر کے ہمیں غور کرنا ہے کہ ہماری غرض و غایت کیا

ہے، ہمارا مشن کیا ہے اور ٹارگٹ کیا ہے۔ کوئی بھی قوم یا نسل جب اپنا نہج حیات متعین کر کے اپنی منزل تک رسائی میں سرفروشی کا مظاہرہ کرتی ہے تو اسے اسکی منزل ضرور ملتی ہے۔

بحیثیت مسلمان ہمارا مشن اسلام کی بالا دستی ہے اور ہمارا ٹارگٹ اسلام کو عالمگیر نظامِ حیات کے طور پر کرۂ ارض پر نافذ کرنا ہے۔ یہ مقصد ہمیں تب ہی حاصل ہو سکتا ہے جب ہم اسلام اور مسلمانوں کے لئے مخلص ہوں۔ ہم اپنے سینوں میں اخوت، بھائی چارگی اور اتفاق واتحاد کے جذبات لیئے ہوئے ہوں، مسلمانوں کو اپنا حریف سمجھنے کی بجائے اپنا بھائی سمجھتے ہوں جبکہ کافروں کو اپنا ہمدرد اور آئیڈیل گردانے کی بجائے غیر سمجھتے ہوں اور غیر سمجھ کر تعلقات کی حکمت عملی مرتب کرتے ہوں۔

فروعات میں اختلاف رائے کرنا اتفاق واتحاد کے ہرگز منافی نہیں ہے بلکہ اختلاف رائے اگر حد میں رہ کر کیجائے تو یہ امت مسلمہ کی فکری بیداری اور علمی ترقی کا سبب بنتی ہے۔ لیکن مقام افسوس یہ ہیکہ جس اختلاف کو امت کی فکری اور علمی ترقی کا سبب بننا چاہیئے تھا، وہ آج اس امت کے افتراق اور بربادی کا سبب بن رہا ہے۔ جس اختلاف کو ہمارے پیغمبر ﷺ نے امت کیلئے رحمت قرار دیا تھا، وہ آج شدید زحمت بنا ہوا ہے۔ اختلاف رائے کے سبب امت مسلمہ خانہ جنگیوں کی لپیٹ میں آچکی ہے۔

اختلاف رائے کے غلط استعمال سے اختلاف رائے کے نظریہ کو مطعون نہیں کیا جاسکتا ہے بلکہ اختلاف رائے کے حدود اربعہ کو متعین کر کے اسکے غلط استعمال کو روکا جاسکتا ہے۔

مفتی نذیر احمد خان استاذ جامعہ بنوریہ عالمیہ نے اسی موضوع پر قلم اٹھایا ہے اور بسط

وتفصیل کے ساتھ اپنی علمی کاوش کو پیش کیا ہے۔اس کے علاوہ دیگر اہم موضوعات..... شاتم رسول، شاتم انبیاء، شاتم قرآن، شاتم صحابہ اور اسلامی ریاست میں اقلیتوں کے سیاسی اور قانونی حقوق.....کو بڑے خوبصورت پیرایہ میں قارئین کے نظر نواز کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ موصوف کی اس علمی کاوش کو قبولیت عام بخشے اور یہ ان کے لیئے ذخیرہ آخرت ثابت ہو۔آمین

مفتی محمد نعیم

مہتمم: الجامعۃ البنوریۃ العالمیۃ

بصد احترام......

دشمنیاں عموماً غلط فہمیوں اور جہل کا نتیجہ ہوتی ہیں، انسان اپنی کم فہمی اور ناواقفیت کے سبب کچھ کو کچھ سمجھ کر تشدد اور عداوت کا راستہ اختیار کر لیتا ہے، جس کا خمیازہ اس کو بہت ہی برا بھگتنا پڑتا ہے، عربی کا محاورہ ہے: الناس اعداء لما جهلوا۔

ترجمہ: ''لوگ دشمن ہوتے ہیں اسکے جس سے وہ ناواقف ہوتے ہیں''

اسی لئے اسلامی قانون ہو یا معاصر مغربی قانون، دونوں قوانین مملکت کی رعایا پر مروجہ قوانین کا علم رکھنا ضروری قرار دیتے ہیں۔ کسی شہری کا اپنی نادانی کے سبب جرم کا ارتکاب کرنا عذر قانونی نہیں بن سکتا ہے۔ کیونکہ قانون واقعاتی غلطی کو تو عذر قرار دے سکتا ہے، قانونی غلطی کو نہیں۔

بدقسمتی سے ہمارے ملک میں جو قوانین رائج ہیں، وہ فرسودہ فرنگی قوانین ہیں جو فرنگی روایات کی ترجمانی تو کرتے ہیں، مسلمان کی ملی اور قومی روایات کی نہیں۔ اس وجہ سے پاکستان کا اسلام پسند طبقہ، جو ملک کی اکثریتی آبادی ہے۔ ان مروجہ قوانین کے سیکھنے کو وقت کا ضیاع اور خلاف مروت سمجھتا ہے۔

یہ نظریہ دلیل کی زبان میں کتنا ہی سر چڑھ کے بولتا ہو، لیکن ... اسکا بڑا نقصان یہ ہوا ہے کہ مذہبی حوالہ سے ملک انارکی، فرقہ وارانہ فسادات اور مذہبی شدت پسندی کا شکار ہو گیا ہے۔ سنی، شیعہ، بریلوی، دیوبندی، قادیانی اور اقلیتی فرقے سمجھتے ہیں کہ پاکستان کے مروجہ قوانین میں ان کے مسلک یا عقیدے کے تحفظ کیلئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ اور اسی بنیاد پر جب وہ کسی تنظیم کیطرف سے اپنے مسلک کے خلاف جارحیت دیکھتے ہیں۔ تو بجائے عدل وانصاف کا دروازہ کھٹکھٹانے کے تازیانہ قانون اپنے ہاتھ میں لیکر مخالفین کے خلاف جارحانہ کارروائیاں شروع کر دیتے ہیں۔ اور اس طرح جارحیت، شدت پسندی اور فرقہ وارانہ فسادات کے نہ ختم ہونے والے سلسلہ کی کڑیاں آپ ہی آپ جڑتی چلی جاتی ہیں۔

اور توہین مذہب کے لئے قانون میں کوئی خاطر خواہ جگہ نہیں ہے، جبکہ اقلیتوں کو شکوہ ہے کہ پاکستان کا قانون تحفظ مذاہب دراصل ان کے خلاف جارحیت کو پروان چڑھانے کیلئے بنایا گیا ہے۔

سنیوں کو شکایت ہے کہ قانون میں امہات المؤمنین، خلفائے راشدین، اہل بیت اور صحابہ کرام کے ناموس کے تحفظ کیلئے ان کے نظریہ کا ترجمان قانون نافذ نہیں ہے، جبکہ شیعوں کو گلہ ہے کہ ملک میں ہمارے ساتھ سلوک اقلیتوں سے بھی بدتر ہو رہا ہے مسلمان ہوتے ہوئے بھی ہمیں کوچہ بہ کوچہ کافر قرار دیا جا رہا ہے۔

دیوبندیوں کو اعتراض ہے کہ بریلویوں کی بعض شدت پسند گروہوں کے سبب ہمارے مدارس اور مساجد محفوظ نہیں رہے ہیں، جبکہ بریلویوں کو اعتراض ہے کہ دیوبندیوں کے جارحانہ بیانات کے سبب ہمارے مزارات، جلسے اور نظریات محفوظ نہیں ہیں۔

اس قسم کے مزعومانہ خیالات ہماری فہم کے مطابق جہالت اور ناواقفیت کا نتیجہ ہیں، جن کا واقعاتی دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

بحمداللہ پاکستان کے نافذ العمل قانون میں تحفظ مذاہب کیلئے معقول جگہ ہے۔ اور یہ بھی کہ یہ قوانین بڑی حد تک اسلامی اصولوں کے مطابق ہیں۔

نیز... بانگ دہل دعوی ہے کہ اقلیتوں بشمول قادیانی جماعت، کو جتنے حقوق اسلامی قانون اور پاکستان میں حاصل ہیں، شاید ہی مغربی قانون ان کے دینے کا تصور کر سکے۔

اللہ کرے اس کتاب کے مطالعہ سے شدت پسندانہ ذہنیت دم توڑ جائے، علمی اور نظریاتی سوچ پروان چڑھے، باہم اخوت ومحبت کی فضا سازگار ہو۔ اور مملکت خداداد پاکستان بیرونی طاقتوں اور سازشی عناصر کی چنگل سے آزاد ہو..... آمین

نذیر احمد خان ایڈووکیٹ

رابطہ: 0333-2245689

بابِ اوّل

عیار دشمن......

- مسلمانوں کا اصل دشمن...... مغرب یا اپنے مسلمان؟
- اسلامی جمہوریہ پاکستان کا گہوارۂ اسلام نہ بننے کی وجوہ
- فروعی اختلافات کو حدود میں رکھنے کے زریں اصول
- کلمہ گو کی تکفیر کا مسئلہ

معلوم کسے ہند کی تقدیر کہ اب تک
بیچارہ کسی تاج کا تابندہ نگیں ہے
دہقاں ہے کسی قبر کا اگلا ہوا مردہ
بوسیدہ کفن جس کا ابھی زیرِ زمیں ہے
جاں بھی گروِ غیر بدن بھی گرو غیر
افسوس کہ باقی نہ مکاں ہے نہ مکیں
یورپ کی غلامی پہ رضامند ہوا تو
مجھ کو گلہ تجھ سے ہے یورپ سے نہیں ہے
(اقبال)

عیار دشمن

دعوت وتبلیغ، جہاد وقتال اور دینی تحریکات......سب کی غرض وغایت اعــــلاء کلمة الله ہے۔اعلاء کلمة الله کے معنی زمین پر کفر یا کفار کا خاتمہ ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ معنی ہے اللہ کے دین کو ایک نظام کے طور پر زندگی کے ہر شعبہ میں سربلند رکھنا، حکومت ووزارت، سیاست وریاست، فوج ودفاع، معیشت وتجارت، تعلیم وتعلم، عدالت وقضاء اور دیگر تمام نجی اور اجتماعی شعبہ جات میں نظام اسلامی کا قیام اس انداز میں کرنا کہ اسلامی قوانین غالب نظر آئیں اور غیر اسلامی تہذیب وتمدن مغلوب بن جائیں، دین وشریعت کا اعلاء کفر اور کفار کے خاتمہ سے نہیں، بلکہ ملکی سطح پر حکومتی نظام کے طور پر اسکے نفاذ میں ہے۔

بدقسمتی سے ہندوستان سے مغل اقتدار کے زوال کے بعد مسلمانوں کا ایک ایسے عیار اور زیرک دشمن سے پالا پڑا ہے، جو سیف وسنان اور قوت وطاقت سے زیادہ عقل وخرد کو مسلمانوں کی شکست میں استعمال کرتا رہا ہے۔ اس کی عیاری کا کمال ہے کہ ہندوستان پر سے اس کی حکومت کے خاتمہ کے باوجود اور پاکستان کا نظریاتی اساس پر قائم ہونے کے باوجود آج بھی وہ ہمارے اندر ایک کامیاب فاتح کے طور پر اپنے آپ کو زندہ رکھا ہوا ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں سرکاری تحفظ کے تحت اس کا وضع کردہ نظام رائج ہے، حکومت وزارت، سیاست وریاست، فوج ودفاع، معیشت وتجارت، تعلیم وتعلم، عدالت وقضاء غرض تمام نجی وحکومتی شعبہ جات میں اس کی متابعت فخریہ انداز میں کی جاتی ہے۔

وجہ صرف وصرف ایک ہے، ہم مفتوح ہیں اور وہ فاتح بس فرق اتنا ہے کہ تقسیم

ہندوستان سے قبل مسلمان انگریز کی قوت وطاقت کے سبب اس سے مرعوب تھے، جبکہ آج فرنگی نظام تعلیم کے سبب مسلمان انگریزوں کے ذھنی غلام بنے ہوئے ہیں، انگریز غلامی میں پاکستانی عوام عموماً اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ خصوصاً اس قدر جذباتی ہے کہ سرکاری یا نجی ادارہ میں اس شخص کو عزت کی جگہ دی جاتی ہے جو انگریز غلامی اور فرنگی تہذیب وثقافت میں پوری طرح رنگا ہوا ہو، اور جو لوگ فرنگی نظام اور انگریز غلامی سے بغاوت کا اظہار کرتے ہیں اور اپنے قومی وملی اثاثہ پر مطمئن ہیں ان کے داخلے یا کھپت پر عملی طور پر پابندی ہے۔ رشوت کی گرم بازاری، فحاشی وعریانیت کا زور اور فرنگی طور طریقوں کی تقلید نے پاکستانی معاشرہ اور عوام کے ذہنوں میں اپنے پنجے اس مضبوطی سے جما دیئے ہیں کہ اب یہ معاشرہ کی ضرورت بن گئے ہیں، بالکل اس طرح جس طرح کہ حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دور میں فحاشی اور عریانیت معاشرہ کی ضرورت بن گئی تھی، اور برائی خواہ کتنی قبیح نوعیت کی ہو، جب جامۂ ضرورت پہن کر معاشرہ انسانی کا حصہ بن جائے، تو پھر اسکی مخالفت یا معاشرہ انسانی سے اخراج کی کوشش دراصل اپنے اخراج اور قوم سے دشمنی مول لینے کا سبب بن جاتی ہے۔ جیسا کہ لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اس کی قوم نے کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ولوطاً اذقال لقومه أتاتون الفاحشة وانتم تبصرون، أئنكم لتاتون الرجال شهوة من دون النساء بل انتم قومٌ تجهلون فما كان جواب قومه إلا أن قالوا اخرجوا ال لوط من قريتكم. إنهم اناسٌ يتطهرون. (سورہ النمل آیت 54/55/56)

ترجمہ: ''اور لوط جب کہا اس نے اپنی قوم سے کیا تم بے حیائی کرتے ہو، اور تم

دیکھتے ہو، کیا تم دوڑتے ہو مردوں پر (لواطت کیلئے) للچا کر عورتوں کو چھوڑ کر۔ کوئی نہیں، تم ایک ناسمجھ قوم ہو۔ پھر کچھ جواب نہ تھا اس کی قوم کا مگر یہی کہ کہتے تھے نکال دو لوط کے گھر کو اپنے شہر سے، یہ لوگ صاف ستھرے رہنا چاہتے ہیں''۔

1......جیسا کہ عرض کیا گیا کہ اٹھارھویں صدی عیسوی میں مسلمانوں کو جس دشمن سے پالا پڑا ہے وہ مسلمانوں سے کہیں زیادہ ہوشیار، ذھین، تعلیم یافتہ اور عاقبت اندیش واقع ہوا ہے۔ 1857ء کی جنگ جسکو آزادی کے متوالے ''جنگ آزادی'' سے تعبیر کرتے ہیں جبکہ انگریز اس کو ''تحریک غدر'' سے تعبیر کرتے ہیں، یہ جنگ ہندوستانیوں کی شکست اور انگریز کی فتح پر منتج ہوئی تھی، عام رواج کے مطابق جنگ کو اپنی فتح یا شکست کے اعتبار سے جنگی ایام تک محدود رکھا جاتا ہے، جنگ کے کفارہ کیلئے فاتح جنگی مجرموں کے خلاف وقتی سزاؤں کا اجراء کرکے جنگ کے باب کو ہمیشہ کیلئے بند کردیتا ہے، لیکن یہ جنگ قواعد واصول کے اعتبار سے دوسری روایتی جنگوں کے مقابلہ میں بالکل مختلف دکھائی دیتی ہے، اس جنگ کا فاتح ایسا بپھرا ہوا درندہ دکھائی دیتا ہے کہ ہزارہا ہندوستانی دوشیزاؤں کا سہاگ لوٹنے اور لاکھوں ہندوستانی عوام کو موت کی گھاٹ اتارنے کے باوجود اس کا آتشیں انتقام سرد ہوتا ہوا دکھائی نہیں دیتا ہے۔ اس درندہ صفت فاتح کی شدید ترین انتقامی کارروائیاں 1857ء سے 1860ء تک برابر چلتی رہیں، شہر شہر، گاؤں گاؤں، گلی گلی، کوچہ کوچہ پھانسی گھاٹ بنی ہوئی تھیں، اور روزانہ ہزارہا ہندوستانی عوام کو بلاثبوت جرم پھانسی دیجاتی تھی۔

بحث کو آگے بڑھانے سے قبل مناسب ہوگا کہ داستان ظلم کی شہادت خود فرنگی دشمن کی زبانی انہی کی کتابوں سے پیش کیجائے۔

فرنگی مصنف مسٹر کے اپنی کتاب میں لکھتا ہے:

ہندوستان میں مارشل لاء کا اعلان ہو چکا تھا، وہ تمام خوفناک اور ہولناک ایکٹ جنہیں مقننہ نے مئی اور جون 1857ء کے مہینوں میں پاس کیا تھا، وہ تمام اپنی پوری قوت کے ساتھ زیر عمل تھے۔ ہمارے انگریز فوجی سپاہی، اور ان کے ساتھ ان ہی جیسی خصلتیں رکھنے والے مقامی شہری اور دیہاتی بھی عوام کے خون کے دریا بہاتے چلے جارہے تھے، انہوں نے فوجی عدالتیں قائم کی ہوئی تھیں۔ اور وہ ہندوستان کے مقامی باشندوں کو بلا امتیاز عمر یا جنس موت کی گھاٹ اتارتے چلے جارہے تھے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ خون بہانے کے عادی ہو گئے تھے، اور اس کے بعد دن بدن خون کی پیاس میں شدت اور انتہاء کا اضافہ ہوتا چلا گیا اور یہ ساری کارروائی انگریزی پارلیمنٹ کے ریکارڈ پر موجود ہے، جو کہ گورنر جنرل آف انڈیا کے ان کونسل نے اپنی حکومت کو ارسال کی تھی، جن میں اس نے فاخرانہ انداز میں کہا..... تمام بوڑھے، مرد، عورتیں اور بچے ان سب لوگوں کے ساتھ جنہوں نے انگریز کے خلاف بغاوت کی تھی، قتل کر دیئے گئے۔ (مسٹر کے کی کتاب جلد 5 باب دوم)

مسٹر کے مزید لکھتا ہے:

جب ہم کالے ہندوستانیوں کی نازک جگہوں پر لال مرچیں ڈالتے تھے، تو ان کی آہ و بکاء اور چیخ و پکار سے ہم خوب محظوظ ہوتے تھے۔ اور ہمارا سارا وقت بڑے ہی کیف و طرب میں گزرتا تھا۔ (مسٹر کے کتاب جلد 4 باب دوم)

مصنف آگے چل کر داستان ظلم و ستم فخریہ انداز میں یوں بیان کرتا ہے:

''میں نے بڑے ہی فنکارانہ انداز میں چند نوخیز بچوں کو تختہ دار پر لٹکانے کے لئے آموں کے درخت کا انتخاب کیا اور انہیں کچلنے کے لئے ہاتھیوں کا بندوبست کیا، خونیں انصاف کی بھینٹ چڑھنے والے یہ نوجوان یا نوخیز بچے رسیوں میں جکڑے

ہوئے تھے اور انگریزی ہندسہ 8 کی طرح انہیں درختوں سے باندھا گیا تھا“۔

مسٹر ہومز اپنی کتاب میں اس دور کی خونچکاں صورتحال یوں بیان کرتا ہے:

شہر دہلی کے اندر چار سو پھانسیاں گاڑی گئی تھیں، جہاں پر کہ باقاعدگی سے چار پانچ سو افراد پھانسی پر لٹکے ہوتے تھے۔ اور انگریز افسران پھانسی پر لٹکنے والوں کے نزدیک سگریٹ سلگا سلگا کر بڑے خوشگوار موڈ میں مزے سے بیٹھ جاتے تھے، اور پھانسی پر لٹکنے والوں کی موت وحیات کی کشمکش بڑے ہی مستانہ انداز میں نظارہ کرتے تھے۔ (ہومز کی کتاب صفحہ 386)

گورنر جنرل 24 دسمبر 1858ء کو ان جانکاہ تباہ کاریوں سے پردہ یوں اٹھاتا ہے:

”ہندوستانیوں کو لامحدود پھانسیاں دی جاتی رہیں، نہ صرف ان لوگوں کو جن پر الزامات کی بوچھاڑ کی گئی تھی، بلکہ ان لوگوں کو بھی جنکے گنہگار ہونے میں قطعی شک تھا، گاؤں کے گاؤں نہ صرف یہ کہ جلا کر راکھ کیئے گئے۔ بلکہ ان کی آبادیوں کو تہ تیغ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا، جو کوئی بھی انگریزوں کے ہاتھوں چڑھا بے گناہ تھا، یا قصوروار، بچہ تھا یا جوان، بوڑھا تھا یا کمزور، مرد تھا یا عورت، سب کو بڑی بے دردی کے ساتھ قتل کیا گیا، اور بعض مقامات پر تو آبادیوں کی آبادیاں خواہ وہ حکومت کی مخالف تھیں یا نہ تھیں، ان کو بری طرح تہس نہس کیا گیا۔ حتی کہ ہندوستانی رعایا اتنی کم ہوگئی کہ قحط الرجال کے سبب فصلوں اور زراعت کو اس قدر شدید نقصان پہنچا کہ قحط کا خطرہ منڈلانے لگا۔

دہلی پر قبضہ کے بعد شہر کی جو ناقابل بیان حالت ہوگئی تھی، اس کے بارے میں منٹگمری مارٹن مراسلہ نگار ٹائمز اخبار، اپنے مراسلہ میں لکھتا ہے:

''ایک آفیسر اور میں نے بیس 20 آدمیوں کے ایک دستہ کے ساتھ گشت کیا، تو ہم نے دیکھا، کہ چودہ (14) عورتوں کی لاشیں پڑی تھیں، جنکے گلے ان کے کانوں تک کٹے ہوئے تھے۔ جنہیں خود ان کے شوہروں نے ہلاک کیا تھا، اور انہیں انہی کی چادروں میں لپیٹ دیا تھا، ہم نے وہاں پر ایک آدمی کو موجود پایا، جسے ہم نے پکڑلیا، اس نے ہمیں بتایا کہ اس نے انہیں مرتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس خوف سے کہ کہیں عزت دار عورتیں انگریزوں کے ہتھے نہ چڑھ جائیں، ان کے خاوندوں نے انہیں اپنے ہاتھوں سے مار ڈالا، اس آدمی نے ہمیں ان کے خاوند بھی دکھائے، جنہوں نے ان کو ہلاک کرنے کے بعد خود اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالا تھا''۔

یہ تو چند ناکافی اقتباسات ہیں، فرنگی درندے جس روپ میں آج افغانستان، عراق اور فلسطین میں موجود ہیں، اور مجموعۂ تاریخ جس خونیں روشنی سے سفید پوش مسلمانوں کے کٹے ہوئے ڈھانچوں پر رقم کر رہے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ 1857ء کی داستان دردوالم اس سے کہیں زیادہ بھیانک اور تاریک ہے۔ مناسب ہوگا بلکہ ضروری ہوگا کہ آج جس دشمن کی تقلید پر ہم فخر کناں ہیں اور جس کی تہذیبی، مادی اور تعلیمی برتری کے ہم نغمہ خواں ہیں۔ مسلمانوں کے خلاف وہ کیا ذہنیت اور عزائم رکھتا ہے۔ اس کا صحیح اندازہ 1857ء کی جنگ پر لکھی ہوئی درج ذیل کتابوں کا مطالعہ سے آپ خود کرلیں۔

1...... مسٹر کے کی کتاب۔

2...... منٹگمری مارٹن کے خطوط

3...... ایسٹ ڈوکسین

4..... مسٹر ہومز کی کتاب

5..... اے لیڈیز اسکیپ فرام گوالیار

پاکستان میں نافذ العمل قوانین 1860ء کے نافذ کردہ قوانین ہیں۔ یہ وہ دور ہے جس دور میں قانون نافذ کرنے والے انگریز مسلمانوں اور ہندوؤں کے خلاف انتہائی درجہ آتشیں انتقام کے جذبات لئے ہوئے تھے، وہ جس طرح اپنی معاندانہ کارروائیوں سے مسلمانوں کو تہس نہس کر رہے تھے، بجا طور انہی استحصالی عزائم اور انتقامی جذبات سے دق ذہنوں نے ان قوانین کو نافذ کیا ہوگا، اور جن لوگوں کے ہاتھ مسلمانوں کے خون سے رنگے ہوئے ہوں، ان سے کس طرح توقع کی جاسکتی ہے۔ کہ وہ مسلمانوں کے لئے عدل وانصاف پر مبنی قوانین نافذ کریں گے، درندہ صفت فرنگیوں کے وضع شدہ قوانین سے انصاف کی امید رکھنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔

1..... تجربہ شاہد ہے کہ آج کے نافذ العمل قوانین 1857ء کے ظلم کا تسلسل ہے، اقتباس میں جس طرح آپ نے پڑھا کہ انگریز فوجی سپاہی اوران کے ساتھ انہی جیسی خصلتیں رکھنے والے مقامی شہری اور دیہاتی عوام کے خون کے دریا بہاتے چلے جارہے تھے، انہوں نے فوجی عدالتیں قائم کی ہوئی تھیں اور ہندوستان کے باشندوں کو بلاامتیاز موت کی گھاٹ اتارتے چلے جارہے تھے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ خون بہانے کے عادی ہوگئے تھے، اور اس کے بعد دن بدن خون کی پیاس میں شدت اور انتہاء کا اضافہ ہوتا چلا گیا..... کیا یہ اقتباس ہماری آج کی پولیس پر من وعن صادق نہیں آرہا ہے۔ فرنگی نظام کی کارستانیاں ہیں کہ اس نے پولیس کو فری ہینڈ دیا ہوا ہے کہ وہ محض شبہہ یا محض رپورٹ کی بنیاد پر کسی شخص کے خلاف ایف، آئی، آر درج کروائے اور تاعرصہ دراز بلاثبوت جرم اور بلاعدالتی فیصلہ جیل کی سلاخوں کے

پیچھے دھکیل دے۔(دیکھئے دفعہ Cr.P.C 154)

آپ بتائیں بلاثبوت جرم کسی معزز شہری کو گرفتار کرنا اور عرصۂ دراز تک اس کو پابند سلاسل رکھنا کہاں کا انصاف ہے؟ آج کل حدود آرڈیننس کے خلاف جو واویلا کیا جارہا ہے، اور عورتوں پر مظالم کا جو رونا رویا جارہا ہے، اور جس کے لئے اسلامی قانون حدود آرڈیننس کی تنسیخ کا بذریعہ مراعات خور میڈیا شدت سے مطالبہ کیا جارہا ہے، واقع میں ان مظالم کا سبب حدود آرڈیننس ہرگز نہیں ہے۔ حدود آرڈیننس اسلامی قوانین کے موافق ہے، اور عوامی عدل وانصاف کا ضامن ہے عورتوں پر ہونے والے مظالم کی اصل وجہ محکمہ پولیس ہے، پولیس اپنے شتر بے مہار اختیارات کے سبب محض شبہہ کی بنیاد پر مقدمہ درج کر کے ملزم کو گرفتار کرتی ہے، اور بلاثبوت جرم طویل عرصہ تک پابہ جولاں کر دیتی ہے، حالانکہ اسلامی قوانین کی رو سے ضابطہ یہ ہے کہ جب تک جرم ثابت نہ ہو، اس وقت تک جیل کیا گرفتار کرنا بھی جائز نہیں ہے، اور مزید یہ کہ خواتین کے ناموس کے اعتراف میں شریعت عورت کو جیل میں رکھنے کی سرے سے قائل ہی نہیں، بدرجہ مجبوری اجتہاد کیا جاسکتا ہے۔

2......دوسری بڑی خامی جو نظر آتی ہے وہ یہ کہ موجودہ فرنگی قوانین سے مظلوم کی دادرسی ہونا تقریباً ناممکن ہے، فرنگی قوانین کے اردگرد وکیلوں، ناقابل برداشت مالی اخراجات، تھکا دینے والا عرصہ دراز اور ضابطۂ فوجداری کے تکلفات کی جو باڑ لگائی گئی ہے، اس سے حتمی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ یہ قوانین مظلوم کی پاسداری کم اور ظالم کی زیادہ کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ عوام موجودہ قوانین سے غیر مطمئن اور خوف زدہ ہونے کے سبب پولیس اور عدالت کے احاطوں سے کوسوں دور بھاگتی ہے، ظلم تو سہہ

لیتی ہے لیکن ظلم در ظلم کا شکار ہونے کے لئے عدالت کا دروازہ نہیں کھٹکھٹاتی ہے۔

3.....قوانین روایات ورواجات کی بنیاد پر بنتے ہیں، نافذ العمل قوانین عوامی ذہن کے آئینہ دار ہوتے ہیں جبکہ پاکستان کے موجودہ قوانین پاکستانی عوام کے ذہنی رجحانات اور معاشرتی رواجات کے خلاف ہیں، یہ قوانین بجائے پاکستانی ذھن کے سراسر مغربی ذھن کی ترجمانی کرتے ہیں۔مثلاً 1979ء سے قبل یعنی حدود قوانین کے نفاذ سے قبل کے قوانین پاکستانی عوام کی روایات کے اتنے صریح خلاف تھے کہ اگر یوں کہا جائے کہ وہ قوم کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ تھے، تو بے جا نہ ہوگا۔

چیدہ چیدہ نکات درج ذیل ہیں:

1 ..... غیر شادی شدہ بالغ لڑکی کو حق تھا کہ وہ اپنی مرضی کیساتھ جس مرد کے ساتھ چاہے بدکاری کر سکتی تھی۔

2.....شادی شدہ عورت اپنے شوہر کی اجازت سے جس مرد کے ساتھ چاہے بدکاری کر سکتی تھی۔

3.....شوہر اپنی بیوی کی مرضی سے اسکو چکلہ کے طور پر استعمال کر سکتا تھا۔

4.....عصمت فروشی (Prostitution) پر کوئی قدغن نہیں تھا بشرطیکہ اگر عورت غیر شادی شدہ ہو۔تو 18 سال سے کم نہ ہو، اور اگر شادی شدہ ہو، تو شوہر کی اجازت سے ہو۔

5.....عورت کو حق حاصل تھا کہ وہ زنا کے جرم میں تو برابر کی شریک ہو، جبکہ مقدمہ صرف مرد پر قائم کیا جاتا تھا، اور عورت کو شریک جرم ہونے کے باوجود بری کیا جاتا تھا۔

6.....شادی شدہ عورت کے خلاف زنا کا مقدمہ صرف شوہر درج کرواسکتا تھا، بھائی، باپ، یا حقائق جاننے والا کوئی عام فرد اس کا حق نہیں رکھتا تھا۔

7......زنا کا جرم قابل معافی تھا، اور قابل راضی نامہ تھا، یعنی شوہر اگر زانی کو معاف کردیتا، یا راضی نامہ کرلیتا تھا، تو حکومت کو رکاوٹ بننے کا حق نہ تھا۔

8......زنا بالجبر کا ملزم صرف مرد ہی ہوسکتا تھا، عورت اگر کسی نابالغ لڑکے کے ساتھ زنا بالجبر کی مرتکب ہوتی، تو اس کے لئے کوئی سزا نہ تھی۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے بندہ کی کتاب حدود آرڈیننس اور تہذیبی تصادم مطبوعہ العبر اس بنوری ٹاؤن کراچی)

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ضیاء الحق مرحوم کو انہوں نے حدود آرڈیننس کا نفاذ کرکے ان شرمناک قوانین کا باب بند کروادیا، لیکن سابقہ اخلاق سوختہ قوانین کی تنسیخ کا مغربی معاشرہ اور این، جی، اوز کو بڑا ملال ہے، حدود قوانین کے خلاف میڈیا دار کے ذریعہ شکوک وشبہات پیدا کرکے پاکستان میں عصمت فروشی اور اباحیت کی راہ دوبارہ سے ہموار کی جارہی ہے۔

پاکستان ایک مقدس نظریہ کے تحت وجود میں آیا ہے، یہاں کی روایات دینی ہیں، پاکستان کو وجود میں لانے کی غرض یہ تھی کہ ہندوستان کے مسلمان ایک ایسا خطۂ ارض حاصل کریں جہاں وہ اپنی روایات ونظریات کے مطابق قانون سازی کرکے ایک فلاحی معاشرہ قائم کرسکیں، لیکن افسوس! پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد یہ مقدس عمل سازشوں کا شکار رہا۔

اگرچہ قرارداد مقاصد اور دستور پاکستان کے تحت پہلا اصول یہ تسلیم کیا گیا ہے، کہ ''کوئی قانون قرآن وسنت کے منافی نہ ہونا چاہیے''۔ (دستور کی دفعہ 198)

لیکن اس شق کی حیثیت رسم بسم کے سوا کچھ نہیں ہے، کیونکہ آرٹیکل 6 کی ضمنی دفعہ

2 میں مذکور ہے:

عدالتوں میں کسی قانون کے جواز کو اس بناء پر چیلنج نہیں کیا جاسکتا ہے، کہ وہ قانون سازی کے اصولوں (بشمول کوئی قانون اسلام کے منافی نہیں ہونا چاہیے) کو نظر انداز یا ان سے تصادم لیتا ہے، یا کسی اور سبب کی بناء پر قانون سازی کے اصولوں کے مطابق نہیں ہے۔

مطلب بالکل واضح ہے کہ پاکستانی عوام کی ملی اور قومی روایات کے منافی قوانین جو نافذ ہیں انہیں چلنے دیں، انہیں چیلنج کرنے کا اختیار عدالتوں کو نہیں ہے۔

4......سرکاری اداروں اور عدالتوں پر بجائے ملی روایات کے محافظ علماء دین کے ان لوگوں کو براجمان کیا گیا ہے جنکی تربیت فرنگی اداروں میں ہوئی ہے۔ مخصوص غلامانہ سوچ، مغربی طرز تہذیب سے انفعالی اثر، اور دینی علوم سے عدم شناسائی کے سبب ان سے توقع نہیں رکھی جاسکتی ہے کہ وہ فرنگی طرز طریقہ سے ہٹ کر کوئی راست قدم اٹھانے کی جرات کرسکیں گے، محدود غلامانہ سوچ کی بناء پر ہمیشہ اس تاک میں رہتے ہیں کہ اسلام اور اسلامی قوانین کو توڑ مروڑ کر کے فرنگی قوانین کے مطابق کردیا جائے، خواہ اس کے لئے اسلام کا خون ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔

اس غلامانہ ذہنیت کا سبب لارڈ میکالے کا وضع کردہ نظام تعلیم ہے، جس کے نفاذ سے مقصد یہ تھا کہ فرنگی تعلیم کے ذریعہ ہندوستانیوں کو ذھن کا فرنگی بنادیا جائے، یہی وجہ ہے کہ آج کا مغربی طرز تہذیب کا تعلیم یافتہ طبقہ مسلمان ہونے کے باوجود:

1......اسلام اور اسلامی قوانین کو موجودہ دور میں ناقابل عمل تصور کرتا ہے۔

2......پردہ کو عورتوں پر ظلم کہتا ہے۔

3...... حدود کو ظالمانہ سزائیں کہتا ہے۔

4...... مدارس، علماء وطلباء کو پاکستان کی معیشت پر بوجھ سمجھتا ہے۔

5...... جہاد کو دہشت گردی کہتا ہے۔

کافرانہ ذھنی تربیت اور مروجہ فرنگی نظام تعلیم ونظام قانون نے مسلم قانون دانوں اور تعلیم یافتہ طبقہ کو اسلام اور اس کے عالمگیر فلسفۂ حیات سے منحرف بنا کر لادین تعلیمات کا دلدادہ بنا دیا ہے۔

اے آر کارنیلس سابق چیف جسٹس پاکستان فرماتے ہیں:

''عدالتوں میں جب کبھی کسی مسئلہ کی گہرائی میں جانے اور اس مسئلہ کا مالھا وماعلیھا کو معلوم کرنے کی ضرورت لاحق ہوتی ہے، تو ہمارے پاکستانی وکلاء بڑے اطمینان اور بے فکری سے ''ہالبریز آف انگلینڈ'' اور ''امریکن جیورس پروڈینس'' سے بے تکان حوالے پیش کرتے چلے جاتے ہیں، لیکن ایسا شاذ ہی ہوتا ہے کہ متعلقہ مسئلہ پر اسلامی نقطۂ نظر سے بھی روشنی ڈالی جائے، آخر ہمارے وکلاء اسلامی قانون، اسکے اصول اور احکام جاننے کی کوشش کیوں نہیں کرتے ہیں؟ (مجموعہ قوانین اسلام جلد 2 صفحہ 342)

ڈاکٹر تنزیل الرحمن سابق جج سندھ ہائی کورٹ لکھتے ہیں:

''انگریزی نظام تعلیم نے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں کونسا اسلام باقی چھوڑا ہوا ہے جو وہاں کے فارغ التحصیل قانون کے میدان میں انگریزی اور امریکی نقطہ ہائے نظر پیش کرنے کے ساتھ اسلامی نقطۂ نظر بھی پیش کرسکیں، اور آج اتنا عرصہ گزرنے کے باوجود کم وبیش وہی صورت برقرار ہے''۔ (مجموعہ قوانین اسلام جلد 2 صفحہ 342)

نظریاتی اساس پر قائم پاکستان میں فرنگی نظام تعلیم اور نظام قانون کے نفاذ کے

سبب جب آوے کا آوا ہی بگاڑ کا شکار ہو جائے، اور اسلام سے نا آشنائی کے سبب اسلامی نظام سے انحراف ہونے لگے، ذہنی سوچ ہی مغرب پرستانہ بن جائے تو ایسے میں پاکستان کے سیاہ وسفید پر قابض حکمرانوں اور سرکاری وقانونی اداروں پر براجمان مغرب زدہ طبقہ سے یہ توقع رکھنا کہ وہ پاکستان کو نظریاتی اساس پر قائم ودائم رہنے دینگے، ناممکن ہے۔ دین کے نام پر دین کا حلیہ بگاڑنے کی امید تو رکھی جاسکتی ہے، لیکن دین وشریعت کا نفاذ، شعبہ ہائے حکومت میں اسلامی قوانین کا احیاء، ملی وقومی روایات کی بنیاد پر قانون سازی، حقیقی عدل وانصاف پر مبنی نظام قانون، نونہالان قوم کی دینی تربیت کی توقعات رکھنا ایسا ہے جیسے پتھر سے موم بننے کی امید رکھنا۔

نظریاتی اساس پر قائم پاکستان میں اسلامی نظام کی عدم ترویج، شعبہ ہائے حکومت میں اسلام کے داخلہ پر عملاً پابندی، اسلام سے زیادہ مغربی طرز فکر سے لگاؤ، جدید تعلیم یافتہ طبقہ کا محدود اور مرعوب ذہن اس کے علاوہ اور اس قسم کی خرابیوں کو اگر آپ ان کے پس منظر میں جھانک کر دیکھیں گے، اور ان کے ماورا اصل اسباب کی کھوج میں لگیں گے تو آپ کی نظر جاتے جاتے ایک بنیادی نکتہ پر مرکوز ہو جائے گی اور وہ ہے...... پاکستان میں نافذ العمل مغربی طرز تعلیم......

دراصل مغربی نظام تعلیم ہی ان تمام برائیوں کی جڑ ہے، یہ وہ نظام تعلیم ہے جس کی تدوین کی غرض وغایت...... بقول لارڈ میکالے...... فرنگی سرکار کے لئے وفادار نوکر تیار کرنا تھی۔

ایسے وفادار نوکر جن کے رگ وپے میں مغرب پرستی اس انداز سے رچی بسی ہو

کہ وہ مغربی طرز فکر کے علاوہ ہر چیز کو ہیچ سمجھیں۔

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اس پر یوں روشنی ڈالتے ہیں:

انگریزی اقتدار کے عہد میں ہم پر جو نظام تعلیم مسلط کیا گیا تھا اس میں دوسری خرابیوں کے علاوہ ایک بنیادی خرابی یہ تھی کہ اس میں اسلام کو زندگی کے تمام شعبوں سے کاٹ کر عبادتوں اور نجی زندگی کے چند معاملات تک محدود کر دیا گیا تھا۔ یہ بات محتاج بیان نہیں ہے کہ اسلام زندگی کا ایک مکمل نظام ہے اور وہ حکومت و سیاست سے لیکر تجارت و معیشت تک زندگی کے ہر شعبے کے لئے اپنی مخصوص تعلیمات اور ہدایات رکھتا ہے۔

لہٰذا جس وقت دنیا میں یہ دین عملاً نافذ تھا اس وقت نظام تعلیم کا حال یہ تھا کہ اسلام کی تعلیم صرف اسلامیات کے مضمون کی حد تک محدود نہ تھی بلکہ ہر علم وفن کی تعلیم میں اسلام رچابسا نظر آتا تھا، طالب علم فلسفہ پڑھ رہا ہو، یا منطق سائنس کی تعلیم حاصل کر رہا ہو یا حساب اور ریاضی کی، طب کی تعلیم میں مشغول ہو یا صنعت وحرفت کی تعلیم میں، غرض ہر علم وفن کے رگ وریشہ میں اسے اسلامی نظریات اور مفکرین اسلام کے افکار یا کم از کم اسلامی طرز فکر سمایا ہوا ملتا تھا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ وہ علم وفن کے خواہ کسی گوشے کو اپنی زندگی کا محور بنالے وہ ذہنی اور عملی طور پر سچا اور پکا مسلمان ہوتا تھا۔ اور اس کے دل ودماغ میں اسلام کے مقابلے میں دوسرے افکار سے مرعوبیت پیدا ہو ہی نہیں سکتی تھی، یہ نظام تعلیم اس میں اتنی صلاحیت پیدا کر دیتا تھا کہ وہ ہر نئی فکر، نئی تحقیق اور نئے فلسفے سے اس کے صالح اجزاء کو اپنا لے اور غیر صالح کو چھوڑ دے۔

لیکن موجودہ نظام تعلیم میں اسلام کی اس ہمہ گیر حیثیت کو سرے سے ختم کر دیا گیا

ہے۔ اسلام کو صرف ''اسلامیات'' کے ایک گھنٹے تک محدود کر دیا گیا ہے اور اس ایک گھنٹے میں بھی نصاب اور طرز تعلیم کے معیار کو اس قدر پست کر دیا گیا ہے کہ اس سے اسلام کی صحیح تعلیم کا ہزارواں حصہ بھی طالب علم کے سامنے نہیں آ سکتا۔

1 ...... آج کل ہمارے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں جو فلسفہ پڑھایا جاتا ہے اس میں یونانی یا نو افلاطونی فلسفے کے بعد عالب علم سیدھا یورپ کے نشاۃ ثانیہ کے بعد کے فلسفے پر پہنچ جاتا ہے اور اس کے ذہن پر یہ تاثر قائم ہوتا ہے کہ نو افلاطونی فلاسفہ سے لیکر ڈیکارٹ تک کا پورا زمانہ فکر اور فلسفے میں جمود کا زمانہ ہے۔ علمِ وفن کی تاریخ میں بھی اس زمانہ کو ''تاریک زمانہ'' سے تعبیر کیا جاتا ہے حالانکہ یہ دور صرف غیر مسلم یورپ کے لئے ''تاریک'' تھا۔ ورنہ یہی وہ دور ہے جس میں مسلمانوں نے آدھی سے زائد دنیا میں علمِ وفن کے چراغ روشن کئے ہوئے تھے اور خود یورپ کا حصہ اندلس ان کی روشنی سے جگمگا رہا تھا۔ اس دور کے مسلمان فلاسفہ اور متکلمین نے فکر اور فلسفے کے میدان میں جو نئی راہیں کھولی ہیں اور اپنی تحقیقات کا جو بیش بہا ذخیرہ چھوڑا ہے موجودہ نظام تعلیم میں سرے سے ان کا کوئی ذکر ہی نہیں ملتا۔

جدید اسلامی نظام تعلیم میں یہ ضروری ہے کہ اس وسیع علمی خلا کو پُر کیا جائے جو مغرب کی تنگ نظری اور تعصب نے مصنوعی طور پر پیدا کیا ہے اور فلسفے کی تعلیم میں مسلمان فلاسفہ اور متکلمین کے افکار کو ان کا صحیح مقام عطا کیا جائے۔

2 ...... سائنس کے بارے میں یہ حقیقت آج پوری دنیا میں مان لی گئی ہے کہ سائنس کی موجودہ ترقی اس استقرائی طریقے کی مرہونِ منت ہے جس میں صرف قیاس

وتخمین کے بجائے مشاہدہ اور تجربہ کے ذریعہ تحقیقات کی جاتی ہیں لیکن ساتھ ہی مغربی نظام تعلیم نے ہر کس وناکس کے ذہن پر یہ تاثر قائم کرادیا ہے کہ استقرائی طریقۂ تحقیق کو فلسفے میں سب سے پہلا اختیار کرنے والا بیکن اور سائنس میں کوپرنیکس اور گلیلیو ہے حالانکہ سائنس اور فلسفے میں اس طریقۂ استدلال کی بنیاد مسلمانوں نے ڈالی تھی، انہوں نے ہی سائنس کا رُخ موڑ کرا سے اس راستہ پر ڈالا تھا جس پر آج وہ برق رفتاری سے دوڑ رہی ہے۔ اس کے باوجود ہمارا سائنس کا طالب علم خالد بن یزید، ذکریا رازی، ابن سینا، خوارزمی، ابوریحان، بیرونی، فارابی، ابن مسکویہ، ابن رشد، کندی، ابومحمد خوجبدی، جابر بن حیان اور موسیٰ بن شاکر جیسے عظیم سائنسدانوں سے یکسر ناواقف رہتا ہے۔

3.... معاشیات کی تعلیم میں طالب علم آج صرف یہی جانتا ہے کہ بنیادی طور پر معاشیات کے دو مکتب فکر ہیں۔ سرمایہ داری اور اشتراکیت، اسلام کے معاشی اصول اور قوانین اس کی نگاہوں سے بالکل اوجھل رہتے ہیں اور اس کو یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ اسلام نے بھی معیشت کے بارے میں ایسا نظام بنایا ہے جو مذکورہ دونوں مکاتب فکر سے الگ ہے۔ اسی طرح اس کو یہ پڑھایا جاتا ہے کہ علم معاشیات کی بنیاد آدم اسمتھ نے رکھی تھی اور اس سے بہت پہلے کے تمام فقہاء سے لیکر ابن خلدونؒ اور شاہ ولی اللہؒ جیسے مفکرین نے علمِ معاش کی جو خدمات انجام دی ہیں ان کو فہرست سے یکسر خارج کر دیا گیا ہے۔

4.... علم سیاست میں بھی نوافلاطونی فلاسفہ اور جدید مغربی فلاسفہ کے درمیان ایک وسیع خلا ہے جو صرف مغرب کے تعصب اور تنگ نظری کی پیداوار ہے۔ سیاست

کے بارے میں اسلام کے اصول وتعلیمات اور مسلمان مفکرین کی کاوشوں کا کوئی ادنیٰ سا عکس بھی موجودہ نصاب میں نہیں ملتا۔

5......یہی حال عمرانیات کا بھی ہے شاید ہی کوئی منصف مزاج اس بات سے انکار کر سکے کہ اس علم کے مدون اول ابن خلدونؒ ہیں لیکن عمرانیات کے موجودہ نصاب سے یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ اسلام یا مسلمانوں نے بھی اس علم پر کوئی کام کیا ہے۔

6......نفسیات کی تعلیم اب بڑے پیمانے پر ہونے لگی ہے لیکن اس سلسلہ میں مسلمانوں کے علماء تصوف نے جونئی نئی راہیں نکالی ہیں اور نفس انسانی کے عوارض پر جو مفید ترین بحثیں کی ہیں موجودہ نظام تعلیم میں اس کی کوئی پرچھائیں بھی موجود نہیں ہے۔

7......قانون اور اصول قانون کے بارے میں بھی ہمارا نصاب تعلیم سراسر مغربی افکارو نظریات ہی سے بھرا ہوا ہے۔ اصولِ قانون کی دقیق بحثوں کو جس بے نظیر انداز میں فقہائے اسلام نے اصول فقہ میں مدون کیا ہے اس سے استفادہ کا کوئی موقع طالب علم کو نہیں ملتا۔ (عصر حاضر میں اسلام کیسے نافذ ہو صفحہ 262)

پاکستان سے فرنگی نظام کا جنازہ نکالنے اور ملک میں موجود خرابیوں کا علاج اسلامی نظام تعلیم کے نفاذ میں مضمر ہے، سرکاری اداروں بشمول کلیدی شعبہ جات...... تعلیم، قانون، معیشت اور دفاع...... میں مغربی ذھن کے لوگوں کی کھپت ہمارے ملک سے ہی ہو رہی ہے، یہیں کا نظام تعلیم مغربی نظام کے خیر خواہ پیدا کر رہا ہے۔

نظام تعلیم میں سرکاری سطح پر انقلابی تبدیلی لانے اور اس کو اسلامی خطوط پر استوار

کرنے کی توقع حکمرانوں سے کرنا دیوار سے سر پٹخنے کے مترادف ہوگا۔ نظام تعلیم میں انقلاب لانے کے لئے نجی سطح پر ہمیں پرائیویٹ اسکول کھولنے ہوں گے۔ بالکل اس طرح جس طرح اسلامی علوم کے تحفظ اور اسلامی علوم کے ماہرین پیدا کرنے کے لئے ہر مکتب فکر کے علماء نے مدارس کا سلسلہ شروع کیا ہوا ہے۔ اور حکومتی سرپرستی حاصل نہ ہونے کے باوجود یہ مدارس روبہ ترقی ہیں۔ معیار تعلیم کی بلندی اور طرز انتظام نے آج دنیا کو انگشت بدنداں کیا ہوا ہے۔ آج اگر پاکستان کس چیز میں خود کفیل ہونے کا دعویٰ کرسکتا ہے تو وہ صرف دینی تعلیم وتبلیغ ہے، رشد واصلاح اور دینی تعلیمات کے عمل میں پوری دنیا پاکستان کی محتاج ہے۔ مختلف ممالک حتی کہ مغربی ممالک کے طلبہ دینی علوم کی تحصیل میں پاکستان کا رُخ کرنے پر مجبور ہیں، جبکہ پاکستانی طلبہ بحمد اللہ خود کفیل ہیں، ان کو کہیں جانے کی ضرورت نہیں، جبکہ اس کے مقابلہ میں مروجہ فرنگی نظام تعلیم میں حکومت کی بھرپور سرپرستی اور توجہ ہونے کے باوجود نہ تو پاکستان میں اس کا معیار بلند ہوسکا ہے اور نہ ہی یہ ادارے پاکستان کو مادی تعلیمات میں خود کفیل بناسکے ہیں، پاکستانی طالب علم آج بھی اعلیٰ تعلیم کے حصول میں امریکہ وبرطانیہ کا محتاج ہے۔

مدارس کی طرح خالص مادی تعلیمات پر مبنی اسکول کالجز اگر کھولے جائیں،

ایسے اسکول جہاں تعلیم انگریزی ہو، علوم مادی ہوں لیکن ذھن اسلامی اور تربیت مصطفوی ہو، تو کوئی بعید نہیں کہ آئندہ وقتوں میں پاکستان مادی تعلیمات میں نہ صرف خود کفیل ہوسکے، بلکہ سرکاری اداروں میں براجمان فرنگی ذہنیت کے لوگوں سے بھی پاکستان کو نجات مل جائے گی۔

لیکن فرنگی حریف سے مبارزت دین پسندوں کے لئے اس صورت میں ممکن ہے

جبکہ مقصد......اعلاء کلمۃ اللہ، منزل شہادت اور حریف......فرنگ اور فرنگ زدوں کو بنایا جائے۔ جبکہ اس وقت سلسلہ بالکل برعکس ہے، ہر جماعت کے لوگوں نے اپنے مسلک کو کامل دین سمجھا ہوا ہے، وہ دین کا احیاء اپنے مسلک ہی کے سایہ میں چاہتے ہیں۔ مسلک مخالف لوگ ان کے حریف اور ان سے جدل ومناظرہ کو جہاد سمجھے ہوئے ہیں۔ جب مقصد...... مسلک اور حریف...... اپنے مسلمان بن جائیں، تو ایسی صورت میں مسلمانوں کو فرصت کہاں میسر آ سکے گی، کہ وہ ایک وقت میں دو محاذوں پر نبرد آزمائی کرسکیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے داخلی اختلافات اور مسلکی نزاعات کے سبب اسلام دشمن نظریات اس وقت اسلامی دنیا کے رگ وپے میں سرایت کر چکے ہیں، دشمن ہر لحاظ سے اسلامی دنیا کو اپنے نرغہ میں لے چکا ہے، اس وقت وہ ایک بدمست ہاتھی کی طرح اسلام اور اور اس کی تہذیب وثقافت کو کچلنا چاہتا ہے۔

درج ذیل بیان شاید ہماری آنکھیں کھول سکے:

پاکستان کو بلیک لسٹ اور سعودی عرب کیخلاف کارروائی کی جائیے۔ امریکی کمیشن

چین، شمالی کوریا، ایران، سوڈان، ازبکستان، ترکمانستان، ویتنام، اریٹیریا، میانمار کو بدستور بلیک لسٹ میں رکھنے، بنگلہ دیش، کیوبا، مصر، انڈونیشیا اور نائجیریا کو "واچ لسٹ" میں شامل کرنے کا مطالبہ، سعودی عرب سے نرمی نہ کرنے پر اصرار، متاثرہ ممالک پر پابندیوں کا خدشہ۔

افغان مسلمانوں کا عیسائیت قبول کرنے والے کو واجب القتل قرار دینا مغربی ممالک کے لئے انتہائی تشویش کا باعث تھا، عراق سے عیسائیوں کا انخلا اسی طرح جاری رہا تو 2000ہزار سال سے آباد گھرانوں کو بھی اپنا وطن چھوڑنا پڑیگا، چیئرمین مذہبی آزادی کمیشن۔

واشنگٹن (اے ایف پی) امریکی کمیشن برائے تحفظ مذہبی آزادی نے اپنی حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ مذہبی آزادیوں کی پامالی پر پاکستان، ازبکستان اور ترکمانستان کو ''بلیک لسٹ'' میں شامل کرلیا جائے اور سعودی عرب کے خلاف سخت ترین اقدام کیا جائے، امریکی حکومت کو سعودی عرب سے رعایت یا اس کے خلاف سخت کارروائی میں کوئی تامل نہیں کرنا چاہیے، واضح رہے کہ یہ کمیشن امریکی کانگریس کا مقرر کردہ ہے، اس کی درخواست پر امریکی محکمہ خارجہ جن ممالک کو بلیک لسٹ کردے ان پر پابندیاں عائد کی جاسکتی ہیں، کمیشن کے چیئرمین مائیکل کرومارٹی نے سعودی عرب کی حکومت پر الزام لگایا کہ اسے 2 برس قبل اپنے ملک میں مذہبی آزادیوں کی صورتحال کو بہتر بنانے کے لئے مہلت دی گئی تھی لیکن انہوں نے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا، انہوں نے کہا کہ چین، شمالی کوریا، ایران، سوڈان، ویتنام، اریٹیریا اور میانمار کو بلیک لسٹ میں بدستور شامل رکھا جائے، انہوں نے بنگلہ دیش، کیوبا، مصر، انڈونیشیا اور نائجیریا میں مذہبی آزادیوں کی صورتحال کو تشویشناک قرار دیتے ہوئے کہا کہ ان ممالک کو ''واچ لسٹ'' میں شامل کرکے ان کی صورتحال پر گہری نظر رکھی جائے، عراق کی صورتحال پر اظہار تشویش کرتے ہوئے مائیکل کرومارٹی نے کہا کہ غیر مسلم اقلیتیں عدم تحفظ کے باعث عراق چھوڑ رہی ہیں، اگر وہاں سے عیسائیوں کا انخلا اسی طرح جاری رہا تو خدشہ ہے کہ ان لوگوں کو بھی عراق سے جانا پڑے گا جن کے آباواجداد گزشتہ 2000 سال سے عراق میں آباد تھے، انہوں نے افغانستان کی صورتحال کو بھی تشویشناک قرار دیتے ہوئے کہا کہ اسلام چھوڑ کر عیسائیت اختیار کرنے والے ایک شخص کو بچانے کے لئے صدر بش کو مداخلت کرکے اسے اٹلی بھجوانا پڑا، انہوں نے کہا کہ افغان مسلمانوں کی جانب سے عیسائیت قبول کرنے والے شخص کو واجب القتل قرار دینا مغربی ممالک

کے لئے انتہائی تشویش کا باعث تھا، انہوں نے کہا کہ حال ہی میں ایک مسلمان اسکالر کو جس نے محض بعض اسلامی تعلیمات کے بارے میں عام عقائد سے ہٹ کر بات کی تھی جیل میں ڈال دیا گیا تھا، کمیشن کے چیئر مین نے کہا کہ عراق میں امریکا سیاسی اصلاحات کے لئے اہم کوششیں کر رہا ہے لیکن شیعہ سنی فسادات کی وجہ سے یہ کوششیں کامیاب نہیں ہو رہی ہیں۔ (روزنامہ ایکسپریس کراچی 4 مئی 2006ء)

موجودہ حالات میں ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے مسلکی اختلافات کو ثانوی درجہ میں لائیں، مسلکی اختلافات کو علمی مباحث کی حد میں رکھیں، اوران کو اپنی انا اور کفر و اسلام کی جنگ نہ بنائیں، جبکہ شیطان کے حواری مغرب اور اس کے ہم خیال طبقہ کو صف اول کا حریف سمجھتے ہوئے ان کے خلاف اپنی علمی و عملی توانائیاں صرف کریں۔ اگر دین پسندوں نے آج صحیح معنی میں دشمن کو دشمن سمجھ لیا تو......

"اتَّقِ فراسة المؤمن فإنه ينظر بنور الله"

ترجمہ: ''مومن کی فراست سے ڈرو، کیونکہ وہ اللہ کے نور سے واقعات پر نظر جمائے رکھتا ہے''۔

حدیث کے مصداق کے تحت کوئی بعید نہیں کہ عصر حاضر کا عیار دشمن مؤمن کی نورانی فراست سے زیر ہو جائے اور مسلمان قوم بیرونی سازشوں اور کافرانہ ہتھکنڈوں سے نجات پا کر ابدی نجات کی راہ پر گامزن ہو کر پاکستان کو اسلام کا گہوارہ بنالے۔

لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا کہ یہ اس صورت میں ممکن ہے جبکہ ہم اپنے مسلکی اختلافات کو ثانوی درجہ میں رکھ کر مغرب کو صف اوّل کا عیار حریف جان جائیں۔

اس عقدہ دشوار کو حل کرنے کے سلسلہ میں شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صدر وفاق المدارس علماء دیوبند کا مزاج و مذاق کی بابت لکھتے ہیں:

''ہمارے اکابر کا ہمیشہ یہ مزاج اور مسلک رہا ہے کہ امت مسلمہ کے درمیان واقع فروعی اختلافات کو عوامی سطح پر اچھالنے کے بجائے اسے خالص علمی اور تحقیقی حلقوں تک محدود رکھا جائے، اور جب تک کسی شخص کا نظریہ کھلی گمراہی یا کفر تک نہ پہنچتا ہو اس کے ساتھ فروعی اختلاف کو محاذ جنگ بنانے سے روکا جائے، اس کے بجائے تمام وہ مسلمان جو دین کی بنیادوں میں متفق ہیں مل جل کر عصر حاضر کے ان فتنوں کا مقابلہ کریں جو براہِ راست اصول دین پر حملہ آور ہیں، بات بات پر کفر وشرک کا فتویٰ لگانا اور فروعی اختلاف کی وجہ سے تضلیل وتفسیق کا حکم جاری کرنا ہمارے اکابر کا مزاج کبھی نہیں رہا، اور اس چیز کو انہوں نے کبھی پسند نہیں کیا، البتہ مثبت انداز میں دین کے صحیح عقیدے کی تشریح، اسلاف امت کے منہج وطریقے کی توضیح اور بدعات ورسومات سے بالکل پاک خالص دین کی تبلیغ اکابر دیو بند اپنی تقریروں، وعظوں اور تحریروں کے ذریعہ کرتے رہے''۔

(کچھ دیر غیر مقلدین کے ساتھ، ابتدائیہ)

مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر اگر مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیعؒ کی درج ذیل تجاویز کی پابندی کا تہیہ کرلیں، تو کوئی بعید نہیں کہ آج کے اختلافات کی گرم بازاری کل کے خوشگوار تعلقات میں بدل جائے اور فروعی اختلاف کو علمی وتحقیقی حلقوں تک میں محدود رکھنے کا بندوبست ہوسکے۔ اور دشمن کو دشمن سمجھنے اور سوچنے کا موقع مل سکے۔

تجاویز درج ذیل ہیں:

1..... مسلمانوں کے وہ تمام فرقے اور جماعتیں جن کے درمیان دین کے بنیادی اور

جوہری امور میں اختلاف نہیں ہے۔ زبانی اور قلمی مناظروں سے مکمل پرہیز کریں۔

2..... ہر فرقہ اپنے تدریس، تصنیف اور فتویٰ کے حلقوں میں اپنے مسلک کو ضرور واضح کرے لیکن اس میں دوسرے پر طعن و تشنیع، فقرہ بازی اور ملامت و تعریض کے دلآزار اسلوب کو قطعی طور پر ترک کیا جائے۔

3..... ان اختلافات کو عوامی جلسوں، اور اخبارات و رسائل کا بنیادی موضوع نہ بنایا جائے۔ کسی جگہ ضمناً ان کا ذکر ضروری معلوم ہو تو اس میں نرم لب و لہجہ کے ساتھ مسئلہ کی وضاحت کردی جائے۔

4 تمام مسلمان اپنی توانائیاں بے دینی کے اس سیلاب پر بند باندھنے میں صرف کریں جس نے ہمارے پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے۔

5..... ہر جماعت کے اہل علم وقت کے ان علمی فتنوں کا سنجیدگی کے ساتھ مطالعہ فرمائیں جو اشتراکیت، عیسائیت، دہریت، قادیانیت، انکارِ حدیث اور تجدد و تحریف دین کی شکل میں براہِ راست دین کی بنیادوں پر حملہ آور ہیں، ہمیں یقین ہے کہ اگر ہمارے اہل علم و فکر حضرات ان نظریات کا کما حقہ، مطالعہ کر کے ان کی فتنہ سامانیوں سے پوری طرح آگاہ ہوں گے تو انہیں آپس کے یہ اختلافات ہیچ نظر آئیں گے۔ اور فروعی مسائلِ پر بحث و مباحثہ کی یہ گرم بازاری انہیں گناہ محسوس ہوگی۔

واقعہ یہ ہے کہ ہر مکتب فکر میں ہمیشہ سے ایک حلقہ ایسا رہا ہے جو اپنے مسلک کے علاوہ دیگر مکاتب فکر کی تکفیر و تفسیق اور ان کے خلاف محاذ جنگ گرم رکھنے کو اپنا ہدف

حیات بنایا ہوا ہوتا ہے۔اس قسم کے لوگوں سے جہاں امت مسلمہ پریشان رہتی ہے، وہاں ان کے اپنے ہم مسلک لوگ بھی ان سے کوئی خوش نہیں رہتے ہیں لیکن بحمد اللہ ہر مکتب فکر میں ہمیشہ سے اکثریت ان لوگوں کی رہی ہے جو مسلکی اختلافات کو ان کی حد میں رکھنے پر زور دیتے ہیں، اور اختلافات کے باوجود وہ اصولی مقاصد میں امت مسلمہ کی وحدت کا خیال رکھتے ہیں۔

مسلکی اختلافات کو محاذ جنگ بنانا، اپنے نظریات کا منفی انداز میں پرچار کر کے دیگر مکاتب فکر کے لوگوں کی دلآزاری کرنا، مذہبی احساسات کو ٹھیس پہنچانا مخالف نظریہ کے لوگوں کی عبادت گاہوں، مقدس مقامات یا مدارس کو نقصان پہنچانا، یا قبضہ جمانا قانوناً جرم ہے۔ایسے عناصر کے خلاف بحمد اللہ تعزیری قوانین موجود ہیں اور یہی قوانین کتاب ھٰذا کا موضوع سخن ہیں۔

فرقہ واریت کے خلاف نافذ قوانین کو حرکت میں لانے کے لئے حکومت اور عوام کا فرض بنتا ہے کہ وہ فرقہ واریت اور اشتعال انگیزی پر مبنی تقریروں کا سختی سے نوٹس لیں اور قانون کے آہنی ہاتھ کے ذریعہ ان کا ناطقہ بند کریں۔

کتاب کی وجہ تالیف دراصل یہی ہے کہ ہر مکتب فکر کے لوگوں کو یہ معلوم ہو کہ نافذ العمل قانون میں ان کے مسلک کے لئے کیا حقوق فراہم کیے گئے ہیں، کن کن وجوہ کے تحت وہ عدالت عالیہ کا دروازہ کھٹکھٹا سکتے ہیں، کہاں برداشت سے کام لینا ہے اور کہاں مجرم کا گریبان پکڑ کر اس کو عدالت کے کٹہرے میں پیش کرنا ہے، یہ تمام تفصیلات آپ کو مکمل وضاحت کے ساتھ کتاب ھٰذا میں ملیں گی۔

کتاب ھٰذا میں اقلیتوں کے سیاسی اور قانونی حقوق کا بھی تفصیل سے جائزہ لیا

گیا ہے۔ نیز اقلیتوں کے حقوق کے حوالہ سے اسلام اور مغرب کا تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اور تحدیث نعمت کے طور پر دعوے سے کہا جا سکتا ہے کہ کتاب ھذا میں اقلیتوں کے قانونی حقوق پر منفرد مقالہ آپ کی نظر سے گزرے گا۔

آخر میں اپنے قارئین کی خدمت میں دردمندانہ گزارش پیش کرنا چاہوں گا کہ اگر کتاب ھذا میں کوئی قابل تنقید غلطی نظر آ جائے تو مؤلف کو تحریری طور پر مطلع کرنا نہ بھولیں، مؤلف آپ کا انتہائی احسان مند ہوگا۔

اس ناچیز کو اپنی کم مائیگی کا بجا طور اعتراف ہے، ویسے بھی انسان کی حقیقت خطا اور نسیان کے سوا کیا ہے، کوئی کتنی ترقی کر جائے، بشریت کے دائرہ سے نکل نہیں سکتا ہے۔

كُلكُمْ خَطَّاؤنَ وَخَيرُ الْخَطَّائين التوابون

دَعَوْتُ نداه دعوةً فأجابني وعلَّمني إحسانُه كيف أمْلُه

واللّٰه اعلم بالصواب

کلمہ گو کی تکفیر کا مسئلہ

اور

اسلامی مکاتب فکر کے قانونی حقوق

موضوعہ دفعات پاکستان میں موجود تمام مکاتب فکر کے مسلک، عبادت گاہوں اور مذہبی احساسات کومکمل قانونی تحفظ فراہم کرتی ہیں،اب یہ ہمارااور حکومت وقت کا فرض بنتا ہے کہ عوام ہونے کے حیثیت سے انصاف کے حصول کے لئے ہم قانون وانصاف کا دروازہ کھٹکھٹائیں اور اس سے بھی زیادہ حکومت کا اس سلسلہ میں نہایت اہم فرض یہ بنتا ہے کہ موضوعہ قانون پرخلوص دل سے سختی سے عملدرآمد کرائے،بعضے مساجد، مدارس یا جماعتیں جوفرقہ وارانہ فسادات کرانے میں پیش پیش رہتی ہیں، حکومت کا فرض بنتا ہے کہ نافذ العمل قانون کوحرکت میں لائے،اور فرقہ وارانہ تقاریر وتحاریک میں ملوث عناصر کا سراغ لگا کر ان کوقرار واقعی سزا دلائے۔

کلمہ گو کی تکفیر کا مسئلہ

اور

اسلامی مکاتب فکر کے قانونی حقوق

اسلام کو مسلمانوں کی کسی خاص جماعت یا فرد میں محصور سمجھنا بجائے خود غلط ہے، کیونکہ اس سے لازم آئے گا اس شخص یا جماعت کا معصوم اور مبرا عن الخطا ہونا، جبکہ یہ صرف پیغمبر اسلام اور انبیاء کرام علیہم السلام کا وصف لازم ہے۔ ان کے علاوہ کسی کو معصوم سمجھنا یا تنقید سے بالاتر سمجھنا با جماع امت غلط ہے، شیعہ مکتب فکر جس سے امت مسلمہ کو غیر معمولی نظریاتی اختلاف رہا ہے، انکی بابت ائمہ سلف نے علی الاطلاق تکفیر کا اصول اختیار نہیں کیا ہے، بلکہ تکفیر کو عقائد کے ساتھ مشروط کیا ہے۔ اس کا مطلب ہے شیعہ ہونا وجہ کفر نہیں ہے بلکہ کافرانہ عقائد دراصل تکفیر کی اساس ہے۔ اور کافرانہ عقیدہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جس کے وجود کی خبر دی ہے اس کے وجود کو بجائے تسلیم کرنے کے صریح انداز میں یا اوٹ پٹانگ تاویل کے ذریعہ اس کا انکار کیا جائے، جیسے کافر اور غیر مسلم لوگ اسلام کا واضح انداز میں انکار کرتے ہیں، اور راوٹ پٹانگ تاویل کی مثال جیسے قادیانی جماعت کے لوگ کہ یہ لوگ ختم نبوت کا بجائے صریح انداز میں تکذیب کرنے کے تاویل فاسد کی مدد لیتے ہیں، اور خود ساختہ تاویل ظلی نبوت، بروزی نبی کی اصطلاحات گھڑ کر غلام احمد قادیانی کی نبوت کو دلیل کا سہارہ دیتے ہیں۔

صریح انداز میں تکذیب ہو یا تاویل فاسد کے ذریعہ انکار ہو دونوں ایک چیز ہیں، اور یکساں حکم رکھتے ہیں، تکذیب جس طرح وجہ کفر ہے، بعینہ تاویل باطل بھی وجہِ کفر ہے، درج ذیل شہادت سے اس کی وضاحت ہو سکتی ہے۔

بہت سی کتب حدیث میں واقعہ منقول ہے کہ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں صوبہ شام کے کچھ لوگ شراب نوشی کے مرتکب ہوئے، شام کے گورنر یزید بن ابی سفیان کی خدمت میں جب یہ لوگ پیش ہوئے، تو کہنے لگے ہم نے کسی جرم کا ارتکاب نہیں کیا ہے، کیونکہ مسلمان اگر متقی اور پارسا ہو تو اس کے لئے شراب حلال ہے، اور درج ذیل آیت سے استدلال کیا:

لیس علی الذین امنوا وعملوا الصالحات جناح فیما طعموا اذا ما اتقوا وامنوا وعملوا الصالحات ثم اتقوا وامنوا ثم اتقوا واحسنوا واللہ یحب المحسنین. (سورۃ المائدہ آیت 93)

شام کے گورنر نے اس واقعہ کی خبر دربار خلافت میں کی، اس پر حضرت عمرؓ نے ان لوگوں کو مدینہ طلب کیا، جب یہ لوگ آ گئے، تو ان کے بارے میں آپؓ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا کہ شریعت کی روشنی میں ان کے لئے کیا سزا مناسب ہے، سارے صحابہ نے حضرت عمرؓ کو ان کے قتل کرنے کا مشورہ دیا، کیونکہ وہ لوگ آیت بالا میں تاویل فاسد کے مرتکب ہوئے تھے، اور تاویل فاسد سے قرآن کے صریح حکم حرمت خمر کو حلال قرار دے رہے تھے، حضرت عمرؓ نے اس سلسلہ میں حضرت علیؓ سے استفسار فرمایا، حضرت علیؓ نے فرمایا: مناسب یہ ہے کہ فوری قتل سے پہلے ان لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دی جائے، اگر مسلمان ہو جاتے ہیں، تو پھر ان کے خلاف صرف شراب نوشی کی سزائے حد... 80 اسی کوڑے... کا حکم جاری کیا جائے، اور اگر اپنے فاسد نظریہ پر قائم ہوں، تو پھر انہیں سزائے موت دیجائے، کیونکہ یہ لوگ تاویل فاسد کر کے اللہ تعالی پر صریح بہتان باندھ چکے ہیں، کہ اللہ تعالی نے ایک نجس چیز خمر کو مسلمان کے لئے حلال قرار دیا ہے، اور قرآن جس کو حرام قرار دے چکا ہے، تاویل

فاسد کے ذریعہ اس کو حلال قرار دینا کفر ہے۔

حضرت عمرؓ اس جواب سے مطمئن ہوئے اور ان لوگوں کو بلا کر ان سے تائب ہونے کو کہا، وہ تائب ہوئے، حضرت عمرؓ نے تجویز کے مطابق ان کے حدِ خمر جاری کی۔ (شرح معانی الآثار للامام الطحاوی جلد 2 صفحہ 76)

اس بنیاد پر رسول اللہ ﷺ نے جس چیز کے وجود کی خبر دی ہے، اس کی تکذیب صریح انداز میں یا بر سبیل تاویل فاسد کرنا بایں طور کہ حلال کو حرام یا حرام کو حلال بنایا جائے، یا اجماعی اور متفقہ عقیدہ کا انکار کیا جائے۔ ایسی تاویل کرنا کفر ہے، اس میں کسی مکتب فکر کا اختلاف نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے جن چیزوں کی خبر دی ہے ان کے وجود کو حقیقی معنوں میں تسلیم کرنا ضروری ہے، حقیقی معنی ممکن ہوتے ہوئے بھی تاویل کی راہ لینا جائز نہیں ہے، لیکن اگر وجود حقیقی وذاتی مراد نہ لینے پر کوئی دلیل قطعی موجود ہو، تو اس صورت میں تاویل کرنا ضروری ہو جاتا ہے، جیسے:

1...... يد الله على الجماعة: جماعت پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہوتا ہے۔

2..... استوى على العرش: عرش پر اللہ تعالیٰ نے استواء فرمایا۔

درج بالا دونوں مثالوں میں اگر لفظ کے حقیقی معنی مراد لیے جائیں تو اللہ تعالیٰ کے لئے انسانوں جیسا جسم ہونا لازم آئے گا، اور مآل کار اللہ تعالیٰ کا حادث ہونا لازم آئے گا۔ جو بجائے خود غلط ہے، کیونکہ اس معنی کے خلاف قطعی الثبوت

شہادت موجود ہے۔

اس بنیاد پر تاویل کی ضرورت پر تمام امت مسلمہ متفق ہے، اور جب نص قابل تاویل یا واجب التاویل ہو، تو اس کی تاویل کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے۔ لیکن اس مرحلہ پر مشکل یہ ہو جاتی ہے کہ ایک کے نزدیک تاویل کے لئے قطعی الثبوت شہادت موجود ہوتی ہے جبکہ دوسرے کے نزدیک وہ شہادت قطعیت کی پوزیشن میں نہ ہونے کے سبب اس معنی میں تاویل کرنا تاویل فاسد کے زمرہ میں آتا ہے۔ اور اس تاویل فاسد کی بنیاد پر وہ اوّل جماعت کی تکفیر کرتا ہے۔

اس گتھی کے سلجھانے کے لئے حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے ''التفرقة بين الاسلام والزندقة'' میں بہت ہی مناسب اصول بیان فرمایا ہے۔

ان کا کہنا ہے کہ ایمان تصدیق کا نام ہے، اور تصدیق کے یہ معنی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جس چیز کے وجود کی خبر دی ہے، اس کے وجود کو تسلیم کرنا عین تصدیق اور عین ایمان ہے۔

پھر امام صاحب وجود کے مدارج کی تفصیل بیان فرماتے ہیں کہ وجود کے مدارج پانچ ہیں:

1 ...... وجود حقیقی: واقع میں ہر چیز کا وجود جیسے زید بکر عمرو۔

2 ...... وجود حسی: حاسہ میں کسی چیز کا وجود، مثلاً خواب میں ہم بہت سی چیزیں دیکھتے ہیں ان کا وجود صرف ہمارے حاسہ میں ہوتا ہے، یا جس طرح بیماری کی شدت کے سبب بسا اوقات جاگتے میں خیالی صورتیں نظر آتی ہیں۔

3 ...... وجود خیالی: خیال اور سوچ میں گھومنے والی صورت، مثلاً: کسی کو ہم نے دیکھا،

پھر آنکھیں بند کر لیں، تو مخاطب کی صورت جواب ہماری آنکھوں میں پھرتی ہے، یہ وجود خیالی ہے۔

4.....وجود عقلی: کسی شئے کی اصلی حقیقت، مثلاً جب ہم کہتے ہیں کہ یہ چیز ہمارے ہاتھ میں ہے، تو مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ چیز ہماری قدرت و اختیار میں ہے، تو ہاتھ کا وجود عقلی قدرت واختیار ہے۔

5.....وجود شبھی: اصل چیز تو موجود نہ ہو۔ لیکن اس سے ملتی جلتی مشابہ ایک چیز موجود ہے۔

اس کے بعد امام صاحب تاویل کے اصول بیان فرماتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جس چیز کے وجود کی خبر دی ہے، اول اس کا وجود ذاتی ماننا چاہیے، اگر وجود حقیقی مراد نہ لینے پر کوئی قطعی دلیل موجود ہو۔ تو وجود حسی، پھر خیالی، پھر عقلی، پھر شبھی۔

پھر قطعی الثبوت شہادت کے حوالہ سے آگے لکھتے ہیں کہ قرآن پاک کے علاوہ اور چیزوں کا بہ تواتر ثابت ہونا نہایت غامض ہے، جبکہ قرآن پاک اور اس کی آیتیں بہ تواتر قطعی الثبوت ہیں، لیکن احادیث کا بہ تواتر قطعی الثبوت ہونا مشکل ہے، کیونکہ ممکن ہے کہ ایک گروہ کثیر ایک مسئلہ پر متفق ہو جائے اور اس کو بہ تواتر بیان کرے، جس طرح شیعہ حضرات ولایت علیؓ کی حدیث بیان کرتے ہیں، ولایت علی ان کے ہاں بہ تواتر ثابت ہونے کے سبب قطعی الثبوت ہے، اور اس بنیاد وہ سنی حضرات کی تکفیر کرتے ہیں، جبکہ اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک حدیث بالا اس حیثیت اور اس معنی میں نہیں ہے۔

اجماع کی قطعیت پر تنقید کرتے ہوئے امام صاحب لکھتے ہیں، کہ ایک تو اجماع کا ثابت ہونا بہت مشکل ہے، کیونکہ اجماع کے معنی ہیں کہ تمام اہل حل وعقد ایک امر

پر متفق ہو جائیں، اور ایک مدت مدید یا بعض حضرات کے نزدیک تا اختتام عصر اول اس اتفاق پر وہ لوگ قائم رہیں، اور ایسا ہونا بظاہر مشکل نظر آتا ہے، اور اگر ممکن بھی ہو جائے تو اجماع کے انعقاد کے وقت اختلاف رائے کرنا جائز تھا، اور کفر نہ تھا، تو اجماع ہو چکنے کے بعد اختلاف رائے کا عدم جواز تو سمجھ میں آتا ہے کہ اس سے اجتماعیت متاثر ہوگی اور امت مسلمہ جو یک جان و یک قالب ہے، اختلاف رائے کے سبب اس میں دراڑ پڑے گی۔ لیکن اس بنیاد پر کسی کی تکفیر کرنا محل نظر ہے۔

امام صاحب مزید لکھتے ہیں کہ جو چیز اصول عقائد سے تعلق نہیں رکھتی اس میں تاویل کرنے پر تکفیر نہیں کرنی چاہیے، مثلاً شیعہ حضرات امام مہدی کا غار میں مخفی ہونا مانتے ہیں، یہ ایک وہم پرستی تو ہے، لیکن اصول عقائد میں اس سے کوئی خلل واقع نہیں ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض صوفیاء کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم ﷺ نے آفتاب و ماہتاب کو خدا نہیں کہا تھا، کیونکہ اجسام کو خدا کہنا انبیاء کرام کی شان سے بعید ہے بلکہ ابراہیم ﷺ نے جواہر فلکیہ نورانیہ دیکھے تھے اور انہیں خدا سمجھا تھا۔

صوفیاء کرام کا آیت کے واضح اور دو ٹوک معنی میں خواہ مخواہ کی تاویل کرنا اس لئے نقصان دہ اور وجہ تکفیر نہیں بن سکتا ہے کیونکہ درج بالا تاویل کا اصول عقائد سے تعلق نہیں ہے۔

صاحب ردالمحتار نے بھی قریب قریب اسی رائے کا اظہار کیا ہے، انہوں نے ایک سیدھے سادے انداز میں بہت دلچسپ بات ذکر فرمائی ہے۔ وہ کہتے ہیں کسی فرد یا جماعت کی تکفیر اس وقت تک نہ کی جائے جب تک اس کی تکفیر پر تمام امت مسلمہ کا اتفاقِ رائے نہ ہو جائے۔ اگر بعض علماء تکفیر کریں اور بعض عدم تکفیر تو جرح

وتعدیل کے قاعدہ کے مطابق ترجیح عدم تکفیر کو حاصل ہوگی، اسی اصول کی بنیاد پر وہ تمام فرق باطلہ شیعہ، خوارج، رافضی وغیرہم کے عدم تکفیر کے قائل ہیں۔ لیکن یہ اسوقت تک ہے جب تک ان کے نظریات عقائد یا اصول عقائد کے منافی نہ ہوجائیں، جہاں عقائد سے ان کے نظریات کا تعارض آجائے وہاں ان کی تکفیر باجماع امت یقینی ہے۔ مثلاً حضرت عائشہؓ پر زنا کا الزام لگانا، یہ عقیدہ رکھنا کہ حضرت جبریل علیہ السلام بجائے حضرت علیؓ کے پاس وحی لیجانے کے غلطی سے رسول اللہ ﷺ کے پاس چلے گئے۔

صاحب ردالمحتار لکھتے ہیں:

''میرا کہنا یہ ہے کہ خلاصۃ الفتاویٰ کے حوالہ سے بزازیہ میں یہ عبارت منقول ہے کہ کوئی رافضی شیعہ اگر ابوبکرؓ وعمرؓ کو سب وشتم کرے تو وہ کافر ہے۔ اور اگر حضرت علیؓ کو ان پر فضیلت دے تو بدعتی ہے،

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہاں کفر کا فتویٰ لگانا مشکل نظر آتا ہے، کیونکہ ائمہ امت کا اس پر اتفاق ہے کہ بدعتی فرقوں کے لوگ گمراہ ضرور ہیں، لیکن سب شیخین (ابوبکر وعمر) یا کسی صحابی کو سب وشتم کرنے کے سبب کافر نہیں ہیں۔

صاحب فتح القدیر نے ذکر کیا ہے کہ خوارج جو مسلمانوں حتی کہ صحابہ کے قتل کو جائز سمجھتے تھے اور مسلمانوں کے مال کو غنیمت جانتے تھے، اور صحابہ کرامؓ کی تکفیر کرتے تھے جمہور فقہاء اور محدثین نے انہیں باغی تو کہا ہے کافر نہیں۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ بعض محدثین نے ان کو مرتد قرار دیا ہے۔ لیکن ان کی رائے کا اعتبار اس لئے نہیں ہوسکتا ہے کیونکہ اجماع سے مراد فقہاء کا اجماع ہوتا ہے، محدثین کا

نہیں، امام ابن المنذر کہتے ہیں: مجھے نہیں معلوم کہ خوارج کی تکفیر میں کسی امام نے محدثین کی رائے سے اتفاق کیا ہو۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اجماع سے فقہاء کرام کا اجماع مراد ہوتا ہے"۔(ردالمحتار جلد 4 صفحہ 237)

صاحب ردالمحتار کی درج بالا رائے جمہورِ امت کی رائے ہے، جس کا خلاصہ ہم یوں ذکر کر سکتے ہیں:

1...... عقائد یا اصول عقائد کے منافی نظریہ یا عقیدہ موجب تکفیر ہے۔

2...... جو چیز اصول عقائد سے تعلق نہیں رکھتی اس کے انکار کرنے یا اسکی تاویل کرنے میں تکفیر نہیں ہوسکتی ہے۔

3...... کسی فرد یا جماعت کی تکفیر اس وقت تک نہ کی جائے جب تک اس پر امت مسلمہ یعنی فقہائے امت کا اجماع نہ ہو جائے۔

شق نمبر 1 کی مزید توضیح شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی کی زبانی درج ذیل ہے:

"خدا جانے یہ اصول کہاں سے گھڑا گیا ہے کہ ہر وہ شخص جو کلمہ پڑھتا ہو اور اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو وہ مسلمان ہے اور اسے کوئی شخص کافر قرار نہیں دے سکتا۔ سوال یہ ہے کہ کیا مسیلمہ کذاب کلمہ شہادت نہیں پڑھتا تھا؟ پھر خود آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے اسے کافر قرار دے کر اس کے خلاف جہاد کیوں کیا؟ اور خود مرزا غلام احمد نے جا بجا نہ صرف مسیلمہ کذاب بلکہ آپ کے بعد اپنے سوا ہر مدعی نبوت کو کافر اور کذاب کیوں کہا؟ اگر آج کوئی نیا مدعی نبوت کلمہ پڑھتا ہوا اٹھے اور آنحضرت ﷺ کے سوا تمام انبیاء کو جھٹلائے۔ آخرت کے عقیدے کا مذاق اڑائے۔ قرآن کریم کو اللہ کی کتاب ماننے سے انکار کرے اپنے آپ کو افضل الانبیاء قرار دے، نماز روزے کو

منسوخ کر دے، جھوٹ، شراب، زنا، سود اور قمار کو جائز کہے اور کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے سوا اسلام کے ہر حکم کی تکذیب کر دے تو کیا اسے پھر بھی ''کلمہ گو'' ہونے کی بنا پر مسلمان ہی سمجھا جائے گا؟ اگر اسلام ایسا ہی ڈھیلا ڈھالا جامہ ہے جس میں کلمہ پڑھنے کے بعد دنیا کا ہر برے سے برا عقیدہ اور برے سے برا عمل سما سکتا ہے تو پھر فضول ہی اسلام کے بارے میں یہ دعوے کئے جاتے ہیں کہ وہ دنیا کے تمام مذاہب میں سب سے زیادہ بہتر، مستحکم، منظم اور با قاعدہ مذہب ہے۔

جو لوگ ''ہر کلمہ گو'' کو مسلمان کہنے پر اصرار کرتے ہیں، کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کلمہ (معاذ اللہ) کوئی منتر یا ٹونا ٹوٹکا ہے جسے ایک مرتبہ پڑھ لینے کے بعد انسان ہمیشہ کے لیے ''کفر پروف'' ہو جاتا ہے اور اس کے بعد برے سے برا عقیدہ اسے اسلام سے خارج نہیں کر سکتا......؟

اگر عقل و خرد اور انصاف و دیانت دنیا سے بالکل اُٹھ ہی نہیں گئی تو اسلام جیسے علمی اور عقلی دین کے بارے میں یہ تصور کیسے کیا جا سکتا ہے کہ محض چند الفاظ کو زبان سے ادا کرنے کے بعد انسان جہنمی سے جنتی اور کافر سے مسلمان بن جاتا ہے۔ خواہ اس کے عقائد اللہ اور رسول ﷺ کی مرضی کے بالکل خلاف ہوں......؟

واقعہ یہ ہے کہ کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (معاذ اللہ) کوئی جادو یا طلسم نہیں ہے، یہ ایک معاہدہ اور اقرار نامہ ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کو معبودِ واحد قرار دینے اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اللہ کا رسول ماننے کا مطلب یہ معاہدہ کرنا ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ہر بات کی تصدیق کروں گا۔ لہٰذا اللہ یا اس کے رسول ﷺ کی بتائی ہوئی جتنی باتیں ہم تک تواتر اور قطعیت کے ساتھ پہنچی ہیں ان سب کو درست

تسلیم کرنا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ایمان کا لازمی جزء اور اس کا ناگزیر تقاضا ہے اگر کوئی شخص ان متواتر قطعیات میں سے کسی ایک چیز کو بھی درست ماننے سے انکار کر دے تو درحقیقت وہ کلمۂ توحید پر ایمان نہیں رکھتا، خواہ زبان سے لا الہ الا اللہ پڑھتا ہو اس لئے اس کو مسلمان نہیں کہا جا سکتا، عقیدۂ ختمِ نبوۃ چونکہ قرآن کریم کی بیسیوں آیات اور سرکارِ دوعالم ﷺ کے سینکڑوں ارشادات سے بطریقِ تواتر ثابت ہے، اس لئے باجماعِ امت وہ اُنہی قطعیات میں سے ہے جن پر ایمان لانا کلمۂ طیبہ کا لازمی جزو ہے اور جس کے بغیر انسان مسلمان نہیں ہوسکتا"۔(قادیانی فتنہ اور ملت اسلامیہ کا موقف صفحہ 116)

شق نمبر3+2 کی مزید توضیح کرتے ہوئے شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی رقمطراز ہیں:

"چند فتاویٰ کو پیش کر کے یہ تأثر دینا بالکل غلط، بے بنیاد اور گمراہ کن ہے کہ یہ سارے مکاتبِ فکر ایک دوسرے کو کافر قرار دیتے ہیں۔اس کے بجائے حقیقت یہ ہے کہ ہر مکتبِ فکر میں ایک عنصر ایسا رہا ہے جس نے دوسرے کی مخالفت میں اتنا تشدد کیا کہ وہ تکفیر کی حد تک پہنچ جائے لیکن اسی مکتبِ فکر میں ایک بڑی تعداد ایسے علماء کی ہے جنہوں نے فروعی اختلافات کو ہمیشہ اپنی حدود میں رکھا اور ان حدود سے نہ صرف یہ کہ تجاوز نہیں کیا بلکہ اس کی مذمت کی ہے اور عملاً یہی محتاط اور اعتدال پسند عنصر غالب رہا ہے، جس کی واضح مثال یہ ہے کہ جب بھی مسلمانوں کا کوئی مشترک مسئلہ پیدا ہوا ہے ان تمام مکاتبِ فکر کے مل بیٹھنے میں بعض حضرات کے فتوے کبھی رکاوٹ نہیں بنتے۔

یہ مسلمان فرقے جن کی فرقہ بندی کا پروپیگنڈہ دنیا بھر میں گلا پھاڑ کر کیا گیا

ہے اور جن کے اختلافات کا شور مچا مچا کر لوگوں نے اپنے باطل نظریات کی دکانیں چمکائی ہیں۔ وہی تو ہیں جو 1951ء میں پاکستان کی دستوری بنیادیں طے کرنے کے لئے جمع ہوئے اور کسی ادنیٰ اختلاف کے بغیر اسلامی دستور کے اساسی اصول طے کر کے اٹھے جبکہ پروپیگنڈہ یہ تھا کہ اس قسم کا اتفاق ایک امر محال ہے 1953ء ہی میں انہوں نے قادیانیت کے مسئلہ پر اجتماعی طریقے سے ایک مشترکہ مؤقف اختیار کیا۔ 1972ء میں دستور سازی کے دوران شیر وشکر رہ کر اس بنیادی کام میں شریک رہے دنیا بھر میں شور تھا کہ یہ لوگ مل کر مسلمان کی متفقہ تعریف بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن 1972ء میں انہوں نے ہی کامل اتفاق واتحاد سے اس پروپیگنڈے کی قلعی کھولی۔ اور اب پھر یہ مرزائیت کے کھلے کفر کے مقابلے میں شانہ بشانہ موجود ہیں غرض یہ کہ جب بھی اسلام اور مسلمانوں کا کوئی مشترکہ مذہبی مسئلہ سامنے آیا۔ تو ان کے باہمی مذہبی اختلافات اجتماعی مؤقف اختیار کرنے میں کبھی سدِ راہ ثابت نہیں ہوئے۔ لیکن کیا کبھی کسی نے دیکھا ہے کہ اس قسم کے اجتماعات میں کسی مرزائی کو بھی دعوت دی گئی ہو؟ اس طرزِ عمل پر غور کرنے سے چند باتیں کھل کر سامنے آجاتی ہیں۔

اول یہ کہ باہم ایک دوسرے کی تکفیر کے فتوے انفرادی حیثیت رکھتے ہیں کسی مکتب فکر کی نمائندہ حیثیت نہیں، ورنہ یہ مکاتب فکر کبھی بحیثیت مسلمان جمع نہ ہوتے۔

دوسرے یہ کہ ہر مکتب فکر میں غالب عنصر وہی ہے جو فروعات کو فروعات ہی کے دائرے میں رکھتا ہے اور آپس کے اختلافات کو تکفیر کا ذریعہ نہیں بناتا۔ ورنہ اس قسم کے اجتماعات کو قبولِ عام حاصل نہ ہوتا۔

تیسرے یہ کہ اسلام کے بنیادی عقائد جو واقعتاً ایمان اور کفر میں حدِ فاصل کی

حیثیت رکھتے ہیں ان میں یہ سب لوگ متفق ہیں۔

لہٰذا اگر کچھ حضرات نے تکفیر کے سلسلہ میں غلو اور تشدد کی روش اختیار کی ہے تو اس سے یہ نتیجہ کیسے نکالا جا سکتا ہے کہ اب دنیا میں کوئی شخص کافر ہو ہی نہیں سکتا اور اگر یہ سب لوگ مل کر بھی کسی کو کافر کہیں تو وہ کافر نہیں ہوگا۔

کیا دنیا میں عطائی قسم کے لوگ علاج کر کے انسانوں پر مشقِ ستم نہیں کرتے؟ بلکہ کیا ماہر سے ماہر ڈاکٹر سے بھی غلطی نہیں ہوتی؟ لیکن کیا کبھی کوئی انسان جو عقل سے بالکل ہی معذور نہ ہو یہ کہہ سکتا ہے کہ ان انفرادی غلطیوں کی سزا کے طور پر ڈاکٹروں کے طبقے کی کوئی بات قابل تسلیم نہیں ہونی چاہیے۔ کیا عدالتوں کے فیصلوں میں ججوں سے غلطیاں نہیں ہوتیں؟ یا ججوں کا کوئی فیصلہ مانا ہی نہ جائے؟ کیا مکانات سڑکوں اور عمارتوں کی تعمیر میں انجینئر غلطی نہیں کرتے؟ لیکن کبھی کسی ذی ہوش نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ ان غلطیوں کی بناء پر تعمیر کا ٹھیکہ انجینئروں کی بجائے گورکنوں کو دے دیا جائے؟ پھر یہ کہ اگر چند جزوی نوعیت کے فتووں میں بے احتیاطیاں یا غلطیاں ہوئی ہیں تو اس کا مطلب یہ کیسے نکل آیا کہ اب اسلام اور کفر کے فیصلے قرآن وسنت کے بجائے مرزائی تحریفات کی بنیاد پر کرنے چاہئیں''۔ (قادیانی فتنہ اور ملت اسلامیہ کا موقف صفحہ 121)

مسلمان کی منزل شہادت اور مشن اعلاء کلمۃ اللہ ہے۔ کوئی بھی چیز جب اپنے مقصد سے ہٹ کر بے راہ روی کا شکار ہو جائے تو گمراہ کن خیالات کا جنم لینا ایک بدیہی نتیجہ ہوتا ہے۔ مسلمان جس کی منزل شہادت ہے اور جس کا مشن اعلاء کلمۃ اللہ ہے۔ اس مقصد کے متروک ہونے کے سبب مسلمان بے راہ روی کا شکار ہو گئے ہیں۔ مسلمان مختلف فرقوں اور گروہوں میں بٹ چکے ہیں۔ اس دور کے مسلمان کا

مقصد حیات اعلاء کلمۃ اللہ کی بجائے اعلاء کلمۃ الحزب ہے، ہر شخص کی کوشش رہتی ہے کہ جیسے کیسے ہو۔ اسکی جماعت اور اس کے نظریات کسی نہ کسی طرح تمام امت مسلمہ پر حاوی ہو جائیں اور تمام عالم اسلام اس کے زیر نگیں آ جائے۔ اس مقصد کے حصول میں ہر جائز و ناجائز کو روا رکھا جاتا ہے، ایک دوسرے کی مساجد پر قبضے کئے جاتے ہیں۔ قتل کے فتوے دیئے جاتے ہیں۔ ایک دوسرے کے قتل کو زبردست کار ثواب سمجھا جاتا ہے۔ ایک دوسرے کے خلاف تکفیر کے فتوے دیئے جاتے ہیں۔ اور جو معتدل مزاج علماء کرام یا عامۃ المسلمین ان کا ساتھ نہیں دیتے ہیں، انہیں بھی کافر قرار دیتے ہیں کہ:

''جو نہ مانے وہ بھی کافر''

اس قسم کے شدت پسندانہ عناصر ہر مکتب فکر میں موجود ہیں۔ اور یہ عناصر غیروں کی نسبت اپنے نظریہ کے لوگوں کے لئے زیادہ خطرہ بنے رہتے ہیں۔ ان شدت پسندانہ عزائم رکھنے والے حضرات کی اصلاح وعظ و پند سے نہیں فقط قانون کے آہنی ہاتھ سے ممکن ہے، ہمارے خیال میں نافذ العمل قانون میں تحفظ مذاہب کے حوالہ سے موضوعہ دفعات فرقہ ورانہ جھگڑوں کی روک تھام کے لئے بالکل کافی ہیں۔ اگر حکومت وقت تحفظ مذاہب کے حوالہ سے نافذ العمل دفعات کے عملی نفاذ کا تہیہ کر لے، تو کوئی بعید نہیں کہ پاکستان جو فرقہ واریت کی بھٹی میں پچھلے پچاس سال سے بری طرح جل رہا ہے قانون کے عملی نفاذ کے سبب ان دگرگوں حالات سے باہر نکل آئے اور یہاں کے مسلمان سکھ کا سانس لے سکیں۔

مختصر انداز میں موضوعہ دفعات کا احاطہ کار او رسزا پیش خدمت ہے۔

1......مسجد، امام بارگاہ یا کسی مقدس مقام کو نقصان پہنچانا یا نجس کرنا مستوجب تعزیر جرم ہے، سزا دو برس تک بمعہ جرمانہ یا کوئی ایک سزا۔ (بحوالہ دفعہ 295)

2......کسی مکتب فکر کے مذہبی احساسات، مذہب یا مذہبی عقائد کی بے حرمتی یا تذلیل کرنا مستوجب تعزیر جرم ہے سزا دس 10 سال تک بمعہ جرمانہ یا کوئی ایک سزا۔ (بحوالہ دفعہ 295-A)

3......مذہبی عبادت یا مذہبی رسومات میں مشغول مجمع کو درہم برہم کرنا مستوجب تعزیر جرم ہے، سزا ایک برس تک بمعہ جرمانہ یا کوئی ایک سزا (بحوالہ دفعہ 296)

4......میت، مقبرہ، مزار یا کسی متبرک مقام کی توہین کرنا یا مداخلت بے جا کرنا مستوجب تعزیر جرم ہے، سزا ایک سال تک بمعہ جرمانہ یا کوئی ایک سزا۔ (بحوالہ 297)

5......دانستہ طور پر کسی کے مذہبی احساسات کو مجروح کرنا مستوجب تعزیر جرم ہے، سزا ایک برس تک بمعہ جرمانہ یا کوئی ایک سزا۔ (بحوالہ 298)

6......صحابہ کرام، امہات المؤمنین، اہل بیت، خلفائے راشدین کی نسبت توہین آمیز رائے زنی کرنا مستوجب تعزیر جرم ہے، سزا تین برس تک بمعہ جرمانہ یا کوئی ایک سزا۔ (بحوالہ 298-A)

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر میں یگانگت، اتحاد اور اخوت و بھائی چارگی کے جذبات موجزن فرمائے۔

واللہ اعلم بالصواب

باب دوم

پاکستان
کا قانونِ تحفظِ مذاہب

- دفعات وتشریحات
- پس منظر اور شان ورود

اقبال کو شک اس کی شرافت میں نہیں ہے
ہر ملتِ مظلوم کا یورپ ہے خریدار!
یہ پیر کلیسا کی کرامت ہے کہ اس نے
بجلی کے چراغوں سے منور کیئے افکار
جلتا ہے مگر شام و فلسطین پہ میرا دل
تدبیر سے کھلتا نہیں یہ عقدہ دشوار
ترکانِ جفا پیشہ کے پنجے سے نکل کر
بیچارے ہیں تہذیب کے پھندے میں گرفتار!

قانون تحفظ مذاہب کی دفعات

اوران کی تشریح......

انگریز جو اٹھارھویں صدی کے صنعتی انقلاب کی چکا چوند کشش کے سبب مذہب سے نہ صرف باغی ہوئے ہیں بلکہ مذہب کے نام سے ان کو یک گونہ چڑ ہوگئی ہے ان کے آئین و قانون میں مذہب یا مذہبی اقدار کے تحفظ کے لیے کوئی جگہ تسلیم نہیں کیگئی ہے، ان کے عقیدہ میں جس طرح لوگ قبول مذہب میں آزاد ہیں۔ اسی طرح مذہب سے بغاوت اور پراپیگنڈہ کرنے میں بھی آزاد ہیں۔

ہندوستان پر فرنگی تسلط قائم ہو جانے کے بعد 1860ء میں بیک جنبش قلم اسلامی قوانین منسوخ قرار پاکر فرنگی قوانین نافذ ہوئے جن میں مذہب، مذہبی اقدار اور بانیان مذہب کے تحفظ کے لیے کوئی جگہ نہ تھی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عیسائی مشنری ہندو، آریہ سماج نے اسلام پر حملے شروع کیے خصوصاً پیغمبر پاک ﷺ کے نام ناموس کی توہین کر کے مسلمانوں کی دلآزاری کرنا ان کا دلچسپ مشغلہ بن گیا تھا۔

مسلمان اپنے اوپر عدل و انصاف کے دروازے بند پا کر دیدہ دہن گستاخان مذہب اور شاتمان پیغمبر ﷺ کا فیصلہ اپنے قوت بازو سے کر کے روبرو عدالت اقرار جرم فاخرانہ انداز میں کرتے تھے۔ مجبور ہو کر فرنگی حکومت نے 1927ء میں دفعہ 295 کا مجموعہ تعزیرات ہند میں اضافہ کیا۔ جس کی رو سے توہین مذہب کی سزا دو سال تک قید بمعہ یا بدوں جرمانہ مقرر ہوئی۔

295. Whoever, destroys, damages or defiles any place of

worship, or any object held sacred by any class of persons with the intention of thereby insulting the religion of any class of persons or with the knowledge that any class of persons is likely to consider such destruction, damage or defilement as an insult to their religion, shall be punished with imprisonment of either description for a term which may extend to two years, or with fine, or with both.

ترجمہ: ’’جو کوئی شخص کسی عبادت گاہ یا کوئی ایسی چیز جس کو لوگوں کا کوئی فرقہ متبرک سمجھتا ہو، تباہ کرے، یا نقصان پہنچائے۔ یا نجس کرے، اس نیت سے کہ وہ اس طرح لوگوں کے کسی فرقہ کے مذہب کی توہین کرے یا اس احتمال کے علم سے کہ لوگوں کا کوئی فرقہ اس تباہی، نقصان یا نجس کرنے کو اپنے مذہب کی توہین سمجھے گا تو اسے دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی قید کی سزا دی جائے گی۔ جس کی میعاد دو برس تک ہو سکتی ہے یا جرمانہ یا دونوں سزائیں۔‘‘

1 ..... دفعہ 295 کے نفاذ سے مقصد ان شدت پسند مذہبی عناصر کو سزایاب کرنا ہے جو اپنے عقیدہ اور مذہب مخالف لوگوں کے مقدس مقامات اور مذہبی عبادت گاہوں کو نقصان پہنچا کر یا انھیں نجس کر کے مخالف مذہب والوں کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچاتے ہوں۔ کسی بھی مخالف مذہب یا اہل مذہب کے خلاف جارحانہ عزائم رکھنا، توہین آمیز اقدامات کرنا مذہبی رواداری کے خلاف ہے، جس کا کہ کوئی مذہب درس نہیں دیتا ہے، مشہور مثل ہے: اپنے مذہب کو چھوڑو نہیں، دوسروں کے مذہب کو چھیڑو نہیں۔

2 ..... نقصان پہنچانا، (Damaging) یا توہین کرنا (Defiling) اس میں نقصان یا نجس کرنے کا تعلق صرف مادی شے یا مادی نقصان تک محدود نہیں ہے،

بلکہ عرف اور رواج میں جیسے کیسے افعال، اقوال اور اقدامات کو اس زمرہ میں لایا جاتا ہو، سب اس میں داخل ہیں، اس میں ایسے اقوال و افعال بھی داخل ہیں جن کے سرزد کرنے سے مذہبی شعائر کی توہین اور بداحترامی ظاہر ہوتی ہو۔ نیز۔ نجس کرنے سے مراد محض گندگی سے مذہبی مقامات کو نجس کرنا نہیں ہے، بلکہ اس کی عمومیت میں مادی غلاظت کے علاوہ مذہبی رسومات کی ادائیگی میں خرابی یا حرج پیدا کرنا بھی شامل ہے۔

3.....عبادت گاہ (Place of Worship) سے ہر ایسی جگہ یا مقام مراد ہے جو مذہبی رسومات یا عبادت کے لیے وقف کیا گیا ہو، اور عام عرف یا رواج میں وہ عبادت گاہ کے نام سے جانا جاتا ہو، لہٰذا اگر غیر موقوفہ گھر یا زمین میں مذہبی رسومات یا عبادت ادا کی جاتی ہو تو عبادت اگرچہ عمومی انداز میں ادا ہوتی ہو، لیکن وہ مذہبی مقام عبادت گاہ یا مسجد اس لئے نہیں کہلا سکتا ہے کیونکہ وہ دراصل کسی خاص شخص کی مملوکہ زمین ہے نہ کہ موقوفہ زمین، ایسے میں اس کا مالک اگر اس کو توڑے گا، یا مذہبی رسومات کا سلسلہ بند کر کے خاص اپنے مصرف میں لائیگا تو اس کو جرم قرار نہیں دیا جائیگا۔

4.....دفعہ بالا کے تحت ملزم کو مستوجب تعزیر قرار دینے کے لیے درج ذیل چیزوں کے ثبوت عدالت کو فراہم کرنے ہوں گے۔

1.....جگہ عبادت کے لئے مخصوص تھی یا لوگوں کے عقیدہ میں وہ مقام فی ذاتہ متبرک تھا۔

2.....لوگوں کے کسی گروہ کے نزدیک وہ مقام یا جگہ متبرک خیال کی جاتی تھی۔

3......ملزم نے ارتکاب جرم متعمدانہ قصد کے ساتھ کیا تھا۔

4......ملزم کی غرض:

الف۔ متعمدانہ نیت کے ساتھ مخالف مذہب کی توہین تھی۔

ب۔ اس کو علم یا ظن غالب تھا کہ اس اقدام سے لوگوں کی کسی جماعت کے مذہبی جذبات مجروح ہوں گے۔

5......ضابطہ فوجداری کے لحاظ سے جرم بالا کی حیثیت درج ذیل ہے۔

الف۔ قابل ضمانت (Bailable)

ب۔ نا قابل راضی نامہ (Not compoundable)

ج۔ قابل دست اندازی وارنٹ (Shall not arrest without warrant)

د۔ جرم بالا کی سماعت کے اختیارات مجسٹریٹ درجہ اول یا دوم کو حاصل ہیں۔

295-A. Whoever, with deliberate and malicious intention of outraging the religious feelings, of any class of the citizens of Pakistan, by words, either spoken or written, or by visible representations insults or attempts to insult the religion or the religious beliefs of that class, shall be punished with imprisonment of either description for a term which may extend to ten years or with fine, or with both.

ترجمہ: جو کوئی شخص (مسلمان ہو یا کافر) دانستہ اور معاندانہ نیت سے پاکستان کے شہریوں کے کسی فرقہ کے مذہبی احساسات کی تذلیل کی غرض سے بذریعہ الفاظ خواہ تقریری ہوں یا تحریری، اشاروں کنایوں میں اس جماعت یا فرقہ کے مسلک یا مذہبی

عقائد کی توہین کرے یا توہین کا اقدام کرے، اس کو دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی قید کی سزا دی جائیگی جو دس سال تک ہو سکتی ہے، یا جرمانہ یا دونوں سزائیں۔

1...... دفعہ ہذا دراصل سابقہ دفعہ 295 پر ایزاد کی گئی ہے اس کی ضرورت اس لئے محسوس کی گئی کیونکہ سابقہ دفعہ فرنگی دور اقتدار کی وضع کردہ ہے، سابقہ دفعہ میں خامی یہ ہے کہ اس میں نہ تو زیادہ جامعیت ہے اور نہ جرم کے تدارک کی خاطر خواہ صلاحیت ہے، پاکستان جس میں فرقہ وارانہ نوعیت کے جرائم اور مذہبی جماعتوں کے باہم اختلافات اتنے شدید اور جارحانہ نوعیت کے ہیں کہ ہر وقت مذہبی جنونی ایک دوسرے کے خون کے پیاسے نظر آتے ہیں اور بدقسمتی سے یہ لوگ ان فرقہ وارانہ خونیں سانحات کو دین کی اعلیٰ خدمت اور جہاد سمجھتے ہیں، حالانکہ اسلامی ریاست کا نقض امن اور اسلامی ریاست کے کسی بھی شہری کے خلاف جارحانہ اقدام سخت گناہ اور حرام ہے۔

خونیں سانحات اور شدت پسندانہ ذہنیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ضروری تھا کہ فرقہ وارانہ جرائم کے تدارک کے لئے شدید تر تعزیری سزاؤں کا نفاذ کیا جائے، تاکہ پاکستانی شہری ایک دوسرے کے مذہب اور مسلک کے خلاف جارحیت کی جرات نہ کر سکیں۔ اس سبب سے چونکہ سابقہ دفعہ 295 کے مطابق دو برس کی سزا ناکافی تھی، اس لئے 1991ء میں ترمیم (Amendment) کے ذریعہ سزا بڑھا کر دفعہ ہذا کے تحت دس سال تک کر دی گئی۔

2...... دفعہ ہذا پاکستان کے تمام شہریوں کو بلا امتیاز شامل ہے۔

کسی بھی فرقہ یا مسلک سے تعلق رکھنے والا پاکستانی شہری خواہ مذہب میں وہ

یہودی ہو یا ہندو، عیسائی ہو یا دہری، قادیانی ہو یا آغا خانی، مسلمانوں میں سے سنی ہو یا شیعہ، بریلوی ہو یا دیو بندی، غیر مقلد ہو یا مقلد۔ غرض پاکستانی شہری مذہبی تعلق کے اعتبار سے وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ اس کے مذہبی عقائد اور مسلکی جذبات کا احترام ہر شہری کا فرض ہے۔ پاکستانی شہریوں کے کسی فرقہ یا جماعت کے مذہبی احساسات کو ٹھیس پہنچانا دفعہ ہذا کے تحت شدید نوعیت کا تعزیری جرم ہے۔ تذلیل یا توہین کا عمل خواہ الفاظ سے ہو یا اشاروں کنایوں سے تحریری ہو یا تقریری، کسی بھی طریقہ سے متعمدانہ قصد اور معاندانہ نیت کے ساتھ زیر عمل لانے پر جرم مستوجب تعزیر قرار پائے گا۔

3...... دفعہ ہذا کے تحت جرم کے وجود میں آنے کے لئے متعمدانہ قصد اور معاندانہ نیت ضروری ہے۔ لہٰذا تعمیری تنقید یا علمی مباحثہ جو کسی جماعت کی اصلاح کی غرض سے کی جارہی ہو دفعہ ہذا کے احاطہ کار سے خارج ہوگا۔

کسی عمل کے مبنی بر عناد یا مبنی بر اصلاح ہونے کے لیے شواہد ضروری ہوتے ہیں۔ شواہد کے تحت کسی عمل کو تعزیری جرم یا آزادی تقریر و تحریر پر مبنی قرار دینے کا تعین عدالت کے حکیمانہ اختیارات پر ہوتا ہے۔

4...... حکومت کو حق حاصل ہے کہ وہ کسی ایسے اخبار، رسالہ، کتاب یا جماعت پر پابندی عائد کرے جو کسی پاکستانی فرقہ کے مذہبی احساسات یا عقائد مجروح کرنے پر تلی ہوئی ہو۔

5...... دفعہ ہذا {A - 295} اور سابقہ دفعہ 295 میں فرق یہ ہے کہ اس میں توہین کا براہ راست نشانہ عبادت گاہ، مندر یا مقدس مقام ہوتا ہے، جبکہ دفعہ ہذا میں

توہین کا براہ راست نشانہ مذہب یا مسلک ہوتا ہے دونوں میں قدر مشترک مذہب، فرد یا مقدس مقام کی براہ راست یا بالواسطہ توہین کو مستوجب تعزیر جرم ثابت کرنا ہے۔

295-B. Whoever, wilfully defiles, demages or decrates a copy of the Holy Qura'n or of an extract therefrom or uses it in derogatory manner or for any unlawful purpose shall be punished with imprisonment for life.

ترجمہ: ''جو کوئی قرآن پاک یا اس میں سے کسی اقتباس کی دانستہ بے حرمتی کرے، نقصان پہنچائے یا بے ادبی کرے، یا اسے کسی معیوب یا کسی غیر قانونی مقصد کے لیے استعمال کرے تو اسے عمر قید کی سزا دی جائیگی''

1 ...... دفعہ ہذا کے نفاذ سے مقصد قرآن پاک کے احترام کو قانونی تحفظ دینا ہے۔ دفعہ ہذا 1982ء میں ایک ترمیمی آرڈیننس کے ذریعہ مجموعہ تعزیرات پاکستان میں شامل کی گئی ہے۔ کیونکہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ مقدس کتاب ہے۔ اس پر ایمان لانا اور اس کا احترام کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہری اگرچہ قرآن پاک کی صداقت کا عقیدہ و احترام رکھنے کے پابند نہیں ہیں۔ لیکن انھیں دفعہ ہذا کے تحت یہ اجازت ہرگز نہیں دی جاسکتی کہ وہ قران پاک کی بے حرمتی یا ناجائز استعمال کے ذریعہ پاکستان کے اکثریتی باشندوں کے مذہبی احساسات اور دینی جذبات مجروح کریں۔

دفعہ ہذا کے تحت جو کوئی شخص مسلم ہو یا غیر مسلم قرآن پاک کی بے حرمتی کا مرتکب ہوگا تو اس کو سزائے عمر قید دی جائیگی۔

2 ...... بے حرمتی یا توہین کے جرم کے وجود میں آنے کے لیے متعمدانہ نیت ضروری

ہے غیر ارادی طور پر یا بے حرمتی کا قصد نہ ہونے کے وقت اگر قرآن پاک کا کوئی نسخہ کسی سے گر جائے، جل جائے، پھٹ جائے تو دفعہ ہذا کے تحت جرم کے زمرہ میں نہیں آئیگا۔

3......توہین یا بے حرمتی کی تعریف کے حدود اربعہ عرف اور رسم و رواج کے تابع ہیں عرف میں جس عمل کو توہین سمجھا جاتا ہو، اسکے سرزد ہونے پر سمجھا جائیگا کہ ارتکاب کنندہ شخص سے دفعہ ہذا کے تحت جرم سرزد ہوا ہے۔

4......ضابطہ فوجداری کے تحت جرم بالا کی حیثیت درج ذیل ہے:

الف...... قابل دست اندازی پولیس (May arrest without warrant)

ب......نا قابل ضمانت۔(Not bailable)

ج......نا قابل راضی نامہ(Not compoundable)

د......سماعت کا اختیار سیشن کورٹ(Court of Session) کو حاصل ہے۔

قانون توہین رسالت کا تاریخی پس منظر

عشق رسول مومن کے ایمان کا جزو لاینفک ہے۔ مسلمان قوم کی سرکار دو عالم ﷺ سے والہانہ عقیدت اور فطری محبت مثالی رہی ہے۔ مسلمانوں کی زندگی کا ماحصل اللہ تعالیٰ کی عظمت اور پیغمبر ﷺ سے والہانہ عقیدت ہے۔ مسلمان کے دل میں عظمت وعقیدت کا رنگ ہر چیز پر غالب رہتا ہے۔ اس کے سامنے ماں باپ، بھائی بہن، بیوی بچے اور عزیز واقارب ہیچ ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے مسلمانوں کو جہاں جہاں اقتدار حاصل ہوا۔ ہندوستان، یورپ، افریقہ، عرب، اندلس غرض جس خطہ ارض پر مسلمانوں کو اقتدار حاصل ہوا۔ وہاں کی اسلامی عدالتوں نے اسلامی قانون کی رو سے گستاخ رسول کو شدید سے شدید تر سزائیں دلوائی ہیں، چونکہ عموماً توہین رسالت کے جرم کا ارتکاب اسلام اور پیغمبر اسلام کی عداوت سے دق ذہنیت ہونے کے سبب علانیہ انداز میں ہوتا تھا، اس لئے اسلامی عدالتوں نے عمومی طور پر موت کی سزائیں جاری کی ہیں۔

ہندوستان پر برطانوی استعمار سے قبل شاتم رسول کی سزا سزائے موت رہی ہے۔ فتاویٰ عالمگیریہ کے فتاویٰ جات اس پر شاہد ہیں۔ بلکہ مغل بادشاہ اکبر کے سیکولر دور اقتدار میں بھی یہ سزا جوں کی توں موجود تھی، لیکن ہندوستان پر برطانوی استعمار کے قبضہ کے بعد جہاں اور قوانین موقوف کر دیئے گئے، وہاں بیک جنبش قلم توہین رسالت کا قانون بھی منسوخ قرار دیا گیا۔ لیکن وقت نے ثابت کر دیا کہ توہین رسالت کا قانون منسوخ کرنے کا انجام بہت برا ثابت ہوا، مسلمان ناموس رسول پر حملہ کرنے والوں کا فیصلہ اپنے ہاتھ سے کر کے روبرو عدالت قتل کا برملا اعتراف کرتے تھے، اور

اس طرح بیسیوں فدائیان مصطفیٰ دادورسن کے سر پر شہادت پر رونق افروز ہوئے۔ مجبور ہو کر فرنگی سرکار نے 1927ء میں تحفظ مذہب کے لیے دفعہ 295 کا اضافہ کیا جس کی رو سے توہین مذہب کی سزا دو سال قید بمعہ یا بدوں جرمانہ ٹھہری، جو کہ جرم کے تدارک کے لیے انتہائی ناکافی سزا تھی۔

پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد یہ توقع کی جاتی تھی اسلامی قوانین کے احیاء کے ساتھ ساتھ توہین رسالت کا اسلامی قانون بھی بحال ہوگا لیکن بدقسمتی سے ایک طویل عرصہ تک توہین رسالت کے قانون کے احیاء کی آرزو تشنہ تکمیل رہی، اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ اسلام دشمن قوتوں اور پرستاران مغرب جو پاکستان کا قیام ہرگز نظریاتی اساس پر دیکھنا نہیں چاہتے۔ انھوں نے پاکستان کا نظریاتی تشخص ختم کرنے کے لیے سازشیں شروع کیں، عصری اداروں کے بعض زرخرید ادیبوں کے ذریعہ پاکستانی نوجوانوں کو دین سے برگشتہ کرنے کے لیے لادینیت کی دعوت پر مبنی لٹریچر ملک کے چپہ چپہ میں پھیلا دیئے گئے، ہیونلی کمیونزم (Heavenly Communism) نامی کتاب اسلام دشمن سلسلہ کی اہم کڑی ثابت ہوئی، کتاب ہذا میں نہ صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ تمسخر کیا گیا تھا بلکہ تمام مذاہب کا سوقیانہ انداز میں مذاق اڑایا گیا تھا۔ دینی پیشواؤں اور انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام پر بازاری نوعیت کے حملے کئے گئے تھے، کتاب کا لفظ لفظ اشتعال انگیز تھا۔

اس کتاب کی اشاعت سے پاکستان کے علمی حلقوں میں کہرام مچ گیا، علماء کا متفقہ فیصلہ جاری ہوا کہ کتاب کا مصنف واجب القتل ہے۔ اور حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ کتاب کی تمام کاپیاں ضبط کر کے فوری طور پر اس پر پابندی لگائی جائے اور پیشگی حفاظت کے طور پر توہین رسالت کا قانون نافذ کر دیا جائے تاکہ آئندہ کسی دیدہ

ذہن کو اس قسم کی سوقیانہ جسارت کا موقع نہ مل سکے۔ اس سلسلہ میں اسماعیل قریشی صاحب کی خدمات قابل تعریف ہیں۔

پاکستانی قوم کو جب اس کتاب کی اشاعت کا علم ہوا۔ تو وہ مشتعل ہوئی خصوصاً لاہور جہاں کتاب کی اشاعت عمل میں آئی تھی۔ یہاں کی عوام نے آسمان سر پر اٹھالیا اور حکومت کے لیے امن و امان کا مسئلہ کھڑا ہوا۔ بالآخر اسلامی نظریاتی کونسل نے مسلمانان پاکستان کے دیرینہ مطالبہ کا نوٹس لیا اور شیخ غیاث محمد، سابق اٹارنی جنرل، کی تحریک پر حکومت سے سفارش کی گئی کہ توہین رسالت اور ارتداد کی سزا سزائے موت مقرر کی جائے۔

توہین رسالت کا کیس عدالتوں میں فائل کرنے کے ساتھ ساتھ عشق رسول سے سرشار ارکان پارلیمنٹ نے اس کو اسمبلی میں بھی پیش کیا۔ ہر دو جگہ کیس کا مدعی سزائے موت کا اجراء تھا۔ لیکن پاکستان کی وزارت قانون کی بصیرت انگیز نظر نے بل میں ترمیم کر کے شاتم رسول کی سزا سزائے موت یا عمر قید قرار دے کر توہین رسالت کا قانون 1984ء میں منظور کیا۔ شاتم رسول کی سزا سزائے موت یا عمر قید اسلام کی رو سے بالکل درست ہے، جس کی تخریج مقالہ ''شاتم رسول کی سزا'' میں تفصیل کے ساتھ کی گئی ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ضیاء الحق مرحوم کے دور اقتدار میں توہین رسالت کے قانون کو قبولیت نصیب ہوئی اور نافذ العمل فرنگی قانون میں دفعہ C - 295 کا اضافہ عمل میں آیا۔

295-C. Whoever, by words, either spoken or written, or by visible representation, or by any imputation, innuendo, or insinuation, directly or indirectly, defiles the sacred name of the

Holy Prophet Muhammad (ﷺ) shall be punished with death, or imprisonment for life, and shall also be liable to fine.

ترجمہ: جوکوئی شخص (مسلمان ہو یا کافر) الفاظ سے تحریری ہوں یا تقریری، مکتوب کی شکل میں یا ظاہری نمونوں کی شکل میں، موہوم انداز میں یا کنائی انداز میں بالواسطہ یا بلاواسطہ سرکار دو عالم محمد ﷺ کے مقدس نام کی بے حرمتی کرے، تو اسے سزائے موت یا عمر قید کی سزا دی جائیگی اور وہ جرمانہ کا بھی مستوجب ہوگا۔

نوٹ: دفعہ ہذا کی مکمل تشریح ''شاتم رسول کی سزا'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

---

296. Whoever voluntarily causes disturbance to any assembly lawfully engaged in the performance of religious worship, or religious ceremonies, shall be punished with imprisonment of either description for a term which may extend to one year, or with fine, or with both.

ترجمہ: ''جوکوئی شخص (مسلمان ہو یا کافر) متعمدانہ قصد سے کسی مذہبی مجمع کو درہم برہم کرے۔ جبکہ وہ مجمع مذہبی عبادت یا مذہبی رسومات کی ادائیگی میں قانونی طور پر مصروف ہو، تو اسے دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی قید کی سزا دی جائیگی جس کی میعاد ایک برس تک ہوسکتی ہے یا جرمانہ یا دونوں سزائیں۔''

1 ..... دفعہ ہذا کے نفاذ سے مقصد مذہبی جلسہ یا مذہبی اجتماع کو درہم برہم ہونے سے بچانا ہے۔ مذہبی اجتماع اگر حکومت کی اجازت سے منعقد ہوا ہو۔ اور قانونی حدود کے تحت اس کی کارروائی چل رہی ہو، تو پاکستان کے کسی شہری کے لیے جائز نہیں ہے کہ اس اجتماع کو اپنے عقیدہ کے خلاف پانے کے سبب مشتعل ہوکر اس کے خلاف جارحانہ اقدام کرنے میں قانون اپنے ہاتھ میں لے۔ کوئی بھی

شخص اس طرح کے جرم کا مرتکب پایا گیا تو دفعہ ہذا کے تحت وہ قابل سزا قرار پائے گا۔ جس کی سزا ایک برس تک بدوں جرمانہ یا بمعہ جرمانہ ہوسکتی ہے۔

2......دفعہ ہذا کے تحت جرم کے وجود میں آنے کے لیے درج ذیل شرائط ہیں:

الف......مجمع کو درہم برہم کرنے کا اقدام متعمدانہ قصد کے ساتھ دانستہ انداز میں ہوا ہو۔

ب......مجمع مذہبی عبادت یا مذہبی رسومات میں مشغول تھا۔

ج......مجمع جس عمل یا رسومات میں مشغول تھا وہ عمل ان کے عقیدہ میں عبادت تصور کیا جاتا تھا۔

د......مجمع یا جلسہ کا انعقاد قانونی طور پر جائز تھا۔

3......مجمع کا اطلاق تین یا تین افراد سے زیادہ پر ہوتا ہے۔ اس لئے تین اشخاص کا عبادت کے لیے جمع ہونا مجمع کی تشکیل کے لیے کافی ہے۔

4......مجمع کا انعقاد یا رسومات کا قانونی ہونا ضروری ہے لہٰذا قانون کے تحت منعقدہ جائز مجمع کو اس بناء پر غیر قانونی نہیں کہا جا سکتا ہے کہ اس کا انعقاد گلی یا شاہراہ پر ہونے کے سبب اس سے آمدورفت میں رکاوٹ پیش آ رہی تھی، وجہ یہ ہے کہ اس کا انعقاد سرکاری اجازت نامہ کے تحت ہوا تھا۔ سرکار کی اجازت سے جب اس کا انعقاد جائز بن گیا تو کسی بھی وجہ سے اس کو درہم برہم کرنے کا اقدام دفعہ ہذا کے تحت جرم مستوجب تعزیر ہوگا۔

5......ضابطہ فوجداری کے تحت درج بالا جرم کو درج ذیل حیثیت میں رکھا گیا ہے۔

الف......قابل دست اندازی سمن۔

ب ....قابل ضمانت۔(Bailable)

ج.....نا قابل راضی نامہ۔ (Not Compoundable)

د.....سماعت کا اختیار مجسٹریٹ درجہ اول یا دوم کو حاصل ہے۔

297. whoever, with the intention of wounding the feelings of any person, or of insulting the religion of any person, or with the knowledge that the feelings of any person are likely to be wounded, or that the religion of any person is likely to be insulted thereby.

Commits any trespass in any place of worship or in any place of sculpture, or any place set apart for the performance of funeral rites or as depository for the remains of the dead, or offers any indignity to any human corpse or causes disturbance to any persons assembled for the performance of funeral ceremonies, shall be punished with imprisonment of either description for a term which may extend to one year, or with fine, or with both.

ترجمہ: جو کوئی شخص (مسلمان ہو یا کافر) کسی کا دل دکھانے یا کسی شخص کے مذہب کی توہین کرنے کی نیت سے یا اس امر کے احتمال کے علم سے کہ اس کے سبب سے کسی کا دل دکھے گا۔ قلبی احساسات مجروح ہوں گے یا اس کے مذہب کی توہین ہوگی۔

جو کوئی شخص کسی عبادت گاہ یا بت خانے یا ایسے مقام میں جو مقام دفن کرنے کی رسومات کے لئے مقرر ہو، یا جہاں لاش کو حفاظت میں رکھا جاتا ہو، کسی مداخلت بے جا کا مرتکب ہو، یا کسی انسان کی بے حرمتی کرے، یا ان اشخاص کے کام میں جو رسوم تدفین کے لئے جمع ہوں، خلل انداز ہو، تو اسے دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی قید کی

سزا دی جائیگی جس کی معیاد ایک برس تک ہو سکتی ہے یا جرمانے کی سزا یا دونوں سزائیں۔

1......دفعہ ہذا کے نفاذ سے مقصد مزارات، بت کدوں، قبرستانوں، مردوں اور قابل تعظیم مقامات کو تحفظ دینا ہے، دفعہ ہذا کے تحت مردوں، قبرستانوں یا قابل تعظیم مقامات کی توہین کرنے یا ایسی جگہوں پر مداخلت بے جا کرنے (Trespassing) کو جرم مستوجب تعزیر قرار دیا گیا ہے۔

2......جرم کے اصل جزو دو ہیں۔

(1) کسی کا دل دکھانا۔(2) کسی کے مذہب کی توہین کرنا۔

جو کوئی شخص متعمدانہ قصد کے ساتھ یا یہ علم رکھتے ہوئے کہ مردے کے ساتھ اس کے سلوک سے یا قابل تعظیم مزار میں مداخلت بے جا کرنے سے کسی کے احساسات مجروح ہو سکتے ہیں اور اس کے باوجود وہ اس کا اقدام کر لیتا ہے۔تو دفعہ ہذا کے تحت وہ مجرم ٹھہرے گا۔خواہ اپنے عقیدہ میں وہ اس کو کتنا ہی اچھا خیال کرتا ہو۔

3......مداخلت بے جا (Trespassing) سے مراد ہر وہ مداخلت ہے جو کوئی شخص کسی دوسرے کی زمین یا عوامی زمین پر کرے بشرطیکہ اس فعل سے جو کہ ارتکاب کنندہ سے متعمدانہ قصد کے ساتھ سرزد ہوا ہو۔دوسرے شخص کے دلی احساسات یا مذہبی جذبات مجروح ہوتے ہوں۔

لہٰذا... اگر کسی کی اپنی زمین پر بدوں اس کی اجازت کے کسی کی تدفین ہو رہی ہو، یا رسوم تدفین (Funeral Cermonies) کے لیے لوگ جمع ہوں۔تو مالک زمین کو روکنے اور مداخلت کرنے کا حق حاصل ہے۔

4......تجہیز وتکفین میں مصروف مجمع کو چھیڑنا، ان کے کام میں خلل ڈالنا دفعہ ہذا کے تحت جرم قرار دیا گیا ہے، بشرطیکہ مجمع قانونی جواز کے تحت اس عمل میں مشغول ہو۔

ایک مقدمہ میں ملزم نے قبرستان کے اردگرد باڑ لگا دی، جس سے اس نے ملحقہ گاؤں کے رہنے والے شخص کے بیٹے کی تدفین میں مداخلت بے جا پیدا کی، عدالت نے قرار دیا کہ مذکورہ فعل اس شخص کے مردہ بیٹے کی لاش کی بے حرمتی تھی۔ اور ملزم دفعہ 297 کے تحت قابل سرزنش ہے۔

5......مزاروں، قبرستانوں میں مروجہ بدعات کی عالمانہ انداز میں اور دلیل کی زبان میں مخالفت دفعہ ہذا کے تحت جرم نہیں قرار پائیگا۔ کیونکہ ایک تو اس میں نیت اصلاح کی ہوتی ہے دوم اس میں مداخلت بے جا اور عملی اقدام بھی نہیں ہوتا ہے اس لئے علمی مباحثات ومناظرات دفعہ ہذا سے مستثنیٰ ہوں گے۔ لیکن اگر علمی مباحثہ کا ماحول گرمی لے کر میدان کارزار بن جائے، اور عملی انداز میں مزار یا قابل تعظیم مقام کو نقصان پہنچا دیا جائے، تو اس صورت میں مداخلت بے جا کے سبب جرم قرار پائے گا۔

6..... ضابطہ فوجداری کے تحت درج بالا جرم کو درج ذیل حیثیت دی گئی ہے:

الف......قابل دست اندازی سمن۔

ب......قابل ضمانت۔(Bailable)

ج......ناقابل راضی نامہ۔(Not Compoundable)

د......سماعت کا اختیار مجسٹریٹ درجہ اوّل یا دوم کو حاصل ہے۔

298. Whoever, with the deliberate intention of wounding the religious feelings of any person, utters any word or makes any sound in the hearing of that person or makes any gesture in the sight of that person or places any object in the sight of that person, shall be punished with imprisonment of either description for a term which may extend to one year, or with fine, or with both.

ترجمہ: جو کوئی شخص (مسلمان ہو یا کافر) متعمدانہ قصد وارادہ سے کسی شخص (کافر ہو یا مسلمان) کے مذہبی احساسات کو مجروح کرنے کے لیے کوئی بات کہے، یا کوئی آواز نکالے جس کو وہ شخص سن سکے یا اس شخص کے روبرو کوئی حرکت کرے، یا کوئی شے اس کے روبرو رکھے، تو اس کو دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی قید کی سزا دی جائیگی جس کی میعاد ایک برس تک ہو سکتی ہے یا جرمانہ یا دونوں سزائیں۔

1 ...... دفعہ ہذا کے نفاذ سے مقصد مذہب وعقائد کو تحفظ دینا ہے، پاکستان کے ہر شہری (خواہ مسلمان ہو یا کافر) کو جان، مال، آبرو اور مذہب کا تحفظ حاصل ہے۔ مذہبی عقائد کا تحفظ اسلام کے اندر بنیادی حقوق میں شامل ہے۔ جس طرح کسی شخص کی جان، مال آبرو کو حملہ کا نشانہ بنانا جرم ہے، اسی طرح کسی کے مذہب کو منفی تنقید یا پراپیگنڈا کا مورد بنانا بھی جرم ہے۔ کسی کے مذہب کے خلاف پراپیگنڈا کرنا بایں طور کہ اس سے اس کے مذہبی جذبات مجروح ہوتے ہوں، دفعہ ہذا کے تحت جرم قرار دیا گیا ہے۔

2 ...... دفعہ ہذا میں مذکور شق ..... "مذہبی جذبات کا دانستہ مجروح کیا جانا" ...... تعمیری تنقید، جرح برائے اصلاح، علمی مناظرہ اور مدلل تقریر وتحریر کو خارج کرتی ہے۔

کسی فرقہ کے عقائد کے خلاف علمی تقریر وتحریر جرم اس لئے نہیں بن سکتی ہے کہ اسمیں مقصود اصلاح ہوتی ہے، افساد نہیں۔ لیکن اگر علمی تنقید بھی حدود پار کر جائے اور تعمیر سے زیادہ اسمیں دلآزاری کا رنگ غالب آ جائے، تو شواہد کی روشنی میں اس کو جرم قرار دیا جا سکتا ہے۔

3..... دفعہ ہذا کے تحت جرم کے وجود میں آنے کے لیے درج ذیل امور کا وجود ثبوت کے ساتھ ضروری ہے:

الف..... ملزم نے جارحانہ الفاظ استعمال کئے تھے۔

ب..... ملزم کی غرض محض دلآزاری تھی۔

ج..... ملزم نے دانستہ طور پر توہین آمیز الفاظ کا ارتکاب کیا تھا۔

4..... ضابطہ فوجداری کے تحت دفعہ ہذا کو درج ذیل حیثیت میں رکھا گیا ہے:

الف..... قابل دست اندازی سمن

ب..... قابل ضمانت (Bailable)

ج..... قابل راضی نامہ (Compoundable)

د..... اختیار سماعت مجسٹریٹ درجہ اوّل یا دوم کو حاصل ہے۔

298-A. Whoever by words, either spoken or written, or by visible representation, or by an imputation, innuendo or insinuation, directly or indirectly, defiles the sacred name of any wife [Ummul Mumineen), or members of the family (Ahle-bait), of the Holy Prophet Muhammad (ﷺ), or any of the righteous Caliphs (Khulafa-e-Rashideen) or companions (Sahaaba) of the Holy Prophet Muhammad (ﷺ) shall be punished with

imprisonment of either description for a term which may extend to three years, or with fine, or with both.

ترجمہ: ''جو کوئی شخص (مسلمان ہو یا کافر) پیغمبر پاک ﷺ کی کسی زوجہ مطہرہ (ام المومنین) یا ان کے ارکان کنبہ یا راست باز خلیفوں (خلفائے راشدین) میں سے کسی کی یا پیغمبر پاک ﷺ کے ساتھیوں (صحابہ) کی الفاظ سے خواہ زبانی ہوں یا تحریری، واضح اشاروں میں یا معنوی انداز میں، طعنوں کے ذریعہ یا تعریض کے ذریعہ، بالواسطہ یا بلاواسطہ، بے حرمتی کرے، تو اسے دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی قید کی سزا دی جائیگی جس کی معیاد تین برس تک ہو سکتی ہے یا جرمانہ یا دونوں سزائیں''۔

1......دفعہ ہذا کے نفاذ سے مقصد صحابہ وصحابیات رضوان اللہ علیہم اجمعین کی حرمت و ناموس کو تحفظ دینا ہے۔ دفعہ ہذا بذریعہ آرڈیننس نمبر 44 1980ء ایزاد کیگئی ہے۔ دفعہ ہذا کی رو سے جو کوئی شخص مسلمان ہو یا کافر، شیعہ ہو یا سنی خلفائے راشدین، صحابہ، امہات المومنین، اہل بیت کی کسی بھی طرح سے توہین یا بے حرمتی کا مرتکب ہوگا، تو وہ تین سال تک بمعہ یا بدوں جرمانہ تعزیری سزا کا مستوجب قرار پائیگا۔

2......محض عالمانہ تنقید یا تاریخی تجزیہ بشرطیکہ تعمیری ہو، منفی نہ ہو، دفعہ ہذا کے احاطہ کار سے خارج ہے۔ کیونکہ تبصراتی رنگ میں ڈولی ہوئی تنقید کو کوئی بھی سمجھدار انسان سب وشتم اور منفی پراپیگنڈہ کے زمرہ میں شامل نہیں کر سکتا ہے، لیکن تعمیراتی، تجزیاتی اور عالمانہ اثر سے عاری محض بغض وعناد پر مبنی تحریر یا تقریر دفعہ ہذا کے مشمولات میں داخل ہونے کے سبب مستوجب تعزیر جرم ہے۔

3......ضابطہ فوجداری کے تحت دفعہ بالا کو درج ذیل حیثیت میں رکھا گیا ہے:

الف.....قابل دست اندازی پولیس

ب.....قابل ضمانت (Bailable)

ج.....نا قابل راضی نامہ۔(Not Compundable)

د.....اختیار سماعت مجسٹریٹ درجہ اول یا دوم کو حاصل ہے۔

298-B. (1) Any person of the Quadiani group or the Lahori group (who call themselves 'Ahmadis' or by any other name) who by words, either spoken or written, or by visible representation;

(a) refers to, or addresses, any person, other than a Caliph or companion of the Holy Prophet Muhammad (ﷺ), as "Ameer-ul-Mumineen", Khalifa-tul-Mumineen", Khalifa-tul-Muslimeen, "Sahaabi" or "Razi Allah Anho";

(b) refers to,or addresses, any person, other than a wife of the Holy Prophet Muhammad (ﷺ), as "Ummul-Mumineen";

(c) refers to, or addresses, any person, other than a member of the family (Ahle-bait) of the Holy Prophet Muhammad (ﷺ), as "Ahle-bait"; or

(d) refers to, or names, or calls, his place of worship as "Masjid";

shall be punished with imprisonment of either description for term which may extend to three years, and shall also be liable to fine.

(2) Any person of the Quadiani group or Lahori group (who call themselves "Ahmadis" or by any other name) who by words, either spoken, or written, or by visible representation, refers to the mode or form of call to prayers followed by his faith as "Azan", or refers Azan, as used by the Muslims, shall be punished with imprisonment of either description for a term which may extend to three years, and shall also be liable to fine.

ترجمہ:"1۔ قادیانی یا لاہوری جماعت کا کوئی فرد (جو خود کو احمدی یا کسی دوسرے نام سے موسوم کرتے ہیں) زبانی یا تحریری الفاظ سے یا ظاہری بیان سے:

الف...... کسی شخص کا علاوہ خلیفہ یا پیغمبر پاک محمد ﷺ کے مصاحب کے، بطور امیر المومنین، خلیفۃ المسلمین، خلیفۃ المومنین، صحابی یا رضی اللہ عنہ کے حوالہ دے یا خطاب کرے۔

ب...... کسی شخص کا علاوہ زوجہ پیغمبر پاک ﷺ کے، بطور ام المومنین کے حوالہ دے یا خطاب کرے۔

ج...... کسی شخص کا، علاوہ پیغمبر پاک ﷺ کے اہل بیت کے بطور اہل بیت کے حوالہ دے یا خطاب کرے۔

د...... یا اپنی عبادت گاہ کا بطور مسجد کے حوالہ دے، نام لے یا پکارے۔

تو اسے دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی سزا دی جائیگی جس کی میعاد تین برس تک ہوسکتی ہے اور وہ جرمانہ کا بھی مستوجب ہوگا۔

2...... قادیانی جماعت یا لاہوری جماعت کا کوئی شخص (جو خود کو احمدی یا کسی دیگر نام سے موسوم کرتا ہو) زبانی یا تحریری الفاظ سے یا ظاہری حرکات وسکنات سے، اپنے عقیدہ میں پیروی کردہ عبادت کے واسطے بلانے کے لیے کسی طریقہ یا شکل کو بطور اذان کے حوالہ دے جس طرح کہ مسلمان دیتے ہیں تو اسے دونوں قسموں میں کسی قسم کی سزائے قید دی جائیگی جس کی مدت تین سال تک ہوسکتی ہے اور وہ جرمانہ کا بھی مستوجب ہوگا"۔

1...... عوام کو خلط اور ذہنی تشویش سے بچانے کے لیے دفعہ ہذا کا نفاذ 1984ء میں بذریعہ آرڈیننس کیا گیا ہے، دفعہ ہذا کے نفاذ سے مقصد ان خطابات، اسماء اور

اصطلاحات کوتحفظ دینا ہے جو کہ مسلمانوں کے لیے وصف لازم کی حیثیت رکھتی ہیں اور جن کے تذکرہ سے ذہن بدیہی طور پر اسلام یا اسلام کی مقدس شخصیات کی طرف جاتا ہو۔

2......ضابطہ فوجداری کے تحت دفعہ بالا کو درج ذیل حیثیت میں رکھا گیا ہے۔

الف......قابل دست اندازی سمن۔

ب......نا قابل ضمانت (Not bailable)

ج......نا قابل راضی نامہ (Not Compundable)

د......اختیار سماعت مجسٹریٹ درجہ اول یا دوم کو حاصل ہے۔

298-C. Any person of the Quadiani group or the Lahori group (who call themselves 'Ahamadis' or by any other name), who directly or indirectly, poses himself as a Muslim, or calls, or refers to, his faith as Islam, or preaches or propagates his faith, or invites others to accept his faith, by words, either written or spoken, or by visible representation, or in any manner whatsoever, outrages the religious feelings of Muslims, shall be punished with imprisonment of either description for a term which may extend to three years and shall also be liable to fine.

ترجمہ: ’’قادیانی جماعت یا لاہوری جماعت کا کوئی شخص (جو خود کو قادیانی یا کسی دیگر نام سے موسوم کرتا ہو) بلاواسطہ یا بالواسطہ خود کو مسلمان ظاہر کرتا ہو یا اپنے عقیدہ کا بطور اسلام کے حوالہ دیتا ہو یا موسوم کرتا ہو یا دوسرے لوگوں کو اپنا عقیدہ قبول کرنے کی دعوت دیتا ہو۔ الفاظ خواہ زبانی ہوں یا تحریری، ظاہری حرکات وسکنات سے یا کسی بھی

طریقہ سے مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچائے، تو اسے دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی سزائے قید دی جائیگی جس کی میعاد تین سال تک ہوسکتی ہے اور وہ جرمانہ کا بھی مستوجب ہوگا''۔

1...... قادیانی جماعت جس کی حیثیت پاکستان میں ایک اقلیتی فرقہ کی ہے، کو پابند کیا گیا ہے کہ وہ اکثریتی باشندوں کے نام اور مذہب یعنی مسلمان اور اسلام کے نام سے اپنایا اپنے مذہب کا حوالہ نہیں دے سکتی ہے۔ کیونکہ نام کے ناجائز استعمال کے سبب اس سے مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچتا ہے۔

2...... دفعہ ہذا کا نفاذ 1984ء میں بذریعہ آرڈیننس کیا گیا ہے۔ دفعہ ہذا کے نفاذ سے مقصد اقلیتی فرقہ قادیانی جماعت کو اکثریتی جماعت اسلام اور مسلمانوں کے نام سے اپنی شناخت رکھنے یا ظاہر کرنے پر پابندی عائد کرنا ہے۔

3...... قادیانی جماعت کو بطور اقلیتی فرقہ کے پاکستان میں مکمل آزادی اور تحفظ حاصل ہے، لیکن انسان یا جماعت کی آزادی حدود کا پابند ہوتی ہے۔ آزادی کا عمل بڑھ کر اگر کسی کی دلآزاری کا سبب بن جائے، تو عقل وخرد کی زبان میں اس کو آزادی نہیں ظلم کہتے ہیں جو کہ تعزیری جرم ہے۔ اس بناء پر قادیانی جماعت کے حقوق کی آئینی ضمانت ہر مسلمان کو مسلم ہے۔ مسلمان اگر یہودیوں کو اپنی ریاست میں برداشت کر سکتے ہیں۔ ان کے حقوق کو تحفظ دے سکتے ہیں تو پھر قادیانی جماعت کو کیوں برداشت نہیں کر سکتے ہیں؟ اسلام اور مسلمان رواداری پر یقین رکھتے ہیں۔ غیر مذاہب والوں کو برداشت کرنا مسلمانوں کا طرہ امتیاز رہا ہے۔

4...... ضابطہ فوجداری کے تحت جرم بالا کو درج ذیل حیثیت دی گئی ہے۔

الف...... قابل دست اندازی سمن۔

ب......نا قابل ضمانت(Not bailable)

ج......نا قابل راضی نامہ(Not Compundable)

د......اختیار سماعت مجسٹریٹ درجہ اول یا دوم کو حاصل ہے۔

باب سوم

قانون توہینِ رسالت......

(Blasphemy Law)

- شاتم رسول کی سزا
- اسلام میں مرتد کی سزا
- توہین رسالت کی سزا قرآن وسنت کی روشنی میں
- شاتم انبیاء کی سزا
- شاتم قرآن کی سزا
- شاتم صحابہ کی سزا

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادی سینا
نگاہ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

شاتم رسول کی سزا

295 -C Whoever by words, either spoken or writhen, or by visible representation.

or by imputation, innuendo, or insinuation, directly or indirectly, defiles the sacred name of the holy prophet muhammad (ﷺ) shall be punished with death or imprisonment for life and shall also be liable to fine.

ترجمہ: ''جو کوئی شخص بذریعہ الفاظ خواہ تحریری ہوں یا زبانی یا دکھنے والے نمونوں کے ذریعہ سے، موہوم انداز میں یا عیارانہ انداز میں یا اشارہ و کنایہ سے بلاواسطہ یا بالواسطہ پیغمبر پاک محمد ﷺ کے مبارک نام کی توہین کرے تو اس کو موت یا عمر قید کی سزا دی جائیگی۔ نیز...... مجرم جرمانہ کا مستوجب ہوگا''۔

اس دفعہ کے نفاذ سے مقصد پیغمبر پاک ﷺ کی ذات اور آپ کے نام گرامی کی عزت و توقیر کو قانونی تحفظ دینا ہے۔ اور پاکستانی شہریوں کے مذہبی جذبات اور دینی احساسات کو مجروح ہونے سے بچانا ہے۔ چونکہ کسی بھی ملک کے باشندوں کی اکثریت کے مذہبی جذبات کو مجروح کرنا سنگین جرم قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے پیغمبر پاک کی ذات اور آپ کے نام گرامی کی عزت و توقیر جو ہر پاکستانی شہری کے دل کی آواز ہے۔ جو کوئی شخص کسی بھی انداز میں آپ کی توہین یا آپ کے نام گرامی کی بے حرمتی یا بے جا استعمال کا مرتکب ہوگا۔ تو اس کو سخت ترین تعزیری سزا دی جائیگی۔ جو موت یا عمر قید کی صورت میں ہو سکتی ہے۔ اس کے علاوہ جرمانہ کا بھی مستوجب ہوگا۔

توہین (Defilement) کے لیے ضروری نہیں کہ وہ صریح انداز میں سرزد ہوئی ہو، اشاروں کنایوں میں ہو یا مضمون کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتی ہو، یا مجرم

کے فعل اورانداز سے ظاہر ہوتی ہو۔ اسی لئے عدالت نے دفعہ بالا کی عمومیت کے تحت ایک قادیانی شخص کو جرم بالا (295-C) کا مرتکب قرار دیا جس نے شادی کارڈ پر درود شریف لکھا ہوا تھا۔ کیونکہ درود شریف اگر چہ بغیر کسی نقص اور بغیر کسی تحریف کے لکھا ہوا تھا۔ لیکن اس کے فعل اور انداز سے ظاہر تھا کہ وہ مقدس نام سے ایک بے محل شخص لے رہا ہے۔ جو اس کے عقیدہ کے مطابق غلام احمد قادیانی تھا۔

شاتم رسول کا کونسا فعل یا قول توہین آمیز یا گستاخانہ ہے اور کونسا نہیں ہے؟

چونکہ اس کا تعلق نیز اس کے حدود اور دائرہ کار کا تعلق عوامی رواجات سے ہوتا ہے۔ اس لئے توہین (Defilement) کی درج بالا دفعہ میں تعریفی حد بندی کی بجائے اس کی تعریف کو عوام کے عمومی رواجات پر چھوڑ دیا ہے، کہ عرف اور رواج میں جسے گالی، گستاخانہ جملہ اور توہین آمیز انداز تصور کیا جائے تو سمجھا جائیگا کہ قائل نے درج بالا جرم کا ارتکاب کیا ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ اپنی شہرہ آفاق کتاب ''الصارم المسلول علی شاتم الرسول'' میں تحریر فرماتے ہیں:

اذا لم يكن للسب حد معروف فی اللغة ولا فی الشرع فالمرجع فيه الی عرف الناس، فما كان فی العرف سبا فهو سب للنبی......

فكل ماعده الناس شتما او سبا او تنقصا فانه يجب به القتل. (الصارم المسلول علی شاتم الرسول صفحہ 549)

ترجمہ: ''سب (برا بھلا کہنا) کی لغت کی زبان میں اور نہ شریعت کی اصطلاح

میں کوئی تعریف کی گئی ہے۔ بلکہ اس میں اصل مدار لوگوں کا عرف ہے عرف اور رواج میں جسے گالی کہا جائے، وہ اللہ کے رسول کے لیے بھی گالی سمجھی جائیگی۔ لہٰذا .... لوگ جسے گالی، نازیبا جملہ، یا توہین تصور کریں۔ وہ لفظ اگر کسی سے اللہ کے رسول کے شان میں سرزد ہوگا۔ تو شاتم رسول ہونے کے سبب اس کی سزا قتل ہوگی۔"

جرم بالا "توہین رسالت" کی سزا اسلامی قانون میں علی الاطلاق نہیں ہے۔ بلکہ مجرم اور جرم کی نوعیت پر ہے:

1......جرم بالا کا مرتکب اگر مسلمان ہو۔ تو تمام امت کا اس پر اتفاق ہے کہ توہین رسالت کا ارتکاب کرنے سے وہ کافر ہوگیا ہے۔ اس لئے وہ:

1......مرتد ہے۔

2......اس کی سزا حد "قتل" ہے۔ قتل کے علاوہ حکومت وقت یا قاضی کوئی دیگر سزا تجویز نہیں کر سکتا ہے۔ کیونکہ مستوجب حد سزا (Offence liable to hadd) نا قابل ترمیم (Not amendable) ہوتی ہے۔

امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

ان الساب ان كان مسلما فانه يكفر و يقتل من غير خلاف وهو مذهب الائمة الاربعة وغيرهم و قد تقدم ممن حكى الاجماع على ذالك اسحاق بن راهو يه وغيره (الصارم المسلول على شاتم الرسول صفحه44)

ترجمہ: "شاتم رسول اگر مسلمان ہو، تو اس جرم سے وہ مرتد ہو جائیگا اور باجماع امت اس کی سزا قتل ہے۔ یہی ائمہ اربعہ اور دیگر علماء کا مسلک ہے۔ اسحاق بن راہویہ

(جیسا کہ پیچھے گزرا) اور دیگر علماء نے اس پر ساری امت کا اجماع نقل کیا ہے''۔

2 .....اور اگر شاتم رسول اسلامی ملک کا کافر شہری ہو۔تو اس نکتہ پر تو سب کا اتفاق ہے کہ توہین رسالت کا جرم انتہائی سنگین نوعیت کا ہے۔اس لئے

''العقوبات علی قدر الجرائم''

ترجمہ''سزا بقدر جرم''

کے اصول کے مطابق اس کافر شہری کی سزا بھی سنگین ترین ہونی چاہیے۔لیکن علمائے محققین کا اختلاف اس جرم کی سزا کے تعین میں رہا ہے۔

1 .....امام مالک، امام احمد بن حنبل اور بعضے شوافع علماء کا مسلک یہ ہے کہ جرم بالا کی سزا حد بصورت قتل ہے۔نیز ارتکاب جرم''توہین رسالت'' سے اس کی شہریت ازخود ختم ہو جائیگی۔ جبکہ حنفی علماء کی رائے میں جرم بالا اپنی انتہائی سنگینی کے باوجود قابل تعزیر ہے۔قابل حد نہیں ہے۔نیز ارتکاب جرم سے اس کی شہریت ازخود منسوخ نہیں ہوگی۔

شیخ الاسلام مولانا تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

''ان الذمی ان سب النبی فانہ یعزر علی ذالک و لکنہ لا ینتقض بذالک عہدہ و لایقتل'' (تکلمۃ فتح الملہم . ج 4 صفحہ 252)

ترجمہ:۔اسلامی ملک کا کافر شہری اگر اللہ کے رسول کو سب وشتم کرے۔تو اس کو تعزیری سزا دی جائیگی۔ارتکاب جرم سے اس کی شہریت ازخود منسوخ نہ ہوگی اور نہ وہ (بطور حد) قتل کیا جائیگا۔''

آگے لکھتے ہیں:

اما المالكية و الحنابلة و جماعة من الشافعية فذهبوا الى ان سب النبيؐ امر ينتقض به عهد الذمي، فيقتل به. (تکلمۃ فتح الملھم ج 4 صفحہ 253)

ترجمہ: ''مالکی، حنبلی اور بعضے شافعی المسلک علماء کا مسلک یہ ہے کہ جرم توہین رسالت کے ارتکاب سے کافر شہری کی شہریت ازخود ختم ہو جائیگی اور بصورت حد اس کو سزائے موت دی جائیگی۔''

امام ابن تیمیہ اپنی کتاب۔**الصارم المسلول علی شاتم الرسول**۔میں ائمہ ثلثہ کی تائید میں اپنی رائے اس انداز سے پیش کرتے ہیں:

نقول''**ان سب النبيؐ كان موجبا للقتل في حياته. و كان اذا علم بذالك تولى هذا الحق. فان احب استوفى. و ان احب عفا، فاذا تعذر اعلامه لغيبته أو موته وجب على المسلمين القيام بطلب حقه. ولم يجز العفو لأحد من الخلق كما لايجوز العفو عمّن سب غيره من الاموات و الغياب.** (الصارم المسلول علی شاتم الرسول صفحہ 442)

ترجمہ: ''ہم کہتے ہیں جرم توہین رسالت آپ کی حیات طیبہ میں مستوجب قتل تھا۔اس قسم کا جرم جب آپ کے سامنے آتا۔تو آپ کو کلی اختیار تھا۔کہ چاہیں تو مجرم کو قتل فرمادیں، اور چاہیں تو معاف فرمادیں، اب جبکہ آپؐ ہمارے درمیان نہیں ہیں۔ تو یہ فرض مسلمانوں کے سر آتا ہے۔کہ ناموس رسالت کے تحفظ میں توہین رسالت کی سزائے قتل کو نافذ رکھیں۔اور اس کیس میں مجرم کو کسی صورت معافی دینا جائز نہیں ہے۔بالکل اس طرح جس طرح کہ کسی مردہ یا غائب شخص کو کوئی شخص سب وشتم کرے تو متاثرہ شخص کے علاوہ جس طرح کوئی غیر شخص مجرم کو معافی نہیں دے سکتا۔اسی طرح

کسی مسلمان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ شاتم رسول کو معافی دے۔"

بہر حال فقہائے کرام جہاں ایک طرف جرم وسزا کی سنگینی پر متفق ہیں۔تو دوسری طرف سزا کے تعین اور جرم کے تدارک میں ان میں اختلاف پایا جاتا ہے۔جرم بالا کی سزامیں ائمہ ثلثہ (تینوں امام) کے مسلک کا حاصل یہ ہے کہ مجرم اگر اسلامی ریاست کا غیر مسلم شہری ہو:

1......تو جرم مستوجب حد ہے مستوجب تعزیر نہیں۔

2......مجرم کی سزا صرف قتل ہے اس کے علاوہ نہیں۔

3......حکومت وقت کو اس سزا میں ردو بدل یا ترمیم (Amendment) کا اختیار نہیں ہے۔

4......حکومت وقت سزائے موت کو سزائے عمر قید میں نہیں بدل سکتی ہے۔

5......ارتکاب جرم سے غیر مسلم شہری کی شہریت از خود ضبط ہو جائیگی شہریت کی منسوخی میں عدالتی فیصلے یا حکومت وقت کے آرڈر کی ضرورت نہیں ہے۔شہریت کی منسوخی ارتکاب جرم کا فوری نتیجہ ہے، جس طرح کہ طلاق نکاح کی منسوخی کا فوری نتیجہ ہے۔

جبکہ علمائے حنفیہ کی اس مسئلہ میں عالمانہ تحقیق یہ ہے کہ:

1......توہین رسالت کا جرم مستوجب تعزیر ہے، مستوجب حد نہیں ہے۔

2......تعزیری سزا انتہائی سنگین ہونی چاہیے۔کیونکہ جرم انتہائی سنگین نوعیت کا ہے۔

3......حکومت وقت کو اختیار حاصل ہے کہ وہ کوئی سی انتہائی تعزیری سزا تجویز کردے مثلاً سزائے موت یا سزائے عمر قید وغیرہ۔

4......جرم قابل تعزیر ہے۔اس لئے قابل ترمیم (Amendable) بھی ہے۔

5......شہریت کی منسوخی یا عدم منسوخی سے جرم بالا کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لئے ارتکاب جرم سے مجرم کی شہریت از خود منسوخ نہ ہوگی۔ہاں حکومت اگر مناسب سمجھے تو منسوخ کر سکتی ہے۔

حنفی علمائے کرام کا درج بالا جرم کو قابل تعزیر (Offence liable to Tazir) قرار دینے سے جرم بالا کے خفیف ہونے کا شائبہ اٹھ سکتا ہے۔ کیونکہ حد کی سزا اپنی ذات میں سنگین سزا ہوتی ہے، جبکہ تعزیری سزا عام حالات میں خفیف سزا ہوتی ہے۔

لیکن اس کیس میں اگر حنفی فقہاء کرام کے موقف کا گہرائی سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جرم بالا کو مستوجب تعزیر ماننے سے توہین رسالت کے جرم کو خفیف نوعیت کا جرم ثابت کرنا نہیں ہے۔ بلکہ دراصل اس جرم کو....... مستوجب حد جرم...... جتنا یا اس سے بھی سنگین جرم ثابت کرنا ہے۔ کیونکہ کسی بھی جرم کو مستوجب حد جرم ماننے سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ حد کی صورت میں علی التعیین وہی سزا دی جا سکتی ہے۔ کوئی غیر نہیں اگر چہ متبادل تعزیری سزا اپنی ذات میں لاگو کردہ حد سے کتنی ہی سنگین کیوں نہ ہو۔

جبکہ تعزیرات کا دائرہ وسیع ہوتا ہے، جرم کی نوعیت کے لحاظ سے بیک وقت ایک یا متعدد سنگین نوعیت کی سزائیں لاگو کی جا سکتی ہیں۔

کیونکہ تعزیری سزاؤں کی سنگینی یا خفیف ہونے کا انحصار جرم کی نوعیت پر ہوتا ہے جرم اگر انتہائی سنگین نوعیت کا ہو، اور مستوجب حد جرائم سے بھی اس کی سنگینی بڑھ جاتی

ہو۔تو حکومت وقت کواختیار حاصل ہے کہ وہ جرم کی سنگین نوعیت کے اعتبار سے اس کی سزا حد سے بھی زیادہ شدید تجویز کردے۔

مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے **العرف الشذی** (ص426) میں،مولانا اشرف علی تھانویؒ نے **اعلاء السنن** (ج11 صفحہ 737) میں،علامہ طحاویؒ نے **شرح معانی الآثار** (ج2 صفحہ 72) میں اس موقف کوراجح بتایا ہے۔

شیخ الاسلام مولانا تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں..........

الأمر فی تعیین قدر الضربات موکول الی رأی الإمام و القاضی بقدر شدة الجنایة و خفتها فیجوز له اختیار ماشاء فی عدد الضربات بالغاً مابلغ، فیجوز ان یزید به علی قدر الحد ایضاً . (تکملة فتح الملهم ج 2 . صفحه 510)

ترجمہ: ''تعزیر بالضرب کی صورت میں کوڑوں کی مقدار کے تعین کا اختیار حاکم وقت یا قاضی کو حاصل ہے۔حتیٰ کہ حد کی سزا سے بھی زیادہ سنگین سزا تجویز کر سکتا ہے۔''

اس کا مطلب یہ ہوا کہ کسی بھی انتہائی سنگین نوعیت کے جرائم کو مستوجب تعزیر ماننے اور مستوجب حد نہ ماننے سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ:

1 ....دراصل اس جرم کے لیے حد کی سزا سے بھی زیادہ سنگین سزا تجویز کرنا ہوتا ہے۔

2 ....مستوجب حد جرم کی سزا ایک مخصوص سزا میں محدود ہوتی ہے،اورعلی التعیین وہی سزا دی جاسکتی ہے۔جبکہ تعزیری سزاؤں کا دائرہ کار بہت وسیع ہوتا ہے،وہ اپنے اطلاق اور غیر محدود دائرہ میں ہونے کے سبب بیک وقت متعدد او حد سے بھی

زیادہ سنگین سزائیں ایک جرم میں تجویز کی جاسکتی ہیں۔

اس سلسلہ میں زنا اور لواطت (Homo sexuality) کی سزاؤں کا مطالعہ حنفیہ کے درج بالا موقف کا صحیح انداز میں وضاحت کرتا ہے

غیر شادی شدہ شخص کا زنا اگرچہ اپنی ذات میں انتہائی سنگین نوعیت کا جرم ہے۔ لیکن مستوجب حد ہونے کے سبب حکومت وقت پابند ہے کہ وہ مجرم کے خلاف اس جرم کی مخصوص سزا (100 کوڑے) لاگو کرے۔

اس کے مقابلہ میں لواطت کا جرم ہے۔ جو حنفی علماء کے نزدیک مستوجب تعزیر جرم ہے، مستوجب حد نہیں۔ مستوجب تعزیر اس لئے نہیں کہ یہ اپنی شناعت اور سنگینی میں جرم زنا سے کم ہے، بلکہ اس لئے کہ اس جرم کی سنگینی اور گھناؤنا پن جرم زنا سے بدرجہا بڑھ کر ہے۔ کیونکہ زنا ایک فطری عمل ہے۔ جبکہ لواطت غیر فطری عمل ہے۔

جب لواطت کا عمل اپنے گھناؤنا پن میں زنا سے بڑھکر ہوا۔ تو تعزیری طور پر حاکم کو اختیار حاصل ہے کہ وہ مجرم کے خلاف جرم زنا کی سزا جاری کردے۔ یا حد سے بھی سخت سزا دے۔ مثلاً:

1..... جیل خانہ کے کسی اندھیر، خوفناک، بدبودار کوٹھی میں سزائے عمر قید دیدے۔

2..... مجرم کو آگ میں جلا کر راکھ کر دیا جائے۔

3..... بلند پہاڑ یا بلڈنگ سے اوندھے منہ پھینک دیا جائے۔ اور پیچھے سے پتھروں کی بارش کردی جائے۔

صاحب فتح القدیر لکھتے ہیں:

أن اللوطة ليس بزنا ولا معناه فلا يثبت فيه حد، و ذالک لأن

الصحابة اختلفوا فی موجبه، فمنهم من اوجب فيه التحريق بالنار، و منهم من قال، يهدم عليه الجدار و منهم من يلقيه من مكان مرتفع مع اتباع الاحجار، فلو كان زنا فی اللسان او فی معناه لم يختلفوا بل كانوا يتفقون علی ايجاب حد الزناء عليه، فاختلا فهم فی موجبه وهم اهل اللسان دليل علی انه ليس من مسمی لفظ الزناء لغة و لا معناه(فتح القدير. ج 5صفحه 44)

ترجمہ: ''لواطت کا عمل نہ زنا ہے اور نہ ہی اس کے معنیٰ میں ہے۔ اس لئے اس میں زنا کی سزائے حد ثابت نہیں ہوسکتی ہے۔ اور یہ اس لئے کہ خود صحابہ میں لواطت کی سزا میں مختلف آراء رہی ہیں۔ بعض صحابہ نے اس کی سزا آگ کے الاؤ میں جلانا قرار دیا ہے۔ بعض نے دیوہیکل دیوار گرا کر اسکے نیچے مجرم کو کچل دینا قرار دیا ہے۔ جبکہ بعضے صحابہ نے بلند جگہ سے مجرم کو اوندھے منہ پٹخ دینا اور اس کے پیچھے پتھروں کی بارش کرنا قرار دیا ہے۔ اب صحابہ اہل زباں تھے۔ لواطت کی سزا میں اختلاف رائے کرنا اس بات کی قوی دلیل ہے کہ لواطت اور چیز ہے اور زنا اور، اگر یہ دونوں ازروئے لغت یا ازروئے معنیٰ ایک ہوتے، تو صحابہ متفقہ طور پر اس کی سزا زنا کی سزائے حد بتاتے۔''

درج بالا اقتباس میں ذکر کردہ صحابہ کی مختلف تجویز کردہ سزاؤں کو حنفی علماء نے لواطت کی تعزیری سزا میں اختیار کیا ہے۔ جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ لواطت کی سزا کو تعزیری ماننے سے حنفیہ کی غرض ہرگز یہ نہیں ہے کہ جرم لواطت کی سزا خفیف ہو کیونکہ یہ جرم خفیف ہے اور زنا کی سزا شدید ہو کیونکہ وہ جرم سنگین ہے بلکہ اس لئے کہ

لواطت زنا کے جرم سے زیادہ سنگین ہونے کے سبب زنا کا جامۂ معنی نہیں پہن سکتی ہے۔اور زنا کے معنی میں نہ ہونے کے سبب اس کی سزائے حد کو بھی بطور حد ظاہر ہے جاری نہیں کیا جاسکے گا۔لیکن تعزیری طور پر حد زنا جتنی یا اس سے بھی سخت سزا حاکم وقت جاری کرسکتا ہے۔

شیخ الاسلام مولانا محمد تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

قد ثبت أن عقوبة اللوطی عندا لحنفیة لیست حدا و لکنهم مع ذالک عینوا اله بعض العقوبات مثل ان یرمی من الجبل او یحبس فی بیت مظلم منتن حتی یموت (تکملة فتح الملهم. ج 2 صفحه 265)

ترجمہ: یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ لوطی کی سزا حنفی علماء کے نزدیک حد نہیں ہے۔بلکہ تعزیر ہے۔اس کے باوجود حنفی علماء نے اس جرم کے لیے سخت سزائیں تجویز کی ہیں۔مثلاً .... مجرم کو اونچے پہاڑ سے نیچے پھینک کر مارنا، یا انتہائی بدبودار کوٹھری میں رکھنا کہ سڑ سڑ کر خود ہی مرجائے۔"

تو جس طرح درج بالا جرم لواطت کو حنفی علماء مستوجب حد کی بجائے مستوجب تعزیر جرم تسلیم کرتے ہیں۔اور یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ جرم زنا سے جرم لواطت زیادہ سنگین ہے،اس لئے اس جرم کے حالات وواقعات، مجرم کی نفسیات، وقوعہ کے سیاق و سباق اور محل وقوع کے ماحول کے اعتبار سے مجرم کے خلاف شدید سے شدید تر تعزیری سزا کا فیصلہ کیا جانا چاہیے۔جو زنا کی سزائے حد سے بھی زیادہ عبرتناک اور سبق آموز ہوسکتی ہے۔

اسی طرح مذکورۃ الصدر جرم توہین رسالت اگرچہ حنفی علماء کے نزدیک مستوجب

حد نہیں ہے، لیکن انتہائی سنگین نوعیت کا جرم ضرور ہے، اور ظاہر ہے سنگین نوعیت کے جرم کی ضرورت خفیف سزا کیسے پوری کر سکتی ہے۔ اس لئے توہین رسالت کو سنگین نوعیتِ کا مستوجب تعزیر جرم کہنے کا مطلب یہ ہوا کہ حکومت وقت شاتم رسول کے خلاف جس نوع کی سنگین تعزیری سزا وضع کرنا چاہے، وہ اس میں مکمل آزاد ہے۔ حکومت وقت جرم کے حالات و واقعات، جرم کے محل وقوع، مجرم کے رویہ اور ارتکاب جرم سے پڑنے والے اثرات کے اعتبار سے جس نوع کی ذلت آمیز تعزیری سزا نافذ کرنا چاہے، کر سکتی ہے۔

1......اب اگر مجرم سے سرزد شدہ توہین رسالت کا جرم انتہائی سنگین نوعیت کا ہو۔ کہ مجرم نے علانیہ اللہ کے رسول ﷺ پر طعن و تشنیع کیا ہو یا کتابی شکل میں یا اپنی کسی تصنیف میں اس قسم کے جرم کا اظہار کیا ہو۔ تو ایسے جرم کی سزا میں حنفی علماء کی وہی رائے ہے جو تینوں ائمہ کی ہے۔ (جس کی تفصیل سابق میں کر دی گئی ہے۔) یعنی

مجرم کو پھانسی دی جائے یا سزائے موت دی جائے۔

بس فرق اتنا ہے۔ کہ حنفی علماء کی نظر میں درج بالا سزا تعزیری ہے، جبکہ ائمہ ثلثہ کے نزدیک مجرم کی سزائے قتل بطور حد ہے، بطور تعزیر نہیں۔

2 .....اور اگر مجرم نے درج بالا جرم کا ارتکاب مخفی انداز میں یا غیر علانیہ انداز میں کیا ہو۔ اور اب اقبال جرم سے انکاری ہو اور ارتکاب جرم سے اپنی برائت ظاہر کرتا ہو تو ظاہر ہے اس نوع کا جرم مقدم الذکر جرم سے خفیف ہے۔ اس لئے سزائے قتل کے علاوہ حکومت وقت یا عدالت جو سزا مناسب سمجھے، تجویز کر سکتی ہے۔ عدالت مجرم کو سزائے عمر قید، جلاوطنی، جرمانہ، کوڑوں کی سزا اپنی صوابدید پر دے

سکتی ہے لیکن ائمہ ثلثہ کے مذہب کے مطابق اس جرم کی بھی وہی سزا ہے۔ جو جرم بالا کی ہے۔ اور حکومت وقت یا عدالت کو اپنی صوابدید پر کوئی دوسری سزا تجویز کرنے کا حق نہیں دیتے ہیں۔

صاحب فتح القدیر لکھتے ہیں:

والذی عندی ان سبه صلی الله علیه وسلم او نسبة مالا ینبغی الی الله تعالیٰ ان کان مما لا یعتقدونه کنسبة الوالد الی الله تعالیٰ اذا اظهره یقتل به وینتقض عهده وان لم یظهر ولکن عثر علیه وهو یکتمه فلا و هذا لان دفع القتل والقتال عنهم بقبول الجزیة الذی هو المراد بالاعطاء مقید بکونهم صاغرین اذلاء بالنص، ولا خلاف ان المراد استمرار ذالک لا عند مجرد القبول واظهار ذالک منه ینافی قید قبول الجزیة دافعاً لقتله، لانه الغایة فی التمرد و عدم الالتفات والاستخفاف بالاسلام والمسلمین. فلا یکون جاریاً علی العقد الذی یدفع عنه القتل وهو ان یکون صاغرا ذلیلا. و هذا البحث منا یوجب أنه اذا استعلیٰ علی المسلمین علی وجه صار متمردا علیهم حل للامام قتله او یرجع الی الذل والصغار. (فتح القدیر ج5 صفحہ 303)

ترجمہ: ''میرے نزدیک یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کو گالم گلوچ کرنا۔ یا اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی نازیبا نسبت مثلاً اللہ تعالیٰ کی طرف والد کی نسبت کرنا، اس طرح کے جرم کا ارتکاب اگر مجرم برملا انداز میں کرے، تو ایسی صورت میں مجرم کو قتل کیا جائیگا۔ نیز اس کی شہریت (تعزیری طور پر) منسوخ ہو جائیگی۔ اور اگر مجرم نے درج

بالا جرم کا ارتکاب برملا انداز میں نہ کیا ہو لیکن کسی طرح اس کے جرم کا پتہ لگالیا گیا اور وہ ارتکاب جرم سے اپنی برائت ظاہر کرتا ہے۔تو ایسی صورت میں اسے ایسی سزا نہ دی جائے۔ کیونکہ انھیں قتل نہ کرنا اور ان کی طرف سے دشمن سے لڑنا ان سے جزیہ لینے کے سبب سے ہے۔لیکن ان غیر مسلم باشندوں کا جزیہ دینا اس شرط کے ساتھ مقید ہے کہ ان کی شہریت بے حیثیت اور کم درجہ کی ہوگی۔اور اس بات میں کسی کو اختلاف نہیں ہے کہ بے حیثیتی کا مظاہرہ صرف شہریت لیتے یا جزیہ کا حکم قبول کرنے کے وقت تک نہ ہوگا۔ بلکہ اس عمل میں تسلسل رہے گا جبکہ اللہ کے رسول ﷺ کے خلاف گستاخانہ لہجہ کا علانیہ استعمال اس شرط کی خلاف ورزی ہے۔جس کی بنیاد پر قتل ہونے سے ان کو امان ملا تھا۔ کیونکہ اللہ کے رسول کے خلاف گستاخانہ لہجہ انتہائی درجہ کی سرکشی، بے وقعتی اور اسلام اور مسلمانوں کی تذلیل ہے۔اس کا مطلب ہے کہ ذمی کے ساتھ امان اور تحفظ کا جو معاہدہ ہوا تھا، اس نے از خود خلاف ورزی کر کے اس معاہدہ کو توڑ ڈالا۔ لہٰذا حکم سابق۔ ''قتل'' عود کر آئیگا۔اس بحث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اسلامی ریاست کا غیر مسلم باشندہ جب مسلمانوں پر باغیانہ انداز میں اپنی برتری جتانے لگے۔تو حاکم وقت کے لیے جائز ہے کہ اس کا کام تمام کردے۔یا ذلت آمیز سزا دے کر اس کے اندر کے خناس کو باہر نکال دے۔''

علامہ ابن عابدین لکھتے ہیں:

وسب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ای اذا لم یعلن، فلو اعلن، بشتمہ او اعتادہ قتل ولو امرئۃ و بہ یفتی. (فتاویٰ شامی۔ج4 صفحہ 213)

ترجمہ: ''غیر مسلم باشندہ کا شان رسالت میں نازیبا الفاظ کا استعمال یہ جرم

مستوجب قتل اس وقت نہیں ہے جب ارتکاب جرم علانیہ انداز میں نہ ہوا ہو، لیکن اگر سب وشتم کے جرم کا ارتکاب علانیہ انداز میں کرے، یا شان رسالت میں گستاخی مجرم کی عادت بن گئی ہو، تو اس صورت میں یہ جرم مستوجب قتل ہے، اور مجرم اگر چہ خاتون ہی کیوں نہ ہو، قتل کر دیا جائے اور اسی پر فتویٰ ہے۔''

شہریت کی ازخود منسوخی کے حوالہ سے لکھتے ہیں:۔

هذا ان لم يشترط انتقاضه به. اما اذا شرط. انتقض به كما هو ظاهر ۔(فتاویٰ شامی ج4 صفحہ 213)

ترجمہ: ''غیر مسلم باشندہ کو اسلامی ریاست کی شہریت دیتے وقت اگر شان رسالت میں گستاخانہ زبان استعمال کرنے سے شہریت کی منسوخی کی صراحت کی گئی ہو تو ارتکاب جرم پر ازخود منسوخ ہوگی ورنہ نہیں۔''

حنفی علماء کی انتہائی معتبر کتابوں (Most Authentic Books) کے اقتباسات سے معلوم ہوا کہ:

1......توہین رسالت کا جرم تعزیری ہے مستوجب حد نہیں۔

2......تعزیری سزا صرف قتل میں محصور نہیں ہے۔ بلکہ جرم کی نوعیت پر ہے۔

3......تعزیری سزا کے تعین میں جرم کی نوعیت کو دیکھنا ہوگا۔ اگر جرم انتہائی سنگین نوعیت کا ہو۔ مثلاً......شان رسالت میں گستاخی یا گالم گلوچ علانیہ انداز میں ہو۔ یا اشاعت کی شکل میں۔ یا شان رسالت میں گستاخی مجرم کی عادت بن گئی ہو۔ اور گاہے بہ گاہے شان رسالت میں گستاخانہ لہجہ استعمال کرتا رہتا ہو۔ تو ایسے حالات میں مجرم کے خلاف عدالت سزائے قتل ہی جاری کرے۔ کیونکہ:

اذ صرحوا قاطبة بأنه يعزر على ذالک و يؤدب وهو يدل على جواز قتله زجرا لغيره. اذ يجوز الترقى فى التعزير إلى القتل اذا عظم موجبه (البحرالرائق ج5 صفحہ 115)

ترجمہ: ''سارے علماء کی تصریح کے مطابق درج بالا مجرم کے خلاف تادیبی کاروائی کی جائے اور اس کو سخت تعزیری سزا دی جائے۔ جو مجرم کے قتل تک ہوسکتی ہے۔ تاکہ دوسروں کے لیے بھی درس عبرت ہو۔ کیونکہ جب جرم سنگین ہو تو اس کی تعزیری سزا میں قتل تک جایا جاسکتا ہے۔''

4......اور اگر جرم اس نوعیت کا ہو، کہ اس کے علانیہ اظہار میں ان کا عقیدہ محرک بنا ہوا ہو مثلاً: پیغمبر مآب ﷺ کے بارے میں کہنا کہ وہ (معاذ اللہ) نبی برحق نہ تھے۔ قرآن پاک آسمانی کتاب نہیں ہے۔ مدینہ سے یہودیوں کی جلا وطنی قرین انصاف نہ تھی۔

5......جرم سنگین نوعیت کا ہو، اور اس کے اظہار میں مذہب محرک بھی نہ ہو۔ مثلاً شان رسالت میں گستاخانہ لہجہ کا استعمال، لیکن ارتکاب جرم بجائے علانیہ انداز میں ہونے کے یا مضمون کی اشاعت کی شکل میں ہونے کے، کلیسا یا مندر کی چار دیواری میں یا گھر کے احاطہ میں ہوا ہو اور کسی ذریعہ سے ارتکاب جرم کی اطلاع حاکم وقت یا عدالت کو پہنچ گئی ہو۔ اور عدالت کی طلبی پر مجرم ارتکاب جرم سے اپنی برائت ظاہر کرتا ہو تو ان دونوں صورتوں میں یعنی چوتھی اور پانچویں صورت میں عدالت مجرم کے خلاف قتل کے علاوہ کوئی دیگر تادیبی کارروائی کرے گی۔ اب رہا سوال کہ کس نوع کی تادیبی کاروائی کرے تو اس کا دارومدار جرم کی نوعیت پر ہے۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ جرائم بالا دونوں مستوجب قتل نہیں ہیں۔

6...... جرم بالا کی سزا کے تعین میں جرم کے الفاظ بھی انتہائی اہمیت رکھتے ہیں۔ شان رسالت کی توہین میں الفاظ اگر گھناؤنے قسم کے ہوں۔ تو تعزیری سزا بھی جرم کے الفاظ اور مجرمانہ ذہن کی مناسبت سے انتہائی کڑی قسم کی لاگو ہوگی۔

علامہ ابن الھمام مجرم کے باغیانہ ذہن اور سرکش زبان کی بابت حکم بیان کرتے ہیں:

وھذا البحث منا یوجب انه اذا استعلیٰ علی المسلمین علی وجه صار متمردا علیھم حل للامام قتله او یرجع الی الذل والصغار. (فتح القدیر ج5 صفحہ 303)

ترجمہ: ''اس بحث سے یہ نتیجہ بھی اخذ ہوگیا کہ اسلامی ریاست کا غیر مسلم باشندہ جب مسلمانوں پر اپنی برتری جتا کر (شان رسالت میں) باغیانہ روش اختیار کرے، تو حاکم وقت کے لیے جائز ہے کہ اس کا کام تمام کردے یا ذلت آمیز کارروائی سے اس کو ذلیل ورسوا کردے۔

عدالت کے سامنے غور طلب امر شاتم رسول کے الفاظ بھی ہوتے ہیں، کہ شان رسالت کی توہین میں سرزدشدہ الفاظ صریح ہیں یا کنائی، الفاظ سے کشید ہونے والا مدلول کس قسم کا اثر رکھتا ہے۔ فحش قسم کا یا سیرت طیبہ میں محض ایک علمی تنقید کا، نیز عرف عام میں اس قسم کے الفاظ کو کس نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

لفظ، معنی، مجرمانہ ذہنیت اور عرف عام سے کشید ہونے والا جس نوع کا مفہوم اخذ ہوتا ہو، اس کی مناسبت سے تعزیری سزا میں سختی کا رنگ بھرا جائیگا۔

آمدم برسرِ مطلب

سیکشن C - 295 میں مذکور جرم... توہین رسالت ...کے مرتکب کے لیے تین سزائیں تجویز کی گئی ہیں:

1......سزائے موت۔

2......سزائے عمر قید

3......جرمانہ

جبکہ سزا کی تعیین کو عدالت کے صوابدیدی اختیارات پر چھوڑ دیا ہے۔

لیکن....

شریعت کی رو سے دفعہ بالا میں مذکور سزاؤں میں سے کسی سزا کا اجراء علی الاطلاق عدالت کی صوابدید پر نہیں ہے بلکہ عدالت توہین رسالت سے متعلق بعض جرائم میں مخصوص قسم کی سزا کے اجراء کی پابند ہے۔ جبکہ بعض دوسرے جرائم میں عدالت اپنے صوابدیدی اختیارات پر ہے۔

جن جرائم کی سزاؤں میں عدالت پابند ہے۔ وہ دو ہیں:

1......توہین رسالت کا مرتکب مسلمان ہو۔

2......اسلامی ریاست کا غیر مسلم باشندہ ہو اور توہین رسالت کے جرم کا ارتکاب اس نے بار بار کیا ہو، علی الاعلان کیا ہو، مضمون یا کتاب کی اشاعت کی شکل میں کیا ہو۔ بشرطیکہ ارتکاب جرم میں اس کا عقیدہ محرک نہ بنا ہوا ہو۔

درج بالا دونوں صورتوں میں عدالت مجرم کے خلاف صرف سزائے موت (Death Sentence) ہی جاری کرسکتی ہے۔ مقدم الذکر صورت میں

اس لئے کہ مجرم مرتد ہے۔ اور مرتد کی سزا اسلامی قانون میں صرف تلوار ہے۔ جو بصورت حد ہر حال میں لگنی ہے۔

اور موخر الذکر صورت میں عدالت سزائے موت جاری کرنے کی اس لئے پابند ہے کہ اس جرم کی سزا پر امت کا اتفاق ہو چکا ہے اور قاضی یا عدالت کے لیے امت کے متفقہ فیصلہ کے خلاف فیصلہ دینے کی قطعی اجازت نہیں ہے۔

مذکورۃ الصدر صورتوں کے علاوہ دیگر صورتوں میں عدالت کو صوابدیدی اختیارات حاصل ہیں۔ کہ وہ جرم کی نوعیت، مجرم کی ذہنیت، وقوعہ کے سیاق وسباق اور معاشرہ پر پڑنے والے اثرات کے اعتبار سے جس طرح کی سزا مناسب سمجھے، دے سکتی ہے۔

جرم بالا توہین رسالت چونکہ حق اللہ کے قبیل سے ہے۔ یعنی جرم برخلاف ریاست ہے نہ کہ برخلاف فرد۔ اس لئے گوشوارہ رمز میں جرم بالا کو درج ذیل حیثیت میں رکھا گیا ہے:

1......قابل دست اندازی پولیس، یعنی بغیر وارنٹ گرفتاری پولیس ملزم کو گرفتار کر سکتی ہے۔

2......ناقابل ضمانت (Not bailable)

3......ناقابل راضی نامہ (Not compoundable)

کسی جرم یا عام نوعیت کے کسی کیس میں دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ اس قضیہ کا تعلق کس نوع سے ہے، نیز...... اس سے عام معاشرہ متاثر ہو رہا ہے۔ یا یہ کہ اس کا اثر کسی فرد یا

چند افراد تک محدود ہے؟ اگر اثر فرد یا چند افراد تک محدود ہو، تو اسلامی فقہ کی اصطلاح میں اسے........ ''**حق العبد**''........... سے یاد کیا جاتا ہے۔

مثلاً مہر بذمہ زوج، قرض بذمہ قرض دار، قیمت بذمہ خریدار۔

لیکن اگر تعلق یا جرم کا اثر براہ راست اسلامی معاشرہ یا اسلامی ریاست پر پڑ رہا ہو۔ تو اسلامی فقہ کی اصطلاح میں اسے۔ **حق اللہ**۔ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

حق اللہ اور حق العبد اسلامی فقہ میں دو الگ الگ انواع ہیں۔ اور ہر ایک اپنی نوعیت کے احکام رکھتا ہے۔ چونکہ حق العبد کا دائرہ اثر محدود ہوتا ہے۔ جبکہ حق اللہ کا غیر محدود، اس لئے شدت اور سنگینی کے اعتبار سے حق اللہ کے قبیل سے تعلق رکھنے والا کیس حق العبد کی نسبت زیادہ سنگین ہوتا ہے۔ ذیل میں دونوں کے مابہ الامتیاز خصوصیات قارئین کے استفادہ کے لیے لکھے جاتے ہیں۔

1...... **حق العبد** نوعیت کے کیس میں دعوائے خصومت شرط ہے۔ دعوائے مدعی کے بغیر عدالت ملزم کیخلاف فیصلہ کا اقدام نہیں کر سکتی ہے۔ جبکہ حق اللہ میں دعوائے مدعی شرط نہیں ہے ریاست کا کوئی بھی فرد مجرم کے خلاف متعلقہ کیس میں فریق بن سکتا ہے اور کسی بھی دعوائے خصومت کے بغیر قاضی کی عدالت میں ملزم کے خلاف شہادت قلمبند کرا سکتا ہے۔ اور اگر قاضی کے روبرو مجرم نے ارتکاب جرم کر دیا ہو، تو اس ارتکاب جرم کو بحکم اقرار لے کر قاضی کو حق ہوتا ہے کہ وہ مجرم کے خلاف منصفانہ فیصلہ صادر کر دے۔

2...... حق العبد نوعیت کا کیس چونکہ ایک فرد یا چند افراد تک محدود ہوتا ہے۔ اس لئے ملزم ثبوت حق یا ثبوت جرم کے بعد اگر متاثرہ فرد سے راضی نامہ کر لے اور

متاثرہ فرد ملزم کو معاف کر دے۔ تو عدالت یا حکومت کو فریق یا رکاوٹ بننے کا حق نہیں ہوتا ہے جبکہ حق اللہ نوعیت کے جرم میں چونکہ جرم کا اثر لامحدود ہوتا ہے۔ اور پوری ریاست کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہوتا ہے۔ تو متاثرہ فریق کے عدم تعین کے سبب ثبوت جرم کے بعد جرم ناقابل ضمانت، ناقابل راضی نامہ اور ناقابل معافی بن جاتا ہے۔

3...... حق العبد نوعیت کے کیس مین عدالت سے محفوظ شدہ فیصلہ متاثرہ فریق کی مرضی سے قابل اسقاط ہو سکتا ہے۔ مثلاً...... مہر بذمہ شوہر...... کے کیس میں عدالت نے بیوی کے حق میں وجوب مہر کا فیصلہ دیا۔ لیکن بیوی نے وجوب مہر کے عدالتی حکم کو شوہر کے حق میں ساقط کرا دیا۔ اور مہر کی ادائیگی سے شوہر کو بری الذمہ قرار دیا تو اس صورت میں قانونی حوالہ سے بیوی کسی جرم کا ارتکاب نہیں کر رہی ہے۔ بلکہ اپنا قانونی حق استعمال کر رہی ہے۔

اس کے مقابلہ میں حق اللہ نوعیت کا کیس جرم کے ثابت ہونے کے بعد اور عدالتی فیصلہ کے بعد ناقابل اسقاط ہوتا ہے۔ ریاست کے کسی خاص فرد کو حق نہیں ہوتا ہے کہ وہ ملزم کے خلاف محفوظ فیصلہ کو ساقط کرا دے۔ جیسے جرم زنا.......... زنا کا بذریعہ شہادت ثابت ہونے اور عدالتی فیصلہ کے بعد اس جرم کی سزا کو ساقط نہیں کیا جا سکتا۔

4...... حق العبد نوعیت کے کیس میں ملزم کے خلاف سزا کے عدالتی فیصلہ ہونے کے باوجود اگر وہ متاثرہ فرد کو راضی کر لے، اور دونوں فریق عدالت کی طرف سے فیصل شدہ سزا کے علاوہ باہم رضامندی سے کسی مالی معاوضہ پر اتفاق کر لیں۔ تو عدالت اس سلسلہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتی ہے۔ نہ ہی فریقین کو عدالتی فیصلہ پر عمل درآمد کے لیے مجبور کیا جا سکتا ہے۔ جبکہ حق اللہ نوعیت کے کیس میں چونکہ متاثرہ

فریق اسلامی ریاست ہوتا ہے۔ جس کا راضی کرنا اور کسی مالی معاوضہ (Compensation) پر باہم اتفاق کرنا ناممکن ہوتا ہے۔ اس لئے اس میں ملزم کے لیے عدالتی فیصلہ کے احترام اور قبولیت کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہوتا ہے۔

5...... حق العبد نوعیت کے کیس میں ملزم کے خلاف ایک ہی نوعیت کے کئی دعوے ہو سکتے ہیں اور ایک ہی ملزم کے خلاف خصومت میں کئی مدعی عدالت کے روبرو آ سکتے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں فیصلے بھی متعدد ہوں گے۔ کیونکہ اگر چہ ملزم ایک ہے اور ایک ہی نوعیت کے کئی دعوے ہیں لیکن مدعی اور حق کے طلبگار کئی افراد ہیں۔ جن سب کے لیے ایک منفرد حق پر گزارہ کرنا ناانصافی ہوگا۔ مثلاً۔ زید نے چار افراد کا مختلف اوقات میں مال غصب کیا۔ یہاں ملزم بھی ایک ہے اور ایک ہی نوعیت (غصب) کا کیس ہے۔ لیکن مدعی چونکہ متعدد ہیں۔ اس لئے دعوؤں میں تعدد سے ایک ہی ملزم کے خلاف ایک ہی نوعیت کے کیس میں چار کیس ہو جائیں گے اور ہر ایک میں عدالت کا مستقل فیصلہ مطلوب ہوگا اور مستقل انداز میں ہر ایک پر عمل درآمد کیا جائیگا۔

جبکہ حق اللہ نوعیت کے جرم میں ملزم کے خلاف جب تک عدالتی فیصلے کا نفاذ اور اجراء نہ ہو جائے۔ اس وقت تک ایک ہی نوعیت کے کیس کا مختلف اوقات میں اور مختلف افراد کے ساتھ ورود ایک ہی سزا کے ترتب کا سبب ہوگا۔ جسے اصطلاح فقہ میں ...... تداخل ...... کہتے ہیں۔ اس لئے زنا کیس جس میں مرتکب زنا نے چار مختلف واقعات میں زنا کے جرم کا ارتکاب کیا ہو، عدالت اس کے خلاف صرف ایک ہی سزائے حد کا فیصلہ صادر کریگی۔

توہین رسالت کیس چونکہ حق اللہ کے قبیل سے قرار دیا گیا ہے۔ اور وہ اس

لئے کہ شاتم رسول کے جرم سے تمام مسلمانوں کے ملی جذبات مجروح ہوتے ہیں۔ اسلامی ریاست کے امن کے لیے خطرات کھڑے ہوتے ہیں۔ اسلامی معاشرہ کا سکون دردوالم میں بدل جاتا ہے۔اس لئے جرم کا دائرہ اثر عامۃ المسلمین اور اسلامی ریاست کومحیط ہونے کے سبب علمائے امت نے جرم بالا کو حق اللہ کے قبیل سے قرار دیا ہے۔

صاحب فتح القدير لکھتے ہیں:

لانه الغاية فی التمرد و عدم الالتفات و الا ستخفاف بالاسلام والمسلمين. (فتح القدیر ج5 صفحہ 303)

ترجمہ: ''جرم توہین رسالت مجرم کی انتہائی نوعیت کی سرکشی، لاابالی پن اور اسلام اور مسلمانوں کی کھلی توہین ہے''۔

علامہ ابن تیمیہ اپنی کتاب...... الصارم المسلول علی شاتم الرسول ۔میں لکھتے ہیں:

و بهذا يظهر الفرق بينه و بين غيره فی ان حد قذف انما ثبت لورثة او لبعضهم و ذالک لأن العار انما يلحق الميت او ورثته. وهنا العار يلحق جميع الأمة لافرق فی ذالک بين الهاشميين و غيرهم بل ای الامة كان اقوىٰ حبا لله و رسوله واشد اتباعاً له و تعزيراً و توقيراً كان حظه من هذا الأذى والضرر اعظم و هذا ظاهر لاخفاء به. واذا كان هذا ثابتا لجميع الأمة فانه مما يجب عليهم القيام به و لا يجوزلهم العفو عنه بوجه من الوجوه، لانه وجب لحق دينهم لالحق

دنیاھم بخلاف حد قذف قریبھم فانه وجب لحظ نفوسھم و دنیاھم فلھم ان یترکوہ۔ (الصارم المسلول صفحہ 445)

ترجمہ: ''اسی سے توہین رسالت جرم اور جرم قذف میں فرق ظاہر ہوتا ہے۔ کہ حد قذف ثابت ہوا ہے متاثرہ فرد کے ورثاء یا بعضے ورثاء کے لیے اور یہ اس لئے کہ قذف سے صرف میت اور اس کے خاندان والوں کی عزت پر بدنما داغ پڑتا ہے۔ جبکہ توہین رسالت جرم میں پوری امت کی توہین ہوتی ہے۔ اس میں آپ ﷺ کے خاندان بنو ہاشم وغیر بنو ہاشم کا کوئی فرق نہیں ہے۔ بلکہ کوئی بھی قوم جو اللہ اور اس کے رسول کو جتنا زیادہ عزیز رکھے گی اور جتنا زیادہ اتباع اور احترام رکھے گی۔ اس توہین کا اثر ان پر اتنا ہی زیادہ پڑے گا۔ اور یہ بالکل واضح سی بات ہے۔ اور جب یہ پوری امت کی توہین ہے۔ تو پھر اس مجرم پر سزا نافذ کرانا بھی ہر ہر امتی کی ذمہ داری ہے۔ اور شاتم رسول کو کسی صورت معاف نہیں کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ یہ دینی فرض ہے دنیاوی نہیں۔ بخلاف حد قذف کے کیونکہ یہ انسان کا ذاتی اور دنیاوی حق ہے۔ اس لئے اس میں مجرم کو متاثرہ فرد یا اس کے ورثاء معافی دے سکتے ہیں''۔

آگے لکھتے ہیں:

ان النبیؐ لا یورث، فلا یصح ان یقال : إن حق عرضه یختص به اھل بیته دون غیرھم. کما ان ماله لا یختص به اھل بیته دون غیرھم بل اولیٰ لان تعلق حق الأمة بعرضه اعظم من تعلق حقھم بماله و حینئذ فیجب المطالبة باستیفاء حقه علی کل مسلم لان ذالک من تعزیرہ و نصرہ و ذالک فرض علی کل مسلم (الصارم المسلول صفحہ 445)

ترجمہ: ''جب ضابطہ یہ ہے کہ نبی کا کوئی خاص وارث قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔تو پھر کیسے آپ کے ناموس پر حملے کو صرف آپ کے خاندان کا مسئلہ قرار دے سکتے ہیں۔ جب آپؐ کے مال پر آپ کے خاندان کا خصوصی حق تسلیم نہیں کیا گیا ہے۔ بلکہ ساری امت کو آپ کا وارث قرار دیا گیا ہے۔تو جب مال میں امت وارث ہے اور حق دار ہے۔تو ناموس اور عزت کے مسئلہ میں بھی پوری امت آواز اٹھانے کی حقدار ہے۔ بلکہ اس صورت میں تو حق بطریقہ اولیٰ ملنا چاہیئے، کیونکہ امت کا مال کی نسبت آپ کے ناموس سے جذباتی اور اعتقادی تعلق کہیں زیادہ ہے۔لہٰذا۔۔۔ ہر مسلمان کو توہین رسالت کیس میں دعویٰ دائر کرنے کا حق حاصل ہے۔ نہ کہ صرف آپ کے خاندان کو۔ کیونکہ اللہ کے رسول کی تائید اور مدد ہر مسلمان کا اولین فرض ہے۔''

علامہ ابن تیمیہ اور صاحب فتح القدیر کا جرم بالا کا دائرہ اثر عام مسلمانوں اور جمیع امت تک کو قرار دینا دراصل اس جرم کو... ''حق الله'' ....کے قبیل سے ثابت کرنا ہے۔ کیونکہ...... ''حق العبد' '.....کا دائرہ اثر متاثرہ فرد یا افراد تک محدود ہوتا ہے، اس لئے جرم بالا کی وہی خصوصیات ہوں گی، جو کہ حق الله نوعیت کے جرائم کے لیے تسلیم کی گئی ہیں۔

لہٰذا:

جرم بالا کا حق الله کے قبیل سے ہونے کے سبب گوشوارہ رمز میں اس جرم کی درج ذیل خصوصیات بالکل قرین انصاف ہیں:

1......ناقابل ضمانت۔(Not bailade)

2......ناقابل راضی نامہ ۔(Not Compoundable)

3.....قابل دست اندازی پولیس (Cognisable)

نیز............ جرم بالا کا مقام سماعت سیشن کورٹ (Session Court) کو قرار دیا گیا ہے۔ یعنی اس کی سماعت کے اختیارات سیشن کورٹ کو تفویض کیے گئے ہیں، مزید شرط یہ عائد کی گئی ہے کہ جرم بالا کا فیصلہ کنندہ جج کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔ غیر مسلم جج جرم بالا کے فیصلے کا اختیار نہیں رکھتا ہے۔

مرتد کی سزا......

- اسلام میں مرتد کی سزا
- مرتد کی سزائے حد کے انکار کے اسباب
- مرتد کی سزائے حد امت کا اجماعی مسئلہ ہے

پابندیِ احکامِ شریعت میں ہے کیسا؟
گو شعر میں ہے رشکِ کلیمِ ہمدانی
سنتا ہوں کہ کافر نہیں ہندو کو سمجھتا
ہے ایسا عقیدہ اثرِ فلسفہ دانی
(اقبال)

مرتد کی سزا......

مرتد کی سزائے قتل پر تمام امت کا اجماع چلا آ رہا ہے، اور اس کا حد ہونا صریح نصوص سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ اسی لئے اس مسئلہ میں آج تک کسی امام یا عامۃ الناس میں سے کسی کو اختلاف نہیں ہوا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے چودھویں صدی میں اسلامی دنیا پر عموماً اور ہندو پاک پر خصوصاً انگریز کے طویل دور اقتدار کے باعث مسلمان انگریزوں کی روایات کے دلدادے اور انگریزی سوچ اور مغربی خیالات کے اسیر بن گئے۔ ذہنی غلامی کے سبب مغرب زدہ طبقہ کی سوچ یہ رہی کہ انگریز آقاؤں سے معارضانہ تصادم کی بجائے مصالحانہ عمل کو اختیار کیا جائے۔ نہ صرف مادی شعبہ جات میں بلکہ دین و مذہب میں ہر ایسی دینی سوچ کی حوصلہ شکنی کی جائے جو انگریزی سوچ سے تصادم لیتی ہو۔ اور اسلام کے انگریز مخالف احکام کی ایسی تشریحات کی جائیں جو انگریزوں کے لیے قابل قبول ہو سکتی ہوں۔

اس مکتب فکر کے لوگوں نے مغربی سوچ اور انگریز غلامی کے سبب جہاں اسلام کے بہت سے احکامات سے انکار کیا۔ وہاں بہت سے احکام کے واضح معنے بدل کر مغربی سوچ سے ہم آہنگ تشریحات کئے۔ انہی میں سے ۔ مسئلہ ارتداد، توہین رسالت، دعوائے نبوت، دعوائے خدائی ہے۔

انگریزی روایات میں لامذہبیت (Seculerism) سے پیار اور مذہبیت (Religion) سے عناد ہوتا ہے۔ اور مادہ پرست ہونے کے سبب حب الوطنی (Petreotic) انتہائی حوصلہ افزا اور ملک دشمنی اور بغاوت انتہائی درجہ کا گھناؤنا جرم

قرار پایا ہے، اس لئے اس ذہنی سوچ کا قانونی شکل میں ظہور اس طرح ہونا فطری تھا، کہ مذہب سے بغاوت تو انسان کی فطری آزادی کا عمل دخل قرار پائے۔ جب کہ ملک سے بغاوت جرم مستوجب قتل بن جائے۔ اس لئے مذہب کے بارے میں امریکی کانگریس نے قرار دیا کہ۔

Congress shall make no low respecting an establishing of religion, or prohibiting the free exercise therefore or abridging the freedom of speech.

(Constitution of U.S A Page No. 139)

ترجمہ: ''کانگریس ایسا کوئی قانون نہیں بنائیگی جس کا تعلق ملک میں کسی مذہب کی بنیاد رکھنے سے ہو یا جس سے کسی کے آزادانہ عمل پر پابندی لگ سکتی ہو یا جس سے آزادی اظہار پر کوئی قدغن لگ سکتا ہو''۔

اس لئے ارتداد سے لے کر بانیان مذہب اور ان کے وفادار ساتھیوں سے ذہنی اور عملی بغاوت تک آزادی تحریر وتقریر اور آزادی مذہب کی آڑ میں سب جائز ٹھہرا، یورپ و امریکہ گستاخان رسول اور باغیان اسلام کے لیے اس دور میں زبردست پناہ گاہیں اس لئے بنی ہوئی ہیں کہ اسلام سے بغاوت اور پیغمبر اسلام کی اہانت ان کے ہاں حوصلہ افزا عمل ہے۔

حالات حاضرہ کی تازہ خبر اس بارے میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

او آئی سی کا پیغمبر اسلام کی توہین آمیز کارٹونوں کی اشاعت پر ڈنمارک سے احتجاج۔ ڈنمارک اور ناروے شان رسالت میں گستاخی کرنے والوں کا دفاع کر رہے ہیں، جنرل سیکریٹری۔ اقدام نسل پرستی اور مذہبی تفریق پر مبنی ہے، کویت کا ڈینش سفیر سے شدید احتجاج۔

جدہ (آن لائن/اے ایف پی) او آئی سی کے سیکریٹری جنرل اکمل الدین احسن نے ناروے اور ڈنمارک کے اخبارات میں حضور اکرم ﷺ کے کارٹون شائع کرنے پر ڈنمارک حکومت سے شدید احتجاج کیا ہے، ڈنمارک کے وزیر اعظم کے نام اپنے ایک خط میں انھوں نے کہا کہ اخبارات میں حضور اکرم ﷺ کے کارٹونوں سمیت اسلام مخالف کئی اقدامات سے تناؤ اور انتشار پھیل سکتا ہے، سیکریٹری جنرل نے کہا کہ دنیا بھر کے مسلمان یہ سمجھنے میں حق بجانب ہیں کہ ڈنمارک اور ناروے کے حکام گستاخانہ اقدامات کرنے والوں کا دفاع کر رہے ہیں۔ سیکریٹری جنرل نے دونوں ممالک کی حکومتوں سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ مسلم دنیا کے جذبات کو مدنظر رکھتے ہوئے فوری طور پر معافی مانگیں، دریں اثناء کویت نے ڈنمارک کے اخبار میں توہین آمیز کارٹون کی اشاعت پر ڈینش سفیر کو طلب کر کے سخت احتجاج کیا ہے، کویتی وزارت خارجہ کے ترجمان کے مطابق کویت نے گستاخانہ کارٹونوں کی اشاعت کی سخت مذمت کرتے ہوئے اسے نسل پرستی اور مذہبی تفریق پر مبنی قرار دیا ہے واضح رہے کہ جمعرات کو سعودی عربیہ توہین آمیز کارٹون کی اشاعت کے بعد ڈنمارک سے احتجاجاً اپنے سفیر کو واپس بلا چکا ہے۔ (بحوالہ۔ روزنامہ ایکسپریس 29 جنوری 2006ء)

سعودی حکومت کے سخت ترین احتجاج کی بابت اخبار لکھتا ہے۔

جدہ (آن لائن) سعودی عرب نے یوروپی اخباروں کے پیغمبر اسلام ﷺ کے حوالہ سے کارٹونز کی اشاعت کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ اس طرح کے اقدامات مختلف مذاہب کے لوگوں کے درمیان نفرت اور اشتعال پھیلانے کا باعث بنیں گے، سعودی خبر رساں ایجنسی کے مطابق اس ضمن میں منگل کو ریاض میں شہزادہ سلطان کی

زیرِ صدارت کابینہ کے اجلاس میں ڈنمارک اور ناروے کے اخباروں میں شائع ہونے والے کارٹونز اور مضمون کی مذمت کی گئی۔ 150 ارکان پر مشتمل سعودی شوریٰ کونسل نے مغربی دنیا پر زور دیا ہے کہ وہ پیغمبر اسلام کی سیرت کو پڑھتے ہوئے ان کی نمایاں خصوصیات، اخلاق اور اچھی چیزوں کو سیکھیں۔ (بحوالہ ایکسپریس 25 جنوری 2006ء)

اسلامی دنیا کا نمائندہ ادارہ او آئی سی، اسلامی ممالک کا گستاخانہ، توہین آمیز کارٹونز کی اشاعت پر شدید غم و غصہ، کویت کا ڈینش کے سفیر کو بلا کر سخت احتجاج کرنا، سعودی عربیہ کا ڈنمارک سے احتجاجاً اپنے سفیر کو واپس بلانا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ پیغمبر اسلام کی توہین کو اسلامی دنیا انتہائی گھناؤنا جرم سمجھتی ہے۔ جس کے لئے زیادہ نہ ہو سکے تو کم از کم متعلقہ افراد کو اسلامی دنیا سے معافی مانگنے پر مجبور کیا جائے، یا متعلقہ حکومتیں رسمی معافی مانگ لیں۔ لیکن عشرہ سے زیادہ پر محیط احتجاج اس لئے رنگ نہ دکھا سکا کہ توہین رسالت جب ان کے ہاں جرم ہونے کی بجائے انتہائی ممدوح اور حوصلہ افزا عمل ہے۔ تو معافی کس بات پر بلکہ وہ تو اس احتجاج پر الٹا ہمیں ملامت کرتے ہیں کہ ارتداد، مذہب سے بغاوت اور توہین رسالت تمہارے ہاں اب تک جرم کیوں سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے امریکی کمیشن نے امریکی صدر بش کو درخواست کی ہے کہ وزیر اعظم شوکت عزیز سے ملاقات کے دوران پاکستان میں مذہبی آزادیوں کی سنگین خلاف ورزیوں کا مسئلہ اٹھائیں۔ پاکستان میں نافذ العمل قانون توہین رسالت غلط ہے۔ احمدیوں کو قانونی حیثیت حاصل نہیں ہے۔

اخبار لکھتا ہے۔

واشنگٹن (اے ایف پی) پاکستان کو امریکی بلیک لسٹ ممالک میں شامل کرنے

کی وکالت کرنے والے امریکی کانگریس کے ایک مشن نے صدر بش سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ وزیراعظم شوکت عزیز سے ملاقات کے دوران پاکستان میں مذہبی آزادیوں کی سنگین خلاف ورزیوں کا مسئلہ اٹھائیں، بین الاقوامی مذہبی آزادی امریکی کمیشن کے چیئرمین مائیکل کرومارٹی نے ایک خط میں کہا ہے کہ صدر بش شوکت عزیز پر زور دیں کہ پاکستان میں تمام شہریوں کو مذہبی آزادی فراہم کرنے کے لئے مربوط اور سنجیدہ کوششیں کی جائیں، واضح رہے صدر بش اور امریکی کانگریس کی طرف سے مشترکہ طور پر نامزد کردہ اس کمیشن کے ارکان محکمہ خارجہ کو کئی بار پاکستان کو بلیک لسٹ میں شامل کرنے پر زور دیتے رہے۔ تاہم انھیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ اپنے خط میں کمیشن نے الزام عائد کیا ہے کہ پاکستان میں سنی انتہا پسندوں کی طرف سے شیعہ مسلمانوں، احمدیوں، ہندوؤں اور عیسائیوں کے خلاف فرقہ وارانہ اور مذہبی دہشت گردی کی جارہی ہے۔ امتیازی قانون سازی سے مذہبی برداشت ختم اور اقلیتی مذاہب کے لوگوں خاص طور پر احمدیوں کی سماجی اور قانونی حیثیت کو ختم کیا جارہا ہے۔ کمیشن نے کہا کہ خدائی دعویداری، کفر، توہین رسالت کا الزام بھی ایک سنگین مسئلہ بنا ہوا ہے۔ یہ الزامات اکثر غلط ہوتے ہیں اور نتیجہ طویل حراست کی صورت میں نکلتا ہے۔ پاکستان میں انسانی حقوق کی صورت حال کی بہتری امریکہ کے مفاد میں ہے۔ لہٰذا باہمی مذاکرات کے ایجنڈے میں اسے نمایاں رکھا جائے۔ صدر جنرل پرویز مشرف کا موقف ہے کہ ان کی جدید روشن خیال پالیسی مذہبی برداشت کی حامی ہے۔ (بحوالہ۔ روزنامہ ایکسپریس 22 جنوری 2006ء)

توہین رسالت کا قانون، قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کا قانون مغرب کے

ہاں امتیازی قانون سازی اور مذہبی آزادی سے متصادم قوانین ہیں، اس لئے پاکستان ان امتیازی اور ظالمانہ قوانین کو ختم کر کے خدائی دعویدازی، رسالت دعویداری، کفر وارتداد، گستاخی پیغمبر اور توہین رسالت کو جائز قرار دے کر عوام کو مذہبی پابندیوں سے آزاد کرائے۔ ورنہ امریکی بلیک لسٹ میں شامل ہونے کے لیے پاکستان تیار ہو جائے۔

مذہبی پابندیوں کے حوالہ سے امریکہ اور مغرب کا فراخدلانہ نظریہ اس لئے بنا ہے کہ مغرب خود اٹھارھویں صدی عیسوی میں برپا صنعتی انقلاب کے سبب مادیت (Materialism) کا دلدادہ اور مذہب سے باغی ہو چکا ہے۔اس لئے اب مغرب ہر اس عمل کا حامی اور محافظ ہے جس کا کہ مذہب خلاف ہے اور ہر اس عمل کا مخالف ہے جس کا کہ مذہب حامی ہے۔اس لئے ان کی اس ذہنی سوچ کے مطابق:

1...... ارتداد اور مذہب سے بغاوت حوصلہ افزا اقدام ہے، جبکہ مذہب پرستی ڈھکوسلہ ہے۔

2...... بے لباسی اور عریانیت کا دوسرا نام آزادی ہے، جب کہ برقعہ اور پورا جامہ ستر عورت پر بے جا پابندی ہے۔

3...... اسلام کے مرتد اور سرتا پا ننگے لوگ عصر حاضر کے ہیرو، جب کہ کٹر مذہبی اور حیادار لوگ انتہا پسند ہیں۔

4...... بے حیائی جدت پسندی ہے اور حیا وعفت قدامت پسندی ہے۔

5...... فلم اسٹوڈیو، سینمائیں اور بے حیائی کے ادارے جدت کے سبز وشاداب جزیرے ہیں جب کہ مدارس اور مساجد دہشت گردی کے اڈے ہیں۔

6......شراب روح کی غذا اور تقریبات کی زینت ہے۔ جبکہ چرس اور ہیروئن انسانیت کے لیے مہلک اور نا قابل معافی جرم ہے حالانکہ نشہ دونوں میں ہے۔

7......اسلام کا کوئی حکم اس وقت تک قابل حوصلہ افزا ہے جب تک وہ مغرب وامریکہ کے مفاد میں ہو ورنہ وہ سراسر انتہا پسندی ہے۔ جیسا کہ جہاد افغانستان، جب تک یہ روس کے خلاف اور امریکہ کے مفاد میں تھا، جہاد تھا اور لڑنے والے مجاہد تھے۔ اب جب کہ امریکہ کے خلاف ہے تو جہاد نہیں دہشت گردی ہے اور لڑنے والے دہشت گرد ہیں۔

8......زنا بالرضا میں فطرت کی تسکین ہے، لواطت انسان کا جائز فعل ہے، سور انسانی غذا ہے، کتے کو انسانوں سے زیادہ عزت دینا ترقی پسندی ہے۔

9......حدود ظالمانہ سزائیں ہیں۔ جب کہ عراق، فلسطین، افغانستان میں مسلمانوں کا قتل عام منصفانہ اقدامات ہیں۔

مذہبی حوالہ سے مغرب انسان کی بے لگام آزادی کا قائل ہے۔ مغرب کی نظر میں آزاد انسان وہ ہے جو مذہب اور بانیان مذہب کو گالیاں دے، ان پر باغیانہ تنقیدیں کرے۔ علی الاعلان مذہب کا جنازہ نکالے۔ خود مذہب سے بغاوت کر کے دوسروں کو بغاوت پر آمادہ کرے۔ اور جیسا کہ شروع میں عرض کیا جا چکا ہے کہ مادی ترقیوں کے متوالے اور مادہ پرست ہونے کے سبب حب الوطنی (Petriotic) کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں بلکہ عوام کا بنیادی فرض سمجھتے ہیں۔ جبکہ مملکت کے خلاف بغاوت اور جنگ اور ارباب اقتدار سے غدر کو انتہائی قابل تعزیر جرم سمجھتے ہیں، جس کی سزا سزائے موت، عمر قید بمعہ جرمانہ مقرر کی گئی ہے۔

مذہب سے بغاوت اور اس کے خلاف جنگ اور بانیان مذہب سے غدر کو جائز اور فطری آزادی پر مبنی عمل کہتے ہیں جبکہ مملکت کے خلاف بغاوت اور ارباب اقتدار سے غدر کو جرم مستوجب قتل بتاتے ہیں۔

مملکت کے خلاف بغاوت اور جنگ کے بارے میں قانون اس طرح وضاحت کرتا ہے۔

Whoever wages war against Pakistan or attempts to wage such war, abets the waging of such war, shall be punished with death or imprisonment for life, shall also be liable to fine.

(P.P.C, page No - 1860.)

ترجمہ: ''جو کوئی پاکستانی حکومت (تقسیم ہند کے بعد پاکستان لکھ دیا گیا) کے خلاف جنگ کرے، یا ایسی جنگ کرنے کا اقدام کرے۔ یا ایسی جنگ کرنے میں اعانت کرے، تو اسے موت یا عمر قید کی سزا دی جائیگی اور وہ جرمانہ کا بھی مستوجب ہوگا۔''

مذہب اور مملکت کے بارے میں مغرب کے دو متضاد نظریئے کہ مذہب کے بارے میں بے لگام آزادی اور مذہب دشمنی کی حوصلہ افزائی۔ جب کہ مملکت کے بارے میں غیر معمولی پابندی اور مملکت کے خلاف بغاوت کی حوصلہ شکنی نے مغربی آقاؤں کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ ان لوگوں کو اپنا ہمنوا رکھیں جو ان نظریات کی پاسداری رکھتے ہوں۔ اور ان لوگوں کو وحشی، قدامت پسند، بنیاد پرست، جنونی اور انتہا پسند قرار دیں جو ان نظریات کی پاسداری نہ رکھتے ہوں۔ مثلاً مملکت کے ساتھ ساتھ مذہب سے بھی عقیدت رکھتے ہوں اور جیسے مملکت کے خلاف بغاوت کو مستوجب قتل جرم سمجھتے ہوں۔ ایسے ہی مذہب سے بغاوت کو بھی مستوجب قتل جرم سمجھتے ہوں۔

مغرب کا یہ نظریاتی فلسفہ اٹھارہ صدی عیسوی میں اٹھنے والے صنعتی انقلاب کے

بعد سے آج تک جوں کا توں قائم ہے۔ اسی لئے امریکی کمیشن نے پرزور انداز میں صدر بش سے درخواست کی کہ وہ پاکستان پر زور دے کہ وہ مذہب سے بغاوت اور پیغمبر اسلام کی اہانت کو جرم کہنے کا فلسفہ ترک کردے اور اس کو جرم کہنے اور اس کے ارتکاب پر سزا لاگو کرنے کا قانون منسوخ (Repealed) کردے، ورنہ بصورت دیگر پاکستان امریکہ کی بلیک لسٹ میں شامل ہونے کے لیے تیار ہو جائے۔

انگریز کا ہندوستان پر طویل اقتدار اور مسلمانوں کی انگریزی نظام تعلیم کے ذریعہ غلامانہ تربیت کے سبب پاکستان میں ایک ایسا طبقہ فکر پیدا ہوا جس کے دل میں انگریز کی دہشت اور جس کی رگوں میں انگریز غلامی کا خون ہے۔ انگریز کے رعب و دبدبہ سے دق اس طبقہ نے انگریز سے نظریاتی نبرد آزمائی میں معارضانہ اقدام یا دفاعی جنگ کی بجائے مصالحانہ عمل کو اختیار کیا اور اسلام کے ہر اس حکم کا انکار کیا۔ جسکے انگریزی نظریات اور مغربی روایات سے ہم آہنگ معنے نہیں نکل سکتے تھے اور جس حکم کی کوئی نہ کوئی تاویل ہو سکتی تھی۔ اس کی غلط تشریح کر کے مغربی آقاؤں کو باور کرایا کہ اسلام تمہارے نظریات سے متصادم نہیں بلکہ ترجمان ہے۔

مسئلہ ارتداد میں بھی ان لوگوں نے ایسی ہی روش اختیار کی ہوئی ہے۔ ان لوگوں نے مغربی آقاؤں کے عتاب سے اسلام کو بچانے کے لیے مرتد کی سزائے قتل کا انکار کیا، جرم ارتداد کی سزائے قتل کو مملکت کے خلاف بغاوت پر منطبق کیا کہ اسلام میں ارتداد کی کوئی سزا نہیں ہے۔ اور کتابوں میں جس سزائے قتل کا ذکر آیا ہے، وہ دراصل باغی کے بارے میں ہے۔

آیئے لیتے ہیں اس طبقہ خیال کے دلائل۔

یہ لوگ اپنے موقف کی تائید میں قرآن پاک کی اس آیت کو پیش کرتے ہیں:

1......لا اکراہ فی الدین :۔(البقرہ آیت256)

''دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے''

یعنی اسلام کے حوالہ سے لوگ آزاد ہیں، جس کی مرضی ہو۔ دین پر رہے، اور جس کی مرضی ہو دین سے مرتد ہو جائے۔اگر ارتداد جرم مستوجب قتل قرار پائے گا۔تو دین میں جبر لازم آئے گا۔ جو درج بالا آیت کی روح کے خلاف ہے۔

لہٰذا..........جس طرح لوگ اسلام قبول کرنے میں آزاد ہیں۔ اسی طرح اسلام سے بغاوت کرنے اور مرتد ہونے میں بھی آزاد ہیں۔اور جس طرح دین کی حمایت میں آزاد ہیں، اسی طرح دین سے عداوت رکھنے اور اسلام کے خلاف پراپیگنڈہ کرنے میں بھی آزاد ہیں۔

2......اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ومن یرتدد منکم عن دینہ. فیمت وھو کافر فاولٰئک حبطت اعمالھم فی الدنیا والاخرۃ واولئک اصحاب النار ھم فیھا خالدون۔(سورۃ البقرۃ۔218)

ترجمہ: ''تم میں سے جو شخص دین اسلام سے مرتد ہو جائے۔ اور اس کفر کی حالت میں اس کو موت آجائے۔تو اسکے دنیاو آخرت کے اعمال برباد ہو گئے۔ وہ جہنمی ہے، اور اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا''۔

آیت بالا کے مطابق ارتداد اور دین سے بغاوت کے جرم ہونے کا تعلق آخرت

سے ہے، دنیا سے نہیں، کیونکہ درج بالا آیت میں اسکے جرم ہونے کا تعلق آخرت سے جوڑا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے۔ کہ اس جرم کی زبردست سزا آخرت میں ملے گی۔

لہٰذا......

یہ جرم اخروی ہے۔ جس کا تعلق اللہ سے ہے، انسانوں کے قانون سے نہیں ہے، اب ہم دنیا میں اس کو جرم قرار دے کر اس کی سنگین سزا مقرر کریں گے۔ تو یہ قانون مسلمانوں کا خود ساختہ اور درج بالا آیت کے خلاف ہوگا، یعنی ارتداد کی سزائے قتل قرآن سے متصادم سزا ہے۔ اسی بنیاد پر اس طبقہ خیال کے لوگ مملکت کے قانون کو اسلامی قانون کے اثر سے آزاد رکھنے کا نظریہ رکھتے ہیں، کیونکہ قانون جرم کے تدارک اور سزا کے تعین کے لیے ہوتا ہے۔ جبکہ اسلام کا تعلق آخرت سے ہے دنیا سے نہیں ہے۔ اس لئے اسلام کے تحفظ کے لیے اس کو قانون کی سرپرستی میں دینے کے معنی یہ ہوں گے کہ اسلام اور احکام اسلام پر ہم لوگوں کو مجبور کر رہے ہیں جبکہ یہ آیات بالا کی روح کے خلاف ہے۔

اسی طبقہ خیال کی ایک حامی توہین رسالت کے قانون پر تبصرہ کرتی ہے۔

''محترمہ بے نظیر بھٹو نے کہا کہ ملک کی بارہ کروڑ عوام ناموس رسالت کی حفاظت خود کر سکتے ہیں حکومت ناموس رسالت کے سلسلہ میں سزائے موت کا قانون پارلیمنٹ میں پیش کر کے ملک کو بنیاد پرستوں کی ریاست بنانے کی سازش کر رہی ہے۔ جو کہ بنیادی طور پر قائداعظم کے نظریات کے خلاف ہے اور عوام کے بنیادی حقوق سلب کرنے کے مترادف ہے، اور اسلام کے بدنام کرنے کی کوشش ہے انھوں نے کہا کہ گواہوں اور شہادتوں کی بنیاد پر شان رسالت میں گستاخی کرنے والے کو سزا

دینا اس لئے معنی نہیں رکھتا کہ ہمارے ملک میں ارکان پارلیمنٹ کو خرید لیا جاتا ہے۔ اس صورت میں کرایہ کے گواہوں کی موجودگی میں انصاف کی توقع نہیں رکھی جا سکتی ہے۔" (روزنامہ جنگ 10 راگست 1992)

اخبار آگے لکھتا ہے۔

"پارلیمنٹ میں بحث کے دوران سید نوید قمر نے کہا کہ ہم رسول ﷺ کی عزت و تکریم میں کسی سے پیچھے نہیں، لیکن ہم مذہبی انتہا پسندی کے خلاف ہیں، چودھری الطاف حسین نے کہا کہ رسول ﷺ کی زندگی میں صرف چار یا پانچ شاتم رسول قتل کیے گئے تھے، اس لئے شاتم رسول کو سزائے موت دینے کا اختیار ریاست کو نہیں ملنا چاہیے"۔ (روزنامہ جنگ کراچی 7 راگست 1992ء)

لیکن..........

1 ......اس مکتب فکر کی خدمت میں درخواست یہ ہے کہ کلام کا مفہوم جاننے کے لیے صرف الفاظ کے ظاہر کا سہارا کافی نہیں ہوتا ہے، بلکہ کلام کے سیاق و سباق، اس وقت کے حالات اور شان ورود کو بھی ملحوظ رکھنا پڑتا ہے، اگر صرف الفاظ کے ظاہر کو لے کر آیت کے مفہوم کی وضاحت کریں گے۔ تو کلام کی بالکل غلط تشریح ہو سکتی ہے۔ مثلاً قرآن پاک کی آیت ہے:

لیس علی الذین امنوا وعملوا الصالحات جناح فیما طعموا اذا ما اتقوا وامنوا وعملوا الصالحات ثم اتقوا وامنوا ثم اتقوا واحسنوا واللہ یحب المحسنین۔ (سورۃ المائدہ آیت 93)

ترجمہ: "جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے، ان پر گناہ نہیں ہے اس میں جو

کچھ پہلے کھا چکے ہیں، جب کہ آئندہ کو ڈر گئے اور ایمان لائے اور نیک اعمال کیے پھر ڈرتے رہے اور یقین کیا، پھر ڈرتے رہے، اور نیکی کی اور اللہ دوست رکھتا ہے نیکی کرنے والوں کو"۔

آیت بالا کا ظاہری مفہوم تو یہ ہے کہ ایمان اور اعمال صالحہ کے ہوتے ہوئے کسی بھی چیز کے کھانے میں حتیٰ کہ شراب پینے اور سور کا گوشت کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

جس کا مطلب یہی ہوا کہ مومن کے لیے حرام کھانے استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، حالانکہ کوئی بھی مفسر آیت بالا کی اس تشریح کا قائل نہیں ہے، بلکہ آیت بالا کی تشریح اس کے شان نزول کے اعتبار سے کرتے ہیں۔

اور آیت کا شان نزول یہ ہے کہ مسند احمد میں بروایت ابو ہریرہؓ منقول ہے کہ جب شراب اور جوے کی حرمت نازل ہوئی۔ تو بعض صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ بہت سے آدمی جو کہ شراب پیتے تھے اور جوے کا مال کھاتے تھے، اور تھے مومن، اور اب ان کا انتقال ہوگیا ہے۔ تو کیا شراب نوشی اور جوے کی حرام کمائی کا گناہ لے کر وہ دنیا سے چلے گئے ہیں؟

اس پر آیت بالا نازل ہوئی کہ شراب اور جوئے کی تحریم سے پہلے اگر کسی نیکوکار مومن کا انتقال ہوگیا ہو۔ تو شراب نوشی اور جوے کی کمائی کا گناہ انھیں اس لئے لاحق نہ ہوگا، کہ ان کا سرزد شدہ عمل تحریم سے قبل تھا، جو کہ ظاہر ہے حلال تھا۔

اب شان نزول کی روشنی میں آیت (لا اکراہ فی الدین) کی تشریح یہ ہوئی کہ ایمان اور نیک عمل کے ساتھ جن مومنوں کا انتقال ہوگیا ہو۔ اور وہ اپنی زندگی میں ایسے عمل کے مرتکب رہے ہوں جس کی حرمت ان کے انتقال کے بعد نازل ہوئی ہو۔

تو ایسی صورت میں اس ارتکاب عمل سے انھیں کوئی گناہ نہ ہوگا۔ کیونکہ اس وقت وہ جائز تھا، حرام نہ تھا۔ جب کہ حرمت کا حکم اب نازل ہوا ہے۔ لہٰذا نفاذ (Enforcement) نزول کی تاریخ سے ہوگا اور کسی صورت ماضی کو شامل نہ ہوگا۔

2......صحابہ کے زمانہ میں بعضے لوگوں نے آیت بالا کو اپنے ظاہر پر رکھ کر شراب نوشی کی حلت پر استدلال کرتے ہوئے شراب نوشی کے مرتکب ہوئے۔ تو ان کی اس تشریح کو۔ ''تاویل فاسد۔'''' قرار دے کر ان کے حد جاری کی گئی۔

(دیکھئے مصنف عبدالرزاق ج9 صفحہ 242، صفحہ 244، مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ۔)

بہر حال درج بالا حوالہ سے ثابت ہوا کہ قرآن یا حدیث کے محض الفاظ کے ظاہری معنی کو لے کر مفہوم اخذ کرنا تاویل فاسد اور نا قابل اعتبار مفہوم قرار پایا ہے۔ بلکہ آیت کی تشریح میں ظاہری الفاظ کے ساتھ ساتھ سیاق و سباق، اس وقت کے حالات اور شان نزول بھی انتہائی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔

اس لئے......

1......اس طبقہ خیال کے پہلے استدلال۔ لا اکراہ فی الدین۔ کو سیاق و سباق (Context) کے تناظر میں دیکھتے ہیں۔

اس آیت کے سیاق و سباق سے پتہ چلتا ہے کہ ''دین میں جبر نہیں ہے۔'' سے مراد یہ ہے کہ کافر کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جائیگا۔ کیونکہ اس کے بعد آیا ہے۔''

فمن یکفر بالطاعوت ویومن باللہ فقد استمسک بالعروۃ

الوثقی (البقرہ آیت 256)

ترجمہ: ''اب جو کوئی نہ مانے گمراہ کرنے والوں کو اور ایمان لائے اللہ پر پس حقیقت میں اس نے مضبوط رسی تھام لی ہے۔ جس کے لئے کسی صورت ٹوٹنا نہیں ہے۔''

اس میں یہ ذکر ہے کہ اپنے اختیار سے ایک کافر جب سرکشوں کے دام سے نکل کر ایمان کی راہ کو لے لیتا ہے، تو درحقیقت قبول اسلام سے اس نے ایک ایسی مضبوط رسی کو تھام لیا ہے۔ جسکا ٹوٹنا ناقابل تصور ہے۔

تو آیت یہ واضح کرتی ہے کہ ایک کافر جو بغیر کسی جبر و اکراہ کے خالص اپنی مرضی سے دین کے راستہ کو لے لیتا ہے، تو وہ ایک مضبوط رسی کو تھام لیتا ہے۔

لیکن اگر اس آیت کو مرتد پر منطبق کریں، جیسا کہ الفاظ کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے۔ تو مفہوم ہوگا کہ ''ایک مسلمان جب اپنے اختیار سے سرکشی کی دعوت دینے والے مذہب سے نکل کر اللہ پر ایمان لے آتا ہے۔ تو درحقیقت اس ارتداد سے اس نے ایک مضبوط رسی کو تھام لیا ہے''۔

آپ ہی فیصلہ فرمائیں کہ درج بالا دور از کار مفہوم قرآن کی روح کے کتنا خلاف ہے۔ اس لئے ''تاویل فاسد'' کرنے کی بجائے اس آیت کو سیاق و سباق کے تناظر میں ''کافر اصلی کے قبول اسلام'' کے محمل میں ہی رکھنا ہوگا۔

2...... جیسا کہ عرض کیا گیا کہ آیت کا مفہوم سمجھنے کے لئے آیت کے الفاظ کے ساتھ ساتھ اس کے شان نزول کو ملحوظ نظر رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ اس لئے اب آتے ہیں اس آیت کے شان نزول کی طرف۔

اس آیت کے شان نزول کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ

یہ آیت انصار کے بارے میں نازل ہوئی تھی، زمانہ جاہلیت میں ہوتا یہ تھا کہ جب کسی عورت کے بچے زندہ نہیں رہتے تھے، بلکہ ولادت کے بعد انتقال کر جاتے تھے تو وہ منت مانتی تھی کہ اگر اس کا بچہ زندہ رہا، تو وہ اس کو یہودی بنائے گی اور اس طرح وہ لوگ اپنی اولاد کو مدینے کے یہود قبائل کے حوالے کر لیتے تھے، اس طرح یہود کے پاس انصار کی ایک بڑی تعداد جمع ہوئی۔

اسلام کے ظہور کے بعد جب مسلمانوں اور یہودیوں کے قبیلے بنونظیر میں جنگ چھڑی اور انجام کار قبیلہ بنونظیر کو خیبر جلاوطن ہونا پڑا۔ تو ان جلاوطن ہونے والوں میں انصاری مسلمانوں کی اولاد بھی تھی جو اپنے یہودی آقاؤں کے ساتھ ملک بدر ہو رہی تھی، جس کا انصاری مسلمانوں کو بڑا ملال تھا، ان لوگوں نے کہا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہماری اولاد دائمی کفر کے نرغے میں جائے، ہم انہیں زبردستی مسلمان کرینگے۔

اس پر درج بالا آیت نازل ہوئی کہ اپنی یہودی اولاد کو اسلام پر مجبور نہ کرو، کیونکہ اسلام کے قبول کرنے میں کسی پر کوئی جبر نہیں ہے بلکہ اپنے اختیار سے چاہے اسلام قبول کرے چاہے کفر پر رہے۔ (دیکھئے تفسیر قرطبی جلد 3 صفحہ 280)

3...... مفسرین کا اس بات پر اجماع ہے کہ درج بالا آیت اپنے عموم پر نہیں ہے۔ بلکہ یہ آیت "عام خُصَّ عنه البعض" کے قبیل سے ہے۔ کیونکہ جزیرہ عرب کے بت پرست اور آتش پرست درج بالا آیت کے عموم سے مستثنیٰ ہیں۔ کیونکہ ان کے لئے دو راستے رکھے گئے تھے اسلام یا تلوار کی دھار، اب اگر آیت اپنے عموم پر رہے، تو جزیرہ عرب کے کافروں کو اسلام پر مجبور کرنا صحیح نہ ہونا چاہیے۔ اس لئے باجماع مفسرین آیت بالا عام نہیں بلکہ "عام خص عنه البعض" کے قبیل سے

ہے۔اور عام خص عنہ البعض کے اعتبار سے اس کا حکم یہ ہوگا کہ جب جزیرہ عرب کے کافروں سے اس کی عمومیت میں تخصیص کی گئی تو اسی طرح مرتدین کے حکم کی بھی احادیث صحیحہ کے ذریعہ تخصیص کی جائے گی۔

خلاصہ یہ ہوا کہ باجماع مفسرین درج بالا آیت جس طرح جزیرہ عرب کے بت پرستوں کو شامل نہیں ہے۔اسی طرح مرتدین کو بھی شامل نہیں ہے۔بلکہ باجماع امت ان دونوں کے لئے اسلام کا فیصلہ بہ جبر اسلام یا تختۂ دار ہے۔

اب آتے ہیں ان احادیث کی طرف جن میں ارتداد کے جرم کی سزا صرف قتل بتائی گئی ہے، تمام امت کا اتفاق ہے، کہ یہ سزا تعزیری نہیں بلکہ حد ہے۔اس لئے مرتد کی سزا ناقابل ترمیم اور ناقابل تنسیخ ہے۔

ذیل میں احادیث ملاحظہ فرمائیں:

1......**من بدّل دینه فاقتلوه**. (البخاری، باب حکم المرتد صفحہ 6922)

ترجمہ: جو مسلمان اپنے دین سے مرتد ہو جائے، اس کو قتل کرو۔

2......**عن زید بن اسلم: أن رسول الله ﷺ قال "من غیّر دینه فاضربوا عنقه.** (مؤطا امام مالک)

ترجمہ: رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو مسلمان اپنا دین بدلے، اسکی گردن اڑا دو۔

3......امام بخاریؒ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ''بخاری'' میں واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت معاذؓ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے پاس تشریف لائے تو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ

نے کہا تشریف لائیں اور ان کے لئے تکیہ لگایا، گھوڑے سے اترنے سے پہلے حضرت معاذؓ نے پوچھا تمہارے پاس یہ شخص کیوں بندھا ہوا ہے، بتایا گیا یہ شخص پہلے یہودی تھا۔ پھر مسلمان ہوا، اور اب دوبارہ مرتد ہو کر یہودی بن گیا ہے۔ اس پر حضرت معاذؓ نے کہا، میں اس وقت تک اپنے گھوڑے سے نہیں اتروں گا جب تک اس مجرم پر اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ نافذ نہ کیا جائے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے کہا آپ بیٹھ تو جائیں۔ حضرت معاذؓ نے اپنا وہی جواب دہرایا اور تین دفعہ تک یہی تکرار رہا۔

اس پر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے حکم دیا تو اس مرتد کا سر قلم کر دیا گیا۔ (البخاری، کتاب استتابۃ المرتدین)

4......عن جریرؓ قال سمعت النبی ﷺ یقول: اذا أبق العبد إلی الشرک فقد حل دمه. (بوداؤد، کتاب الحدود صفحہ 436)

ترجمہ: ''حضرت جریر کہتے ہیں کہ میں نے خود اللہ کے رسول کو یہ کہتا ہوا سنا ہے کہ جب مسلمان بندہ شرک کی طرف فرار اختیار کر لے تو اس کا خون کرنا حلال ہو گیا''۔

5......حضرت عثمان بن عفانؓ سے روایت ہے انہوں نے خارجیوں کو قسم دیکر کہا، تمہیں پتہ ہے؟ اللہ کے رسول نے فرمایا ہے، کسی مسلمان کا خون تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت میں کرنا جائز ہوتا ہے (1) محصن ہو اور زنا کرے تو رجم ہے (2) اسلام سے مرتد ہو جائے، تو قتل ہے (3) کسی کا ناحق خون کرے، تو قصاص ہے۔

پھر کہنے لگے، خدا کی قسم! نہ میں نے جاہلیت کے زمانہ میں اور نہ زمانہ

اسلام میں زنا کا ارتکاب کیا ہے اور جب سے اللہ کے رسول کے ہاتھ اسلام پر بیعت کیا ہے اس کے بعد کبھی مرتد نہیں ہوا ہوں اور نہ ہی میں نے کسی کا ناحق خون کیا ہے۔ (ابوداؤد صفحہ 4502، ترمذی صفحہ 2159)

6...... عن معاویہ بن حیدہؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ: من بدّل دینه فاقتلوه. (مجمع الزوائد جلد 2 صفحہ 261)

ترجمہ: معاویہ بن حیدہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول نے فرمایا: جو مسلمان اپنا دین بدل دے، اس کو قتل کر ڈالو۔

7...... عن عبدالرحمن بن ثوبانؓ انّ رسول اللہ ﷺ قال فی خطبته: إن هٰذه القرية (المدينة) لايصلح فيها قبلتان، فأيمانصرانیّ اسلم، ثمّ تنصّر فاضربوا عنقه. (طبرانی ومجمع الزوائد جلد 2 صفحہ 261)

ترجمہ: ''عبدالرحمٰن بن ثوبان سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول نے اپنے خطبہ میں فرمایا: مدینہ میں دو مذہب نہیں چل سکتے۔ لہٰذا جو نصرانی مسلمان ہونے کے بعد پھر سے نصرانی ہو جائے تو اس کی گردن اڑا دو۔''

8...... عبداللہ بن سعد بن ابی سرح جو مکہ سے مدینہ ہجرت کر کے مسلمان ہو گیا تھا اور رسول ﷺ نے اسے اپنا کاتب وحی مقرر کیا تھا۔ شیطان کے بہکاوے میں آ کر مرتد ہو گیا اور دوبارہ مشرکین مکہ سے مل گیا۔ فتح مکہ کے روز جن خطرناک کافروں کے قتل کا اعلان رسول ﷺ نے فرمایا تھا ان میں یہ بھی تھا۔

فتح مکہ کے روز حضرت عثمانؓ بن عفان کے ہاں روپوش ہو گیا۔ حضرت عثمانؓ نے اس کے دینی مفاد کی خاطر اس کو پناہ دی۔ معاملہ ٹھنڈا پڑنے کے بعد حضرت عثمانؓ

اس کو اللہ کے رسول کے پاس لیکر آ ئے۔ اور درخواست کی۔ اللہ کے رسول! عبداللہ بیعت کے لئے حاضر ہے۔ چونکہ یہ مرتد ہو گیا تھا اس لئے اللہ کے رسول نے دیکھ کر اپنی نگاہ نیچے کی پھر حضرت عثمان نے درخواست کی، پھر آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا، اور اس طرح تین بار ہوا پھر آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک اس کی طرف بڑھایا اور بیعت لے لی۔

ان کے جانے کے بعد اللہ کے رسول اپنے صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے، اور فرمانے لگے تم میں کوئی سمجھدار نہیں تھا جو میرے تین بار ہاتھ روکنے کو انکار سمجھ کر سابقہ اعلان کے بموجب اس کا سر قلم کر دیتا، صحابہ نے کہا۔ اللہ کے رسول! اگر ایسی بات تھی تو آپ آنکھ سے ہلکا سا اشارہ فرما دیتے۔ آپ ﷺ نے جواب ارشاد فرمایا! کسی نبی ﷺ کو ایسا کرنا زیب نہیں دیتا ہے۔ (ابوداؤد صفحہ 4358)

9...... فتح مکہ کے روز اللہ کے رسول ﷺ نے جن خطرناک کافروں کے قتل کا اعلان فرمایا تھا، ان میں قبیلہ بنو تمیم سے تعلق رکھنے والا عبداللہ بن خطل بھی تھا۔ یہ شخص دربار رسالت کو کئی جرائم میں مطلوب تھا۔ (1) جرم ارتداد (2) شان رسالت میں سب وشتم وہجو گوئی۔ جس کے لئے اس نے دو خوش الحان رقاصائیں رکھی ہوئی تھیں، جو رقص وسرور کی محفلوں میں شانِ رسالت میں سب وشتم اور ہجو گوئی کر کے دشمنان اسلام کے دلوں کو محظوظ کرتی تھیں (3) مدینہ میں رہائش کے دوران اس نے قبیلہ خزاعہ سے تعلق رکھنے والے ایک مسلمان کا خون کیا تھا۔

اس شخص کے قتل کے اعلان کی وجہ فقہائے امت نے جرم ارتداد کو قرار دیا ہے۔ کیونکہ دوسرا جرم شان رسالت میں گستاخانہ لہجہ۔ تو بقول حافظ ابن حجرؒ (فتح الباری

جلد 4 صفحہ 62) کے اس جرم کے پاداش میں اعلان قتل اس لئے نہیں تھا کہ شاتم رسول کے قتل کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسلامی ریاست کا مسلمان یا کافر شہری ہو، جبکہ ابن خطل حربی تھا۔

اور جبکہ تیسری وجہ...... جرم قتل...... اس لئے نہیں ہوسکتی ہے کیونکہ بقول علامہ ابن تیمیہؒ (الصارم المسلول صفحہ 136) کے قصاص حاکم وقت کے اختیار میں نہیں ہوتا ہے بلکہ مقتول کے اولیاء کا حق ہوتا ہے۔ اس لئے اگر قصاص وجہ ہوتی تو پھر چاہیے تو یہ تھا کہ ابن خطل کو مقتول کے اولیاء کے حوالے کردیتے۔ جن کی مرضی تھی قصاص لے لیں یا قاتل کو معاف کردیں، یا قاتل سے صلح کرکے مال پر راضی ہوجائیں۔

اس لئے بقول فقہاء و محققین کے ابن خطل کے اعلانِ قتل کی وجہ جرم ارتداد تھی۔ جس میں دیگر جرائم نے بھی سنگینی کا زہر گھول دیا تھا اس لئے غلاف کعبہ کا سہارہ لینے کے باوجود بغیر توبہ کا موقع دیئے دربار رسالت سے اس کے فوری قتل کے احکامات جاری ہوئے۔ (بخاری صفحہ 1846، فتح الباری جلد 4 صفحہ 62)

10 ...... حضرت علیؓ کی خدمت میں چند زندیقوں کو پیش کیا گیا، آپؓ نے ان کے جلانے کا حکم فرمایا۔ حضرت ابن عباسؓ کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی تو فرمانے لگے، اگر میں ہوتا تو میں جلانے کی بجائے صرف قتل کا حکم دیتا، کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے: جو شخص دین اسلام سے مرتد ہوجائے اس کو قتل کرڈالو۔ (مسند احمد صفحہ 282، ابوداؤد صفحہ 4351، ترمذی صفحہ 1458)

11 ...... حضرت محمد بن ابی بکرؓ نے حضرت علیؓ کو لکھا کہ چند مسائل کا حکم مطلوب ہے (1) دو مسلمان زندیق ہوگئے (2) ایک مسلمان شخص نے ایک نصرانی عورت

سے زنا کیا ہے۔

حضرت علیؓ نے جواب میں لکھا: جو دو مسلمان زندیق ہو گئے ہیں انہیں دوبارہ مسلمان ہونے کی دعوت دو، اگر مسلمان ہو جاتے ہیں تو بہتر ہے ورنہ ان کی گردنیں اڑا دو۔ (اعلاء السنن جلد 11 صفحہ 554)

12...... حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں صوبہ شام کے کچھ لوگ شراب نوشی کے مرتکب ہوئے۔ شام کے گورنر یزید بن ابی سفیان کی خدمت میں جب یہ لوگ پیش ہوئے تو کہنے لگے ہم نے کسی جرم کا ارتکاب نہیں کیا ہے کیونکہ نیکوکار مسلمانوں کے لئے شراب حلال ہے۔ اور درج ذیل آیت سے استدلال کیا:

لیس علی الذین امنوا وعملوا الصالحات جناح فیما طعموا اذا ما اتقوا وامنوا وعملوا الصالحات ثم اتقوا وامنوا ثم اتقوا واحسنوا واللہ یحب المحسنین. (سورۃ المائدہ آیت 93)

ترجمہ: ''جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے، ان پر گناہ نہیں ہے اس میں جو وہ پہلے کھا چکے، جبکہ آئندہ کو تقویٰ اختیار کیا اور ایمان لائے اور نیک اعمال کیے، پھر تقویٰ اختیار کیا۔ اور ایمان لائے، پھر تقویٰ اختیار کیا اور نیکی کی، اور اللہ نیک لوگوں کو دوست رکھتا ہے۔''

شام کے گورنر نے اس واقعہ کی خبر دربار خلافت میں کی، اس پر حضرت عمرؓ نے ان لوگوں کو مدینہ منورہ طلب کیا جب یہ لوگ آ گئے تو ان کے بارے میں آپؓ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ طلب کیا کہ شریعت کی روشنی میں ان کے لئے کیا سزا مناسب ہے۔

سارے صحابہؓ نے حضرت عمرؓ کو ان کے قتل کرنے کا مشورہ دیا۔ کیونکہ انہوں نے آیت میں تاویل فاسد (اوٹ پٹانگ تاویل) کر کے اللہ پر بہتان باندھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک نجس اور حرام چیز کو ان کے زعم میں مسلمان کے لئے حلال قرار دیا ہے۔ دوم یہ کہ شراب جو حرام ہے، اس کو حلال سمجھنے سے چونکہ یہ لوگ مرتد ہو چکے ہیں اس لئے ان کے خلاف جرم ارتداد کی سزائے قتل جاری کی جائے۔

حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ سے استفسار فرمایا، حضرت علیؓ نے فرمایا: مناسب یہ ہے کہ فوری قتل سے پہلے آپؓ انہیں دوبارہ اسلام میں آنے کی دعوت دیں۔ اگر مسلمان ہو جاتے ہیں تو پھر ان کے خلاف صرف شراب نوشی کی سزائے حد...... اسّی 80 کوڑے...... کا فیصلہ جاری فرما دیں۔ اور اگر اپنے فاسد نظریئے سے تائب نہیں ہوتے تو پھر ان کی گردنیں اڑا دیں کیونکہ یہ لوگ قرآن میں تاویل فاسد کے ذریعے اللہ پر بہتان باندھنے اور حرام کو حلال سمجھنے کے سبب مرتد ہو چکے ہیں۔

حضرت عمرؓ اس جواب سے مطمئن ہوئے اور ان لوگوں کو بلا کر ان سے تائب ہونے کو کہا، انہوں نے توبہ کی۔ حصرت عمرؓ نے فیصلہ کے مطابق انکے حد خمر اسّی کوڑے جاری فرمائی۔ (شرح معانی الآثار جلد 2 صفحہ 76)

مسلمانوں کا مغرب زدہ طبقہ جو اپنی انگریز غلامی کے سبب بالکل یہ نہیں چاہتے ہیں کہ اسلام یا اس کا کوئی حکم انگریز آقاؤں کے لئے ناقابل برداشت ہو۔ اس لئے وہ اس بات کا بیڑہ اٹھائے ہوئے ہیں کہ مغرب کے لئے اسلام کے قابل اعتراض احکام میں ایسی تاویلات یا ایسی تشریحات کی جائیں جن کی رو سے مغرب کے لئے

اسلام پر تنقید کا راستہ بند ہو جائے، چاہے وہ تاویلات اسلام کے وضع کردہ اصولوں کے انتہائی درجہ خلاف کیوں نہ ہوں۔

مرتد کی سزائے قتل کے بارے میں ذکر کردہ احادیث کے ساتھ ان لوگوں نے کچھ ایسا ہی معاملہ کیا ہے، چونکہ انگریز سرکار کے ہاں باغی کی سزائے موت منصفانہ اور مذہب کے باغی کی سزائے موت ظالمانہ ہے۔ اس لئے اسلام کا درج بالا حکم ان کے زعم میں ظالمانہ ٹھہرا۔ جس کو منصفانہ بنانے کے لئے انگریز کے خوشہ چینوں نے مرتد کی سزائے موت کے بارے میں ذکر شدہ احادیث صحیحہ کو ایسا توڑ مروڑ کر کے پیش کیا کہ انگریز کی نظر میں ان کا ظالمانہ اور غیر منصفانہ ہونے کا اعتراض ختم ہو جائے۔

اس بابت میں اس طبقہ خیال کا کہنا یہ ہے کہ اسلام میں آزادی ہے، زبردستی نہیں ہے اس لئے اسلام میں محض ارتداد یا مذہب سے بغاوت مستوجب قتل نہیں ہے لیکن اگر مسلمان اس ارتداد اور مذہبی بغاوت کے ساتھ ساتھ ملک وقوم سے بھی بغاوت کر بیٹھے اور مسلمانوں اور اسلامی ریاست کے خلاف جنگ مسلط کرنے کی ریشہ دوانیاں شروع کر دے، تو اس صورت میں اسلام اس کے خلاف سزائے موت کے اجراء کا حکم کرتا ہے ان لوگوں کے مطابق ذکر شدہ احادیث میں جس مرتد کی سزا ذکر کی گئی ہے اس سے مراد یہی شخص ہے یعنی مذہب سے بغاوت کے ساتھ ساتھ ملک وقوم سے بھی برسر پیکار ہو جائے۔

لیکن احادیث پر عالمانہ نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ پیش کردہ تشریح انتہائی درجہ کی بے ڈھنگی اور الفاظ ومعنی کے بالکل خلاف ہے۔

1...... کیونکہ جتنی احادیث مثلاً: من بدّل دينه فاقتلوه ۔ جو مسلمان اپنا دین

اسلام بدل دے، اسکو قتل کر ڈالو۔

اس میں آپ ہی ذرا انصاف فرمائیں! کیا اس حدیث میں دہشت گردی یا ملک وقوم کے خلاف جنگی بغاوت کا کوئی ادنیٰ سا اشارہ ملتا ہے؟ کیا اس میں قتل کا سبب صرف وصرف تبدیلی دینِ اسلام بیان نہیں کیا گیا ہے۔ پھر یہ بھی سوچیں کہ اتنی کڑی سزا کا حکم بیان کرنے کے لئے ارتداد کے ساتھ ساتھ ملک وقوم کے خلاف جنگ مسلط کرنا بھی اگر ضروری سبب ہوتا تو اللہ کے رسول ﷺ ضرور ذکر فرماتے۔

2...... دوم یہ دیکھیں قانون مجرم کے لئے وہ نام تجویز کرتا ہے جو اس کے جرم کو خود واضح کرے اور لفظ خود بتائے کہ وہی اس سزا کا اصل سبب ہے۔ مثلاً: قاتل، دہشت گرد، شرابی، زناکار، رشوت خور۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

السارق و السارقة فاقطعوا ایدیهما. (القرآن)

ترجمہ: چور مرد اور چور عورت (سزا کے طور پر) ان دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔

آیت بالا میں سزا .... ہاتھ کاٹنے...... کا ذکر ہے۔ جبکہ اس سزا کا سبب خود چور یعنی ''السارق و السارقة'' میں موجود ہے۔ چور کے نام کا لفظ واضح کرتا ہے کہ اس سزا کا سبب خود اس میں موجود ہے اور وہ ہے سرقہ یعنی چوری، تو جیسے اس آیت میں قطع ید کا سبب...... سرقہ...... متعین ہے۔ اسی طرح ''مرتد'' کا لفظ ''**من بدّل دینه**'' میں تبدیلی دین کا لفظ خود ظاہر کرتا ہے کہ سزائے قتل کا اصل سبب وہ اکیلا ہے، اگر دہشت گردی یا ملک کے خلاف جنگ کرنا سبب ہوتا تو پھر بیان سبب میں باغی، محارب، بغاوت اور حرب جیسے الفاظ ذکر ہونے چاہیے تھے۔

3...... گذشتہ صفحات میں ذکر کردہ احادیث اور صحابہ کے تعامل کے واقعات میں

مرتد کے قتل کا ایک ہی سبب ذکر کیا گیا ہے اور وہ ''ارتـــداد'' ہے۔ مثلاً: حضرت ابو موسیٰؓ اور حضرت معاذؓ کے واقعے میں دیکھیں، تو وہاں اسلام سے یہودیت کی طرف ......ارتـــداد...... کے علاوہ کوئی بھی سبب مذکور نہیں ہے۔ اسی طرح دلیل نمبر 8 میں حضرت عبدالرحمٰن بن ثوبان کی روایت دیکھیں، اس میں بھی سبب واحد...... اسلام سے نصرانیت کی طرف ارتداد...... ذکر کیا گیا ہے۔ اسی طرح باقی روایات میں بھی سبب واحد...... تغییر دین، تبدیلی دین، دین سے فرار، اسلام کے بعد کفر اختیار کرنا۔ زندیق بننا...... ذکر کیا گیا ہے ان میں کہیں بھی ارتداد کے ساتھ ساتھ ملک وقوم سے بغاوت کو سبب کے طور پر ذکر نہیں کیا گیا ہے اس لئے مرتد کی سزائے موت کے لئے محض ارتداد سبب کامل ہے۔

اس پر ان حضرات کا کہنا ہے کہ بغاوت کا ذکر ان مذکورہ احادیث میں نہ سہی یا یہ کہ مرتد کی سزائے موت کے لئے بعضے سبب کا بیان یعنی دینِ اسلام سے بغاوت مذکورہ احادیث میں کیا گیا ہے جبکہ کامل سبب کا بیان یعنی ارتداد کے ساتھ ساتھ ملک وقوم سے بغاوت بھی حدیث ذیل میں کیا گیا ہے۔

عن ابن مسعودؓ أن رسول اللهﷺ قال: لایحل دم امرءٍ مسلم. یشهدان لاإله الاالله وأنی رسول الله إلا أحدی ثلث: الثیّب الزانی، النفس بالنفس، والتارک لدینه المفارق للجماعة.

ترجمہ: ''ابن مسعودؓ سے روایت ہے، اللہ کے رسول نے فرمایا: کوئی ایسا مسلمان جو کلمہ شہادت پڑھتا ہو، اس کا خون کسی صورت حلال نہیں۔ مگر تین صورتوں میں سے کسی صورت میں (1) محصن مسلمان کا زنا (2) مسلمان کا ناحق خون کرنے کی

صورت میں قصاص ہے۔ (3) دین اسلام چھوڑنے والا اور مسلمانوں سے الگ ہونے والا۔''

حدیث بالا میں مرتد کی سزائے موت کے لئے دو جرموں کے اجتماع کو سبب کے طور پر بتایا گیا ہے ایک ارتداد جسکا ذکر...... **التارک لدینه** ...... سے کیا ہے، اور دوم ملک وقوم سے بغاوت کا ذکر..... **المفارق للجماعة** ...... سے کیا ہے۔ لہٰذا مرتد کی سزائے موت کے لئے ارتداد کے ساتھ ساتھ بغاوت کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اکیلے ارتداد سے کسی کو اسلامی قانون کے تحت سزائے موت نہیں دی جاسکتی ہے۔

لیکن اس استدلال کے اندر بھی کوئی وزن دکھائی نہیں دیتا ہے۔ کیونکہ ......تارک اور مفارق ......دو ہم معنی الفاظ ہیں کہا جاتا ہے: **فارقنی حبیبی**: میرے محبوب نے مجھے داغ فراق دیا، تو فراق اور ترک دو ہم معنی الفاظ ہونے کی وجہ سے ''**المفارق للجماعة**'' پہلے لفظ ''**التارک لدینه**'' کی تاکید تو بن سکتا ہے۔ مخالف معنی پر دلیل نہیں بن سکتا ہے۔

2۔ اگر بالفرض اس سے بغاوت کا معنی مقصود ہوتا تو پھر یوں کہا جاتا:

"**والتارک لدینه، المحاربُ للجماعة**"

''دین اسلام چھوڑنے والا اور مسلمانوں سے جنگ کرنے والا''

کیونکہ بغاوت اور فراق میں بڑا فرق ہے۔ جس کو ایک عام اردو دان بھی سمجھ سکتا ہے کہ فراق کے معنی محض جدائی کے آتے ہیں جبکہ بغاوت اور جنگ قوم وملک کے خلاف ایسی سرکشی کا نام ہے جس میں قوم سے قطع تعلق کے ساتھ ساتھ ان کے خلاف قوت وطاقت کا استعمال بھی ضروری ہوتا ہے، عربی میں اس معنی کی ادائیگی کے لئے

''**مفارقة**'' کا لفظ بالکل استعمال نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ...... بغی، حرابة، قتال، محاربة.......... جیسے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔

اس لئے...... المفارق للجماعة...... سے المحارب للجماعة مراد لینا ایسا ہے جیسے کوئی شخص اردو میں شراب سے شربت معنی مراد لے۔

سوال یہ ہے کہ اس طبقہ خیال کے لوگ علم و دانش رکھنے کے باوجود حقائق سے کوسوں دور تشریحات پر کیوں مجبور ہوتے ہیں انکے اس ذھنی جبر کے بارے میں مفتی اعظم پاکستان محمد شفیعؒ صاحب لکھتے ہیں:

''دوسرے کچھ وہ لوگ جو کچھ عربی جاننے کی بناء پر علماء کہلاتے ہیں، اور ان کی کوشش خواہ اپنے ذاتی خیال سے یا کسی طمع اور لالچ سے یہ رہتی ہے کہ اسلام کا ایک ایسا نیا ایڈیشن تیار کیا جائے جس سے مغربی تہذیب خفا نہ ہو۔ یا جس سے ان کے افسروں کی خوشنودی حاصل ہو خواہ اس کے لئے قرآن وسنت کی نصوص میں کتنی ہی کھینچ تان بلکہ چیر پھاڑ کرنا پڑے۔'' (جواھر الفقہ جلد 2 صفحہ 20)

آپ ہی سوچیں! اگر اسلامی احکام کی تشریحات اور اس کے قانونی حدود کے تعین میں قرآن وحدیث اور علماء امت کے اجماع سے رہنمائی لینے کی بجائے مغربی آشیر باد کو معیار بنادیا جائے جبکہ واقعہ یہ ہے کہ مغرب کی سراپا ننگی تہذیب بد سے بدتر ہوتی جارہی ہے اور اسلام کی پاکیزہ اقدار کے لئے ایک زبردست مزاحم کے طور پر دنیا میں عروج پا رہی ہے جبکہ اسلام دلیل کے میدان میں فتحیاب سہی لیکن مغربی طرز پر قائم معاشرہ میں وہ غیر مانوس اور نا قابل عمل دکھائی دیتا ہے تو بجائے اسلام کے لئے سازگار ماحول پیدا کرنے کے اگر مغربی طرز کے عریاں معاشرہ میں اسلام اور مغربی

اقدار کا تقابل کیا جائے گا تو یقیناً اسلامی علوم سے ناآشنا طبقہ اسلامی احکام کو قابل اعتراض دیکھے گا۔ جیسے مذہب دشمن معاشرہ میں مسئلہ ارتداد کو تقابلی نظر سے دیکھا گیا، تو اسلام کا حکم ظالمانہ نظر آیا تو ارتداد کی سزا ظالمانہ لگنے کے سبب مرتد کی سزا میں توڑ مروڑ کر کے اس کو مغربی افکار سے ہم آہنگ بنانے کی کوشش کی گئی۔ اب جبکہ موجودہ دور میں زنا کی اباحیت پر مغربی معاشرہ قائم ہے اور جنسی عمل کو انسان کی فطری ضرورت بتاتے ہیں اور اس عمل پر سزا کو ایسا ہی ظالمانہ سمجھتے ہیں، جیسے کسی کو اپنا کھانا کھانے پر سزا دینے کو ظالمانہ سمجھا جاتا ہے۔ تو بتائیں آج کے معاشرہ میں اسلام کو مغرب سے ہم آہنگ کیسے کیا جائے۔ زنا کی سزائے حد کا انکار کیا جائے؟ یا جرم زنا میں توڑ مروڑ کر کے اس کو زنا بالجبر (Rape) پر محمول کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی قید لگا دی جائے کہ اسلام کا حکم رجم اس وقت نافذ ہوتا ہے جبکہ مزنیہ کے ساتھ زنا بالجبر کے فعل کے ساتھ ساتھ اس کا بہیمانہ قتل بھی شامل ہو جائے تو بتائیں! یہ اسلام سے صریح غداری نہ ہوگی؟

یا فرض کریں! اگلے دور میں مغربی معاشرہ بہن بھائی کے درمیان رشتہ کرنے کی قانونی اجازت دیدے، اور مغربی روایات بھی اس قانون کو معاشرتی روایت کے طور پر قبول کر لیں اور اپنی بہن سے شادی نہ کرنا اس کی حق تلفی تصور کی جائے تو بتائیں اس وقت ہمارا کیا کردار ہوگا؟ بلکہ آج کے دور میں دیکھیں آج کی مغربی دنیا لواطت (Homo Sexuality) کو جرم نہیں سمجھتی ہے جبکہ اسلام اس کو زنا سے بھی بدتر جرم سمجھتا ہے اور اس کے لئے زنا سے زیادہ سنگین سزا مقرر کرنے کا اختیار حاکم وقت کو تفویض کرتا ہے۔ آپ ہی فرمادیں! اس صورت حال کے اندر اسلام پر کیا لیبل

چسپاں کر دیں؟ اس کو نا قابل عمل قرار دیں؟ سرے سے اس کے جرم وسزا ہونے کا انکار کر دیا جائے؟ یا کوئی دیگر مغربی افکار سے ہم آہنگ کوئی تشریح نکالی جائے؟

اللہ تعالیٰ ہمارا حافظ ونگہبان ہو۔

واللہ اعلم بالصواب

شاتم رسول کی سزا
قرآن وحدیث کی روشنی میں......

کعب بن اشرف یہودی سردار تھا اور اسلام اور حضور ﷺ کا بدترین دشمن تھا۔ غزوہ بدر میں جب کفار مکہ کو شکست ہوئی تو اس نے کہا: ''آج زمین کا پیٹ اس کی پشت سے بہتر ہے۔'' اس کا قتل ہجرت کے پچیسویں 25 مہینے 14 ربیع الاول کو ہوا جبکہ اسلامی ریاست مدینہ میں قائم ہو چکی تھی۔ بدبخت کعب حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ کی ہجو علانیہ کرتا تھا اور آپ ﷺ کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ شاتم رسول ﷺ کی سزا میں دوستی اور بھائی کا رشتہ بھی مانع نہیں آتا۔

شاتم رسول کی سزا قرآن و حدیث کی روشنی میں

1......اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے......

فلا و ربک لایومنون حتی یحکموک فیما شجر بینهم ثم لا یجدوا فی انفسهم حرجا مما قضیت و یسلموا تسلیما. (سورۃ نساء:64)

''پس (اے محمد ﷺ) تمہارے رب کی قسم یہ کبھی بھی مومن نہیں ہو سکتے۔ جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں تم کو یہ اپنا حکم نہ بنالیں اور پھر جو کچھ بھی فیصلہ تم کرو اس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ اسے بسر تسلیم کر لیں۔''

سورہ نساء کی اس آیت کے شان نزول کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک مسلمان جو اصل میں منافق تھا اور ایک یہودی کے درمیان کسی معاملہ پر تنازعہ ہوگیا۔ دونوں آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے فیصلہ یہودی کے حق میں صادر فرمایا، جس سے دوسرا فریق راضی نہ ہوا اور اس کے اصرار پر یہ دونوں معاملہ کو لے کر ازسرنو فیصلہ کے لیے حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے آپؓ نے ان دونوں سے مقدمہ کی روئیداد سنی اور جب آپؓ کو معلوم ہوا کہ آنحضور ﷺ اس بارے میں یہودی کے حق میں فیصلہ صادر فرما چکے ہیں تو آپؓ نے خود اس منافق سے اس کی تصدیق کر لی اور اس کے بعد اسی وقت تلوار سے اس منافق کا سر قلم کر دیا۔

اس کے بعد آپؓ نے فرمایا:

هکذا اقضی لمن لم یرض بقضاء الله و رسوله.

''اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلہ سے راضی نہ ہو اس کا یہی فیصلہ ہے جو میں نے کیا ہے۔'' (روح المعانی ج 5 صفحہ 73 - 72)

مقتول کے ورثاء کو جب یہ خبر پہنچی تو وہ حضور رسالت مآب ﷺ کی عدالت میں پہنچے اور حضرت عمرؓ کے خلاف قتل کا دعویٰ کر دیا جس پر سورہ نساء کی یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور آنحضور ﷺ نے حضرت عمرؓ کو ''فاروق'' کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔ (الصارم المسلول صفحہ 37)

اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ آپ ﷺ کے فیصلے کو تسلیم نہ کرنا بھی توہین اور گستاخی کا موجب ہے، جس کی تصدیق سورہ نساء کی اس آیت مبارکہ بھی نے کر دی۔

ان آیات قرآنی سے قانون الٰہی کھل کر ہمارے سامنے آ گیا ہے کہ اگر کوئی منافق جو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا ہو، توہین رسالت کا ارتکاب کرے گا تو اس کی سزا صرف سزائے موت ہے۔

2...... سنن ابو داؤد میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک نابینا مسلمان کی ایک ام ولد تھی جو حضور رسالت مآب ﷺ کی ہجو کیا کرتی تھی اور منع کرنے پر بھی باز نہ آتی تھی۔ ایک رات اس نے آپ ﷺ کی ہجو شروع کی اور آپ ﷺ کی برائی کرنے لگی۔ جس پر اس نابینا صحابی نے چھرا اس کے پیٹ میں گھونپ دیا جس سے وہ مر گئی۔ جب صبح ہوئی تو اس کے قتل کا مقدمہ نبی ﷺ کی عدالت میں پیش ہوا۔ آپ ﷺ نے ساری روئیداد سننے کے بعد تمام لوگوں کو حاضر عدالت ہونے کا حکم دیا اور جب سب جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے قسم دے کر فرمایا، جس شخص نے بھی یہ جرم کیا ہے وہ کھڑا ہو جائے (یعنی اقبال جرم کرے) جس پر وہ نابینا شخص مجمع کو پھاندتا ہوا آپ ﷺ کے

سامنے آ گیا اور عرض کیا: ''یارسول اللہ! میں اس کا قاتل ہوں۔ وہ آپ ﷺ کو برا بھلا کہتی تھی۔ میرے زجر و توبیخ اور منع کرنے پر بھی باز نہ آتی تھی۔ اس کے بطن سے میرے موتیوں کی مانند دو بیٹے ہیں اور وہ میری رفیقہ حیات تھی، لیکن کل رات جب اس نے آپ ﷺ کو برا بھلا کہا اور آپ ﷺ کی ہجو کی، تو میں نے اس کے پیٹ میں چھرا گھونپ کر اس کو مار دیا۔''

جب حضور ﷺ کے سامنے اس کی کوئی تردید پیش نہیں ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''دیکھو! گواہ رہو!'' **ان دمها هدر** ''''اس کا خون رائیگاں گیا۔''

(یعنی اس کے خون کے بدلے قصاص یا دیت کا مطالبہ باقی نہیں رہا کیونکہ وہ واجب القتل ہوگئی تھی۔'' (سنن ابی داؤد بذل المجہود ج6 صفحہ 125)

درج بالا حدیث میں مذکور جرم توہین رسالت اگرچہ غیر علانیہ تھا لیکن مرتکب جرم کا عادی مجرم ہونے کے سبب اس کے قتل کو روا قرار دیا گیا۔ اور یہی حنفی علماء کا مذہب ہے۔

3...... جناب جابر بن عبداللہؓ انصاری سے روایت ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: ''تم میں سے کون کعب بن اشرف کی خبر لے گا، اس نے اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دی ہے۔'' یہ سن کر محمد بن مسلمہ انصاریؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: ''یارسول اللہ! کیا آپ ﷺ کو منظور ہے کہ میں اسے ختم کردوں۔'' فرمایا: ''ہاں''۔ جس پر انھوں نے کہا: ''تو پھر مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس سے نبٹنے کے لیے جس طرح مناسب سمجھوں معاملہ کروں۔'' فرمایا: ''اجازت ہے۔'' اس کے بعد محمد بن

مسلمہؓ کعب کے پاس پہنچے اور کہا ''دیکھو یہ شخص (یعنی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام) ہم سے زکوٰۃ مانگتا ہے جبکہ ہمارے پاس خود کھانے کو نہیں۔ عجیب مصیبت میں پھنسے ہوئے ہیں۔ میں تمہارے پاس اس لیے آیا ہوں کہ ہمارے لیے کچھ قرض کا انتظام کر دو۔'' کعب نے کہا: ''ابھی کیا ہے۔ خدا کی قسم آگے چل کر تمھیں اور بھی بہت تکلیفیں اٹھانا پڑیں گی۔'' محمد بن مسلمہؓ نے کہا: ''بات یہ ہے کہ ہم ایک بار اس کی پیروی کر چکے ہیں، اب یہ اچھا نہیں لگتا کہ ایک دم اس کو چھوڑ دیں مگر دیکھ رہے ہیں کہ اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔ خیر ہم اس غرض سے آئے ہیں کہ ایک وسق یا دو وسق (غلہ یا کھجور) ہم کو قرض دیدو۔'' کعب نے کہا: ''اچھا اس کا انتظام ہو جائے گا مگر اس کے بدلہ تمھیں رہن رکھنا ہوگا۔'' انھوں نے کہا: ''کیا چیز ہم بطور رہن رکھیں۔'' کعب نے کہا: ''اپنی عورتوں کو بطور رہن ہمارے پاس رکھو۔'' جس پر ان لوگوں نے کہا: ''یہ بھی خوب! سارے عرب میں تم خوبصورت مرد ہو، بھلا ہم کس طرح اپنی عورتوں کو تمہارے پاس گروی رکھیں اس نے کہا: ''اچھا اپنے بیٹوں کو ہمارے پاس گروی کرو۔'' انھوں نے کہا: ''بیٹوں کو گروی کریں گے تو لوگ ساری عمر طعنہ دیں گے کہ ایک وسق یا دو وسق پر یہ گروی رکھے گئے تھے، جو بڑے ہی شرم کی بات ہے۔ البتہ ہم اپنے ہتھیار تمہارے پاس بطور رہن رکھ سکتے ہیں۔'' اس گفتگو کے بعد محمد بن مسلمہؓ رات کو پھر آنے کا وعدہ کر کے چلے گئے۔

جب رات کو آئے تو ابو نائلہ، جو کعب کا رضاعی بھائی تھا، کو ساتھ لائے۔ کعب نے ان کو قلعہ کے پاس بلا لیا اور خود قلعہ سے اتر کر نیچے ان سے آ کر ملا۔ جب وہ قلعہ سے اترنے لگا تو اس کی بیوی کہنے لگی: ''اتنی رات گئے کہاں جا رہے ہو!'' کعب نے کہا: ''محمد بن مسلمہؓ اور میرا بھائی ابو نائلہؓ مجھے بلا رہے ہیں۔'' سفیان کہتے ہیں، عمرو بن

دینار کے سوا اور لوگوں نے یہ بات بھی کہی ہے کہ اس کی بیوی نے یہ بھی کہا: ''میں نے جو آواز سنی ہے اس سے خون ٹپک رہا ہے۔''

جب کعب سر سے چادر اوڑھے ہوئے اترا تو اس کے بدن سے خوشبو مہک رہی تھی۔ محمد بن مسلمہؓ نے کہا: ''میں نے تو آج تک ایسی عطر کی خوشبو نہیں سونگھی ہے۔'' عمرو کے سوا اور دوسرے راویوں نے یوں بیان کیا ہے کہ کعب نے اس کے جواب میں کہا: ''میرے پاس عرب کی ایسی عورت ہے جو سب سے زیادہ معطر رہتی ہے اور حسن و جمال میں اس کی نظیر نہیں ہے۔'' عمرو بن دینار کا بیان ہے کہ محمد بن مسلمہؓ نے کعب سے کہا: ''کیا میں تمہارا سر سونگھ لوں۔'' کعب نے کہا: ''ہاں سونگھ لو۔'' محمد بن مسلمہؓ نے اس کا سر خود بھی سونگھا اور اپنے ساتھیوں کو بھی سونگھایا۔ پھر کہا: ''ایک مرتبہ اور۔'' اس نے کہا: ''اچھا''۔ اس مرتبہ محمد بن مسلمہؓ نے کعب کا سر زور سے تھام لیا اور ساتھیوں سے کہا، ہاں اس کا سر لے لو اور انھوں نے اس کا کام تمام کر دیا۔ پھر حضور ﷺ کی خدمت میں آئے اور آپ ﷺ کو اس کی خبر دی۔'' (صحیح البخاری، کتاب المغازی ج4 صفحہ 1482)

کعب بن اشرف یہودی سردار تھا اور اسلام اور حضور ﷺ کا بدترین دشمن تھا۔ غزوہ بدر میں جب کفار مکہ کو شکست ہوئی تو اس نے کہا: ''آج زمین کا پیٹ اس کی پشت سے بہتر ہے۔'' اس کا قتل ہجرت کے پچسویں 25 مہینے 14 ربیع الاول کو ہوا جبکہ اسلامی ریاست مدینہ میں قائم ہو چکی تھی۔ کعب حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہؓ کی ہجو علانیہ کرتا تھا اور آپ ﷺ کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ شاتم رسول ﷺ کی سزا میں دوستی اور بھائی کا رشتہ بھی مانع نہیں آتا۔

صحیح بخاری میں ''کتاب المغازی'' کے علاوہ ''طبقات ابن سعد'' میں بھی اس

واقعہ کی تفصیلات موجود ہیں۔

4......حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضورﷺ کے بارے میں (علانیہ) دشنام طرزی کرتا تھا، حضورﷺ نے فرمایا: کون ہے جو ہمارے اس دشمن کی خبر لے گا۔" اس پر جناب زبیرؓ نے کہا، میں حاضر ہوں۔" پھر حضرت زبیرؓ نے جا کر اس گستاخ رسولﷺ کو واصل جہنم کیا۔ (مصنف عبدالرزاق حدیث 9704 صفحہ 307)

5......ایک بد بخت عورت حضورﷺ کو گالیاں دیتی رہتی تھی۔ حضورﷺ کے حکم سے حضرت خالد بن ولیدؓ نے اس کا ناطقہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا۔ (ایضاً)

6......ایک نصرانی شخص کے قتل کے بارے میں آیا ہے کہ اس نے حضورﷺ کو (علانیہ) گالیاں دیں تھیں جس پر اس کو قتل کر دیا گیا تھا۔ (ایضاً)

7......سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضورﷺ کی تکذیب کی۔ حضورﷺ نے حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ سے فرمایا: جاؤ اور اگر وہ مل جائے تو اسے قتل کر دو۔" (ایضاً)

8......قاضی عیاضؒ نے کتاب "الشفاء" میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ قبیلہ خطمہ کی ایک عورت نے حضورﷺ کی ہجو کی۔ آپﷺ نے فرمایا، "کون ہے جو میرے لیے اس کو ٹھکانے لگائے گا۔" اسی قبیلہ کا ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا، یا رسول اللہ یہ کام میں سرانجام دوں گا۔" چنانچہ وہ گیا اور اس نے جا کر اس عورت کو قتل کر دیا۔ تو حضورﷺ نے فرمایا، "اس کا خون مباح ہے۔"

9......مہاجر بن امیہ، جو حضرت ابو بکرؓ کے دور خلافت میں صوبائی عدلیہ کے سربراہ تھے، کی عدالت میں دو گانے والی عورتوں کا مقدمہ پیش ہوا۔ ایک کے خلاف

الزام تھا کہ اس نے سرکار دو عالم ﷺ کی شان میں توہین آمیز الفاظ استعمال کیے ہیں۔ دوسری عورت پر الزام تھا کہ اس نے اپنے گیتوں میں مسلمانوں کی ہجو اور توہین کی ہے۔ دونوں کے خلاف شہادت سے جرم ثابت ہونے پر انھیں یہ سزا دی گئی کہ دونوں کے ہاتھ کاٹ دیئے گئے اور ان کے دانت توڑ دیئے گئے کہ آئندہ ایسی بدآموزی سے باز رہیں۔ ان دونوں مقدمات کی روئیداد جناب صدیق اکبرؓ کے سامنے پیش ہوئی تو آپؓ نے ان دونوں سزاؤں سے اختلاف کرتے ہوئے مہاجر بن امیہ کو تحریر فرمایا:

''اس مغنیہ کے خلاف جس نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف ہرزہ سرائی کی ہے، تم نے جو کارروائی کی، اس کا مجھے علم ہوا ہے۔ اگر تم یہ کارروائی نہ کر چکے ہوتے تو میں تمھیں حکم دیتا کہ اسے سزائے موت دی جائے۔ کیونکہ انبیا علیہم الصلوۃ والسلام کے خلاف ارتکاب جرم کی سزا عام جرائم کی سزا کے برابر نہیں ہوتی اور تم نے دوسری مغنیہ کو، جس نے مسلمانوں کی ہجو اور دشنام طرازی کی ہے، جو سزا دی ہے وہ بھی درست نہیں، اس لیے آپؓ نے حاکم عدالت کو ہدایت کی کہ وہ آئندہ محتاط رہے اور ایسی سنگین سزا کے اجرا سے اجتناب کرے۔''

10 ......توہین رسالت کے بارے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ایک اور واقعہ سے ان کی عمیق نظری، حلم و تدبر اور قوت فیصلہ کا اندازہ ہوتا ہے، جس میں ان کی ذاتی دشمنی، اشتعال انگیزی اور غم وغصہ آڑے نہیں آتا ہے۔ اس واقعہ کے راوی حضرت ابوبرزہؓ فرماتے ہیں:

''ایک دن میں حضرت ابوبکرؓ کی مجلس میں موجود تھا۔ ایک شخص نے آپؓ سے

گستاخی کی جس پر آنجنابؓ اس شخص سے ناراض ہوئے۔ خلیفہ وقت کی شان میں گستاخی پر مجھے غصہ آ گیا اور میں بھی اس وقت مشتعل ہو گیا۔

ابو برزہؓ ''اے خلیفہ رسول! اگر آپ اجازت دیں تو میں اس نامعقول گستاخ کی گردن اڑا دوں۔''

حضرت ابوبکرؓ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا اور اٹھ کھڑے ہوئے اور خاموشی سے اندر کمرے میں چلے گئے اور تھوڑی دیر بعد مجھے اندر بلا بھیجا۔

حضرت ابوبکرؓ: (ابو برزہؓ سے) تم نے ابھی مجھ سے کیا کہا تھا۔''

ابو برزہؓ: ''یہی کہ آپ اگر اجازت دیں تو میں اس کا سر اڑا دوں۔''

حضرت ابوبکرؓ: ''اچھا اگر میں تمہیں اجازت دیتا تو کیا تم واقعی اسے مار دیتے؟''

ابو برزہ: ''یقیناً میں اس کو زندہ نہ چھوڑتا۔''

حضرت ابوبکرؓ: رب ذوالجلال کی قسم یہ مرتبہ محمد ﷺ کے بعد کسی اور شخص کو حاصل نہیں (کہ اس سے گستاخی کرنے والے کو قتل کر دیا جائے خواہ وہ خلیفہ وقت ہی کیوں نہ ہو) (سنن ابی داؤد، وبذل المجہود ج6 صفحہ 125)

11 ......ابن وہب نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک راہب نے حضور ﷺ کی شان میں دشنام طرازی کی۔ جب حضرت ابن عمرؓ نے یہ بات سنی تو ان لوگوں سے جنھوں نے یہ واقعہ سنا تھا فرمایا: ''تم نے اسے قتل کیوں نہیں کر دیا۔ اگر میں وہاں ہوتا تو اسے زندہ نہ چھوڑتا۔'' (الصارم المسلول صفحہ 61)

12 ......شرح معانی الآثار کے باب ''استتابة المرتد'' میں حضرت عبداللہ ابن مسعود جو فقہ حنفی کے امام سمجھے جاتے ہیں اور حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں کوفہ

کے قاضی القضاۃ تھے، ان کا ایک اہم فیصلہ درج ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کی عدالت میں پیروان مسیلمہ کذاب کو ارتداد کے جرم میں گرفتار کر کے پیش کیا گیا۔ جنھوں نے توبہ کرتے ہوئے معافی کی درخواست کی۔ ان میں سے ایک شخص عبداللہ بن النواحہ کو آپ نے باوجود توبہ کے سزائے موت دی۔ لوگوں نے اعتراض کیا کہ ایک ہی جرم کی دو مختلف سزاؤں کا کیا جواز ہے؟ جس پر حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا: ابن النواحہ وہ آدمی ہے جو حضور ﷺ کی خدمت میں حجر بن وثال کے ساتھ مسیلمہ کا سفیر بن کر آیا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیا تم شہادت دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ ان دونوں نے کہا، کیا آپ گواہی دیتے ہیں کہ مسیلمہ اللہ کا رسول ہے۔ (جو صریحاً آپ ﷺ کی شان میں گستاخی تھی) جس پر حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر سفارت کاروں کا قتل جائز ہوتا تو میں تم دونوں کو قتل کر دیتا۔ اب چونکہ ابن النواحہ گرفتار ہو کر آیا ہے اس لیے اس کو یہ سزا دی گئی ہے۔'' (شرح معانی الآثار باب استتابۃ المرتد)

اللھمّ ارزقنا حبّك وحبّ رسولك

جرم توہین

قرآن اور اس کی سزا......

لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ امت کی شیرازہ بندی کے لئے اسلامی ریاست کی جغرافیائی سرحدات کے تحفظ سے زیادہ اہمیت ریاست کے مذہبی تشخص اور امت کی نظریاتی وحدت کی ہے۔نظریاتی وحدت اور مذہبی تشخص کی بقاء کے لئے مذہب کا احترام از حد ضروری ہے۔اقوام عالم میں امت مسلمہ کو صحیح مقام دلانے کے لئے مذہب اسلام کو ہر چیز سے بالا تسلیم کرنا اور کرانا ہوگا۔ مذہب اسلام اور شعائر اسلام کی تذلیل سے امت مسلمہ کی تذلیل ایک بدیہی امر ہے۔اسلام بنیاد ہے بنیاد کے کمزور یا کھوکھلا ہونے سے ڈھانچہ کی تباہی یقینی ہوتی ہے۔عصر حاضر میں امت مسلمہ کی کمزوری اور ذلت کا اصل راز یہی ہے۔

جرم توہین قرآن اور اس کی سزا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وانہ لکتاب عزیز لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ و لا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید.

ترجمہ: اور بلاشبہ یہ قرآن ایک نادر کتاب ہے، اس پر جھوٹ کا دخل نہیں ہے آگے سے اور نہ پیچھے سے اتاری ہوئی حکمت والی اور تعریفوں والی ذات کی طرف سے۔

اس آیت کی تفسیر میں مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیعؒ صاحب لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ یہ کتاب اللہ کے نزدیک ایسی عزیز و کریم کتاب ہے کہ نہ اس کے الفاظ میں کوئی کمی بیشی ہے اور نہ تحریف وتبدیل پر کسی کو قدرت ہے اور نہ معانی میں تحریف وتبدیل پر کسی کو قدرت ہے اور نہ معانی میں تحریف کر کے قرآن کے احکام بدل دینے کی مجال ہے، جب کبھی کسی بدبخت نے اس کا ارادہ کیا، وہ ہمیشہ رسوا ہوا، قرآن اس کی ناپاک تدبیر سے پاک صاف رہا، الفاظ میں تحریف وتبدیل کی راہ نہ ہونا تو ہر شخص دیکھتا اور سمجھتا ہے، کہ تقریباً چودہ سو سال سے ساری دنیا میں پڑھا جاتا ہے، لاکھوں انسانوں کے سینوں میں محفوظ ہے، ایک زیر زبر کی غلطی کسی سے ہو جائے، تو بوڑھوں سے لے کر بچوں تک عالموں سے لے کر جاہلوں تک لاکھوں مسلمان اس کی غلطی پکڑنے کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں، اس کے ساتھ من خلفہ کے الفاظ سے اس طرف اشارہ کر دیا کہ قرآن کی حفاظت جو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے (انا لہ لحافظون) وہ صرف الفاظ کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ اس کے معانی

کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ ہی کفیل ہے، اس نے اپنے رسول ﷺ اور ان کے بلاواسطہ شاگردوں یعنی صحابہ کرام کے ذریعہ معانی قرآن اور احکام قرآن کو ایسا محفوظ کر دیا ہے کہ کوئی ملحد بے دین اس میں تاویلات باطلہ کے ذریعہ تحریف کا ارادہ کرے تو ہر جگہ، ہر زمانہ میں ہزاروں علماء اس کی تردید کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں، اور وہ خائب و خاسر ہوتا ہے اور حقیقت یہی ہے کہ آیت انا له لحافظون میں ضمیر له قران کی طرف راجع ہے اور قرآن صرف الفاظ کا نام نہیں بلکہ نظم و معنی دونوں کے مجموعہ کا نام ہے۔

خلاصہ آیات مذکورہ کے مضمون کا یہ ہو گیا کہ جو لوگ بظاہر مسلمان ہیں اس لئے کھل کر قرآن کا انکار تو نہیں کرتے مگر آیات قرآنی میں تاویلات باطلہ سے کام لے کر ان کو ایسے مطلب پر محمول کرتے ہیں جو قرآن اور رسول ﷺ کی قطعی تصریحات کے خلاف ہے، ان کی تحریف سے بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو ایسا محفوظ کر دیا ہے کہ یہ گھڑے ہوئے معانی کسی کے نہیں چل سکتے، قرآن و حدیث کی دوسری نصوص اور علماء امت اس کی قلعی کھول دیتے ہیں اور احادیث صحیحہ کی تصریح کے مطابق قیامت تک مسلمانوں میں ایسی جماعت قائم رہے گی جو تحریف کرنے والوں کی تحریف کا پردہ چاک کر کے قران کے صحیح مفہوم کو واضح کر دیں اور وہ دنیا سے اپنے کفر کو کیسا ہی چھپائیں اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپا سکتے اور جب اللہ تعالیٰ ان کی اس سازش سے باخبر ہے تو ان کو اس کی سزا ملنا بھی ضروری ہے (معارف القرآن ج7 صفحہ 663)

قرآن پاک کی صحت و صداقت پر ایمان رکھنا مسلمانوں کا بنیادی عقیدہ ہے۔ قران پاک پر ایمان ایسا ہی ضروری ہے جیسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان، اسی لئے ایمان مجمل اور ایمان مفصل جو مسلمان بچہ کی رسم بسم اللہ کے بعد کا عموماً پہلا سبق ہوتا

ہے۔اس میں قرآن پاک پر ایمان کو تیسرے نمبر پر جگہ دی گئی ہے۔یعنی (امنت باللہ وملئکتہ و کتبہ و رسلہ) قرآن پاک کی صحت وصداقت کا عقیدہ جب جزو ایمان ٹھہرا، تو اس بنیاد پر ایک مسلمان کا بحثیت مسلمان فرض بقول ..... صاحب شفاء...... یہ ہے کہ:

''قد اجمع المسلمون ان القرآن المتلو فی جمیع اقطار الارض المکتوب فی المصحف بایدی المسلمین مما جمعہ الدفتان من اول الحمد للہ رب العالمین الی آخر قل اعوذ برب الناس انہ کلام اللہ ووحیہ المنزل علی نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم وان جمیع ما فیہ حق'' (الشفاء للقاضی عیاض ج2 صفحہ 263)

ترجمہ: ''مسلمانوں کا اجماع قائم ہوا ہے کہ قرآن پاک جو چار سو عالم میں پڑھا جاتا ہے، اور جو مسلمانوں کے پاس ایک مصحف کی شکل میں مکتوب ہے اور جو الحمد سے لے کر والناس تک ایک مجموعہ میں منضبط ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور بذریعہ وحی اللہ کے رسول ﷺ پر نازل ہوا ہے اور جو کچھ اس منضبط مصحف میں ہے سب کا سب بکلہ حق اور سچ ہے کسی شبہ اور شک کا گزر اس میں نہیں ہو سکتا ہے''۔

قرآن پاک کی صحت وصداقت اور معجزانہ حقانیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفاتحہ کے بعد قرآن پاک کے آغاز میں فرمادیا ہے۔

''ذالک الکتاب لاریب فیہ''

ترجمہ: ''یہ کتاب ہے اس میں ذرہ برابر شک کی گنجائش نہیں ہے''۔

اور رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

"المراء فی القرآن کفر"

ترجمہ": قرآن پاک کی صداقت میں شک کرنا کفر ہے"۔

قرآن پاک کی عظمت واحترام کے لئے بس اتنا کافی ہے کہ قرآن پاک کی صداقت اور حقانیت کا اعتقاد جزو ایمان ہے۔ قرآن پاک کی تعظیم وتکریم اسلامی ریاست کے ہر فرد کا فرض ہے۔ قرآن پاک کی یا اس کے کسی جزو کی توہین، تکذیب، تنقیص اور تحقیر جرم ہے۔ اس جرم کا جو بھی شخص خواہ مسلمان ہو یا اسلامی ریاست کا کافر شہری ہو، ارتکاب کرے گا، وہ مستوجب سزا قرار پائیگا۔ بس فرق اتنا ہے کہ کافر شہری کا جرم توہین قرآن (Contempt of Quraan) مستوجب تعزیر (Liable to Tazir) ہے جبکہ مسلمان شہری کا جرم توہین قرآن بوجہ ارتداد مستوجب حد (Offence Liable to Hadd) ہے، کیونکہ توہین قرآن کا جرم بالارادہ اور عمداً جب کسی مسلمان سے سرزد ہو جائے، تو باتفاق امت اور باجماع علماء وفقہاء وہ مرتد ہو جاتا ہے۔

قاضی عیاضؒ لکھتے ہیں:

اعلم أن من استخف بالقرآن او المصحف او بشیئی منه اوسبه اوجحده اوحرفاً منه أو آیة او کذب به اوبشیی منه او کذب بشیی مما صرح به فیه من حکم او خبر او اثبت مانفاه او نفی ما أثبته علی علم منه بذالک اوشک فی شیی من ذالک فهو کافر عند اهل العلم با جماع (الشفاء ج2 صفحہ 263)

ترجمہ: ''یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ جو شخص قرآن یا قرآنی مصحف یا اس کے کسی حصہ کی توہین کرے۔ یا قرآن کا یا اس کے ایک حرف یا آیت کا انکار کرے، یا پورے قرآن یا اس کے کسی حصہ کی تکذیب کرے، یا قرآن میں بیان شدہ صریح حکم قرآنی یا خبر قرآنی کی تکذیب کردے یا قران نے جس کی نفی کی ہے وہ اس کا اثبات کرے یا قران نے جس کا اثبات کیا ہے وہ اس کی نفی کرے اور یہ سب کچھ کرنے میں اس کا متعمدانہ قصد شامل ہو، نیز قرآن یا قرآن کے کسی حصہ میں شک کرے تو ایسا شخص با اجماع امت کافر ہے۔''

صاحب فتاویٰ تاتارخانیہ لکھتے ہیں:

اذا انکر آیة من القرآن اوسخر بآیة من القرآن وفی الخزانة او عابَ فقد کفر. (الفتاویٰ التاتارخانیہ ج5 ص333)

ترجمہ: ''جب کوئی مسلمان قرآن پاک کی کسی آیت کا انکار کرے، یا مذاق اڑائے اور کتاب خزانہ میں اضافہ ہے۔ یا کسی آیت میں عیب جوئی کرے تو وہ کافر ہوگیا۔''

لیکن...... توہین قرآن جو اپنی عمومیت میں قرآن پاک یا قرآن پاک کی کسی آیت کا انکار، استہزا، عیب جوئی، تنقیص، تحریف یا تکذیب سب کو شامل ہے۔ یہ مسلمان کے حق میں جرم مستوجب حد تب ثابت ہوگا، جب شواہد یا ملزم کے اقرار سے یہ ثابت ہو جائے کہ جرم کا ارتکاب عمداً اور بالارادہ ہوا ہے۔ اس لئے دفعہ 295-B میں شرط ''بالارادہ توہین'' (Willfully defiles) بالکل بجا اور موافق شریعت شرط ہے۔ غیر ارادی یا غیر شعوری طور پر توہین قرآن جرم کے زمرہ میں نہیں آتا ہے۔

الا یہ کہ جرم اس نوعیت کا ہو جو اپنے وقوع میں مجرم کا متعمدانہ قصد خود ظاہر کر رہا ہو۔

جرم توہین قرآن کو متعمدانہ قصد سے مشروط کرتے ہوئے صاحب فتاویٰ عالمگیریہ لکھتے ہیں:

رجلٌ وضع رجله على المصحف إن كان على وجه الاستخفاف يكفر والافلا. (الفتاویٰ العالمگیریۃ ج5 ص322)

ترجمہ: کسی شخص نے اپنا پیر قرآن پاک پر رکھا۔ اگر یہ عمل توہین کی غرض سے کیا گیا ہو تو وہ کافر ہو جائے گا ورنہ نہیں۔

صاحب فتاویٰ تاتارخانیہ بھی جرم کو متعمدانہ قصد سے مشروط کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

سئل الحسن بن على عمن وضع رجله على المصحف حالفاً، هل يكفر، فقال نعم ان كان على وجه الاستخفاف. (الفتاویٰ التاتارخانیۃ ج5 ص333)

ترجمہ: "حسن بن علی سے اس شخص کے بارے میں فتوی پوچھا گیا جس نے حلف اٹھانے کے لئے قرآن پاک پر اپنا پیر رکھا ہو کہ اس سے وہ کافر ہو گیا؟ فرمایا: ہاں! اگر نیت توہین کی تھی"۔

اس بنیاد پر غلطی سے اور غیر ارادی طور پر اگر کسی مسلمان سے ایسا عمل سرزد ہو جو جرم توہین قرآن کے زمرہ میں آتا ہو تو وہ خارج از اسلام اور مستوجب حد نہ ہو گا۔ اگر کسی مسلمان کا قرآن پاک پر غلطی سے پیر لگ جائے، یا اس پر ٹیک لگا لے، یا اس کے ہاتھ سے گر جائے، یا قرآن پاک کا کوئی صفحہ پھٹ جائے تو ان صورتوں میں یہ جرم کے زمرہ میں نہیں آئے گا۔ لیکن بسا اوقات انسانی فعل وقوع جرم کے متعمدانہ قصد کی شہادت دیتا ہے۔ جب فعل خود اپنے فاعل کے خلاف شہادت بن جائے تو اس صورت میں قانون ملزم سے متعمدانہ قصد کے استفسار کی زحمت نہیں کرتا

ہے۔ بلکہ فعل کو اس کے متعمدانہ قصد پر شہادت (Evidence) بنا کر فیصلہ برخلاف ملزم محفوظ کر دیا جاتا ہے۔

اسی کی طرف فتاویٰ کی مشہور اور معتمد کتاب (Authentic Book) ردالمحتار اشارہ کرتی ہے:

لو وضع مصحفاً فی قاذورة فإنه یکفر، فإن فعل ذالک استخفافاً واستهانة بالدین، فهو أمارة عدم التصدیق. (رَدُّالمحتار علی الدُّرِّ المُختار ج4 ص222)

ترجمہ: اگر کسی مسلمان نے قرآن پاک کو گندگی یا کوڑے میں ڈال دیا تو اس عمل سے وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ یہاں نفس فعل دین اسلام کی اہانت اور استخفاف پر دلالت کرتا ہے جو کہ دین کی تکذیب اور اسلام کی عدم تصدیق کی علامت ہے۔

بہر حال درج بالا مستند حوالہ جات ثابت کرتے ہیں کہ متعمدانہ قصد یا متعمدانہ فعل سے سرزد ہونے والا جرم توہینِ قرآن کا انجام ایک مسلمان کے حق میں کفر اور ارتداد کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے جس کی سزا حد بصورت قتل ہے اور حد ہونے کے سبب یہ سزا ناقابل تبدیل (Not Amendable) اور ناقابل معافی ہے (اسلام میں مرتد کی سزا کی پوری تفصیل پچھلے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں)۔

دفعہ مذکورہ (295-B) میں لاگو کردہ سزا اپنے اطلاق پر ہونے کے سبب محل نظر ہے کیونکہ دفعہ میں مذکور ''جو کوئی شخص'' (Whoever) اپنے عموم پر ہونے کے سبب مطلق ہے اس میں مسلمان اور ریاست کا کافر شہری دونوں داخل ہوتے ہیں جبکہ جرم بالا کی سزا عمر قید (Imprisonment for life) مقرر کی گئی ہے جو کہ ظاہر

ہے مرتد کے حق میں قرآن وحدیث اور نصوص شرعیہ کی روشنی میں ناکافی اور غیر متعلقہ سزا ہے، جرم کچھ ہے اور سزا کچھ ہے۔

دراصل اس تقلیبی عمل کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ نافذ العمل قانون میں مرتد کی سزا سرے سے ہے ہی نہیں۔ بدقسمتی سے ہمارا بعض جدید تعلیم یافتہ طبقہ مرتد کی سزائے موت کو سرے سے تسلیم ہی نہیں کرتا ہے۔ اس مکتب فکر کے سرخیل مشہور ادیب سرسید احمد خان صاحب ہیں۔ اپنے موقف کے حق میں اس مکتب فکر کے لوگوں نے بڑی ضخیم مگر بے جان دلائل پر مبنی کتابیں لکھی ہیں جسٹس ایس اے رحمٰن جج سپریم کورٹ آف پاکستان نے اسی مکتب فکر کی وکالت میں ایک مفصل کتاب (The punishment of apostacy in Islam) تحریر فرمائی ہے۔ راقم الحروف کا مقالہ ''اسلام میں مرتد کی سزا'' دراصل اس کتاب کا جواب ہے۔ قانون دان طبقہ سے بحیثیت مسلمان درخواست ہے کہ جسٹس ایس اے رحمٰن صاحب کی کتاب سے ذہن میں پیدا شدہ بے وجہ شکوک وشبہات کے ازالہ کے لئے اس ناکارہ کا مقالہ ضرور مطالعہ فرمائیں۔

بہر حال قانون کے میدان میں ان حضرات کی براجمانی کے سبب علماء امت کی پیہم کوششوں کے باوجود مرتد کی سزائے حد وضع ہونے کی بجائے سرے سے اس کا انکار کیا جارہا ہے۔ یہ حضرات اپنے زعم میں اسلام کے لئے بے حد مخلص ہی سہی لیکن مخصوص مغربی تعلیم کے آغوش میں پرورش پانے کے سبب بہر حال کسی حد تک مغربی نظریات سے متاثر نظر آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مرتد کی سزا کی گتھی سلجھنے کی بجائے

الجھتی جا رہی ہے اور اسی کے سبب سے درج بالا جرم توہین قرآن میں سزا کو اپنے عموم پر رکھا گیا اور مسلمان اور کافر دونوں کے لئے یکساں تعزیری سزا وضع کی گئی ہے۔

اگر توہین قرآن کا مرتکب اسلامی ریاست کا غیر مسلم شہری یا اقامت پذیر شخص ہو تو اس صورت میں بنیادی طور پر یہ سمجھیں کہ غیر مسلم شہریوں کو جس طرح جان، مال اور عزت کا تحفظ دینا اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ اسی طرح انہیں مذہبی آزادی دینا بھی حکومت کا فرض ہے۔ اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہری آزادی کے ساتھ اپنے مذہب پر عمل کر سکتے ہیں۔ اپنے مذہب کی حقانیت اور غیر مذاہب کا مبنی برحق نہ ہونے کا برملا اظہار کر سکتے ہیں، کتابیں تحریر کر سکتے ہیں، تعمیری تنقید یں کر سکتے ہیں مثلاً اسلامی ریاست کا عیسائی باشندہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام برحق نبی تھے جبکہ مسلمانوں کے پیغمبر (معاذ اللہ) برحق نہ تھے کتاب انجیل برحق ہے، اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے جبکہ مسلمانوں کا قرآن (معاذ اللہ) منزل من اللہ اور برحق کتاب نہیں ہے۔

غیر مسلم باشندے کو اس قسم کی مذہب اسلام یا قرآن پاک پر تنقید کی اجازت اس لئے ہے کہ اس تنقید کا محرک اس کا مذہب ہے وہ اگر اپنے مذہب کو برحق کہنے کے ساتھ ساتھ مذہب اسلام کو بھی برحق کہہ دے یا لکھ دے تو وہ اپنے مذہب کا متبع نہیں کہلا سکتا۔ اسی لئے فقہائے کرام اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہری کے خلاف اسلام کسی فعل یا قول کو قابل مواخذہ جرم قرار دینے کے لئے **مما لا یتدینہ** شرط کا اضافہ کرتے ہیں مثلاً صاحب **فتح القدیر** لکھتے ہیں:

إن سب الرسول صلى الله عليه وسلم او نسبة ما لا ينبغي الى الله تعالىٰ إن كان ممّا لا يعتقدونه كنسبة الوالد الى الله تعالىٰ اذا اظهره يقتل به. (فتح القدیر ج5 ص303)

ترجمہ: پیغمبر اسلام (ﷺ) کو برا بھلا کہنا یا اللہ تعالیٰ کی طرف نامناسب نسبت کرنا بشرطیکہ ایسا کرنے کے لئے اس کا عقیدہ متقاضی نہ ہوتو اس صورت میں ایسا عمل برملا اظہار کی صورت میں مستوجب قتل جرم ہوگا۔

کسی عیسائی کا اللہ تعالیٰ کو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا (معاذ اللہ) والد کہنا مسلمانوں کے عقیدہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی سنگین نوعیت کی توہین ہے۔ اگر اس قسم کا ارتکاب کسی مسلمان سے ہو جائے تو بوجہ ارتداد مستوجب قتل ہوگا اور قتل کی سزا بھی تعزیری نہیں حد ہوگی لیکن اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہری کے حق میں اس لئے جرم نہیں ہے کہ اس کے ماوراء اس کا عقیدہ کارفرما ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہری کو اپنے عقائد پر کاربند رہنے کی پوری پوری آزادی حاصل ہے۔

اسکی وضاحت صاحب رد المحتار غیر مسلم شہری کی شہریت کی بحث کے تحت اس طرح سے کرتے ہیں:

اذا ذكره بسوءٍ يعتقده ويتدين به بأن قال ليس برسولٍ او قتل اليهود بغير حق او نسبه الى الكذب فعند بعض الأئمة لا ينتقض عهده أما اذا ذكره بما لا يعتقده ولا يتدين به كما لو نسبه الى الزنا او طعن في نسبه ينتقض. (ردالمحتار ج4 ص214)

ترجمہ: ''جب غیر مسلم شہری دین اسلام یا اس کے کسی شعائر کی برائی کرے اور ایسا کرنے کے لئے اس کا عقیدہ اس سے متقاضی ہو اور اس عمل کو وہ اپنے دین کا حصہ سمجھتا ہو بایں طور کہ وہ کہے پیغمبر اسلام اللہ کا پیغمبر نہیں ہے پیغمبر اسلام کا یہودیوں کو قتل کرنا صحیح نہ تھا یا پیغمبر اسلام کو جھوٹا نبی کہتا ہو تو بعض ائمہ کے نزدیک اس سے اس کی شہریت متاثر نہیں ہوگی لیکن اگر وہ ایسی حرکات کا ارتکاب کرے جس سے اس کے عقیدہ اور مذہب کا تعلق نہ ہو، جیسا کہ پیغمبر اسلام کی نسبت زنا کی طرف کردے۔ یا آپ ﷺ کے نسب میں طعنہ زنی کرے تو اس صورت میں اس کی شہریت ختم ہو جائے گی''۔

درج بالا اقتباس سے اتنی وضاحت مقصود ہے کہ غیر مسلم شہری کے خلافِ اسلام قول یا فعل کو جرم یا عدم جرم قرار دینے میں اسکے عقائد اور مذہب کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ غیر مسلم شہری کے مخالف اسلام قول یا فعل کو اس کے مذہبی عقائد کی کسوٹی پر پرکھنا ہوگا۔ اگر اس قول یا فعل کے وقوع میں اس کا مذہب محرک ہے۔ مثلاً درج بالا اقتباس میں مذکور مثالیں... پیغمبر اسلام کو (معاذ اللہ) نبی برحق نہ کہنا یا یہ کہنا کہ آپ نے (معاذ اللہ) یہود مدینہ کا ناحق طریقہ سے قتل عام کیا تھا یا آپ ﷺ (معاذ اللہ) سچے نبی نہ تھے تو اس نوع کے اعمال غیر مسلم شہری کے حق میں جرم قرار نہیں پا سکتے ہیں۔ اس لئے کہ اسلامی ریاست نے اس کی مذہبی آزادی کی ذمہ داری اٹھائی ہوئی ہے۔ اس کے برخلاف اگر اس قول یا فعل کے ارتکاب میں اس کا مذہب یا عقیدہ آڑے نہیں آرہا ہے۔ بلکہ وہ اپنی معاندانہ ذہنیت یا مسلمانوں کو ذہنی کوفت میں مبتلا کرنے کی یا امن عامہ کو داؤ پر لگانے کی غرض سے ایسے اقوال یا افعال کا ارتکاب کرتا

ہے جن کے سبب مسلمانوں کے مذہبی جذبات مجروح ہو سکتے ہیں۔ مثلاً پیغمبر اسلام کو (معاذ اللہ) بدکار کہہ دے یا آپ کے حسب نسب میں لعن طعن کرے یا قرآن پاک کو کوڑے میں پھینکے تو چونکہ اس قسم کے اعمال سراسر عناد اور عداوت پر مبنی ہیں اور اس سے خود مرتکب شخص کو بھی کوئی مذہبی فائدہ حاصل نہیں ہوتا ہے اس لئے ایسے اعمال امن عامہ کے خلاف ہونے کے سبب سنگین نوعیت کے جرم قرار پائیں گے۔

قرآن پاک کی درج ذیل آیت اسی نوع کے جرائم کی طرف اشارہ کرتی ہے:

لئن لم ينته المنافقون والذين في قلوبهم مرض والمرجفون في المدينة لنغرينک بهم ثمّ لا يجاورونک فيها إلا قليلاً ملعونين اينما ثقفوا أخذوا وقتّلوا تقتيلاً سنة الله في الذين خلوا من قبل ولن تجد لسنة الله تبديلاً۔ (سورۃ الاحزاب آیت 60-62)

ترجمہ: ''منافق لوگ اور وہ لوگ جن کے دلوں میں فساد ہے اور وہ لوگ جو مدینہ میں جھوٹی افواہیں اڑایا کرتے ہیں اگر باز نہ آئے تو ضرور ہم آپ کو ان پر قابو دے دیں گے۔ پھر یہ لوگ مدینہ میں آپ کے پاس بہت ہی کم رہنے پائیں گے۔ یہ پھٹکارے ہوئے ہیں۔ جہاں ملیں گے پکڑ دھکڑ اور مار دھاڑ کی جاوے گی۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں میں بھی وہی دستور رکھا ہے جو پہلے ہو گزرے ہیں''۔

درج بالا آیت کے ذیل میں صاحب احکام القرآن لکھتے ہیں:

اشاعة مايوجب ايذاء المسلمين يوجب التعزير والاجلاء والقتل باختلاف درجاته، قال الامام ابوبكر الجصاص: في هذه الآية دلالة على أن الارجاف بالمؤمنين والاشاعة لما يغمهم ويؤذيهم يستحق به

التعزير والنفى اذا اصرَّعليه ولم ينته عنه...... واخبر تعالى باستحقاقهم النفى والقتل اذالم ينتهوا عن ذالک. (احکام القرآن للشیخ محمد شفیعؒ ج3 ص502)

ترجمہ: ''غیر مسلم شہری یا باشندہ کا ایسے اعمال یا اقوال کو ہوا دینا جو مسلمانوں کی اذیت کا سبب بنتے ہوں جرم قرار پا کر مجرم کے خلاف تادیبی کاروائی، جلاوطنی اور قتل جیسی سزاؤں کا موجب قرار پا سکتے ہیں۔ کونسی سزا دی جائے یہ جرم کے حالات پر ہے۔ امام ابوبکر جصاصؒ کہتے ہیں: یہ آیت اس بات پر دلیل ہے کہ مسلمانوں کے خلاف غلط خبریں پھیلانا، پراپیگنڈہ کرنا اور ایسی باتوں کو ہوا دینا جو مسلمانوں کو کرب والم اور ذہنی کوفت میں مبتلا کردے۔ اس کا مرتکب شخص اگر باز نہ آئے۔ اور بار بار کرے، سخت تعزیر اور جلاوطنی کی سزا کا مستحق قرار پا سکتا ہے۔ درج بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ہے کہ ایسا شخص اگر باز نہ آئے، جلاوطنی اور قتل جیسی سزاؤں کا مستحق ہے''۔

صاحب فتح القدیر غیر مسلم شہری کی باغیانہ روش پر بحث اس طرح سے کرتے ہیں:

أن سبه صلى الله عليه وسلم او نسبة مالا ينبغى الى الله تعالىٰ إن كان مما لا يعتقدونه كنسبة الوالد الى الله تعالىٰ اذا اظهره يقتل به. وان لم يظهره ولكن عثر عليه وهو يكتمه فلا وهذا لأنه الغاية فى التمرد والاستخفاف بالاسلام والمسلمين .... وهذا البحث منا يوجب أنه اذا استعلىٰ على المسلمين على وجهٍ صار متمرّدًا عليهم يحِلُّ للامام قتله أو يرجع الى الذل والصغارِ. (فتح القدیر ج5 ص303)

ترجمہ: ''پیغمبر اسلام کی برائی یا اللہ تعالیٰ کی طرف نازیبا نسبت بشرطیکہ وہ عمل ان کے عقیدہ کا حصہ نہ ہو، جیسے اللہ تعالیٰ کی طرف والد ہونے کی نسبت تو اس نوع کے جرم کا ارتکاب اگر غیر مسلم شہری علانیہ کرتا ہو تو اس کو قتل کیا جا سکتا ہے لیکن اگر ارتکاب جرم علانیہ طریقہ سے وقوع پذیر نہ ہوا ہو بلکہ کسی ذریعہ سے اسلامی ریاست کو اس کی اطلاع ملی ہو جبکہ وہ فرد اس جرم سے اپنی لاعلمی ظاہر کر رہا ہو تو اس صورت میں اس کو قتل کی سزا نہ دی جائے، علانیہ ارتکاب جرم کی سزا قتل کی صورت میں اس لئے دی جائے کیونکہ اس میں مجرم کی جانب سے انتہائی درجہ دیدہ دلیری پائی جارہی ہے اور یہ اسلام اور مسلمانوں کی غیر معمولی توہین کی غمازی بھی کر رہا ہے۔ اس بحث سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ غیر مسلم شہری مسلمانوں پر ایسی دیدہ دلیری اور باغیانہ روش کا مظاہرہ کرے جس سے مسلمانوں کے خلاف اس کی بغاوت اور سرکشی ظاہر ہوتی ہو تو حاکم وقت کے لئے جائز ہے کہ وہ اس کو قتل کر دے یا ذلت آمیز سزا دے کر عبرت کا نشانہ بنا دے''۔

آیت بالا اور مندرجہ اقتباسات سے معلوم ہوا کہ غیر مسلم شہری کی اسلامی ریاست میں معاندانہ کاروائیاں اور باغیانہ افعال، جن کے سبب مسلمانوں کے مذہبی جذبات مجروح ہوتے ہوں یا ریاست کا امن عامہ داؤ پر لگ سکتا ہو، جرم کے زمرہ میں آئیں گے پھر جس نوع کا جرم ہوگا اسی نوعیت کی سزا ہوگی خفیف، شدید اور شدید ترین کے اعتبار سے سزا لاگو ہوگی۔

2...... دوسری بات یہ بھی پتہ چلی کہ اسلام یا اسلامی شعائر کی توہین کی سزا تعزیری ہوگی۔ تعزیری سزا کے تعین یا تحدید کا اختیار چونکہ حکومت وقت کے پاس ہوتا

ہے لہٰذا حکومت وقت کو اختیار حاصل ہے کہ وہ جرم کی روح، مجرم کی نفسیات اور عوامی ردعمل کے اعتبار سے جس نوع کی مصلحانہ اور تہدید آمیز سزا وضع کرنا چاہے، کرسکتی ہے۔ اور جب مناسب سمجھے ترمیم کے ذریعہ اس سزا میں شدت یا تخفیف بھی پیدا کرسکتی ہے۔ نیز سرے سے نافذ العمل سزا کو منسوخ (Repealed) کرکے کوئی نئی سزا بھی وضع کرسکتی ہے۔

لیکن......ان صوابدیدی اختیارات میں ضروری امر یہ ہے کہ تبدیلی یا تنسیخ کا دارومدار وقوعہ پر ہو، خارجی دباؤ، یا غیر مسلم شہریوں کو کھلی چھوٹ دینے کے عزائم پر نہ ہو۔ اسی لئے فقہائے کرام نے درج بالا مسئلہ کے اندر جرم کو اس کی نوع کے اندر تقسیم کرکے بتادیا کہ سزا کا دارومدار جرم کے داخلی عوامل پر ہوتا ہے۔ خارجی عوامل پر ہرگز نہیں ہوتا۔

قرآن پاک بھی اسلامی شعائر کا حصہ ہے۔ اس پر ایمان رکھنا، اس کو سچا سمجھنا، اللہ کی طرف سے نازل کردہ سمجھنا، اس کی تعظیم کرنا اگرچہ اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہری کا فرض نہیں ہے لیکن مذہبی آزادی کے نام پر اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہری کو قطعاً اجازت نہیں دی جائے گی کہ وہ ایسے افعال کا ارتکاب کرے جس سے قرآن پاک کی بے حرمتی ظاہر ہوتی ہو۔ مثلاً قرآن پاک کے کسی نسخہ کو گندی نالی میں ڈال دے۔ قرآن پاک پر گندگی ڈال دے۔ اس پر پیر رکھ کر کھڑا ہوجائے تو چونکہ اس قسم کے معاندانہ افعال سے مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوتے ہیں اور ردِعمل میں بھڑکنے والے اشتعال سے ریاست کا امن عامہ بھی متاثر ہوسکتا ہے اس لئے اس قسم

کے نازیبا افعال کے ارتکاب پر اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہری کے خلاف تعزیری کاروائی کرنا اسلامی ریاست کا فرض ہوگا۔

صاحب ردالمحتار لکھتے ہیں:

ویؤدب الذمی ویعاقب علی سبه دین الاسلام او القرآن او النبی. (ردالمحتار 4ج 214)

ترجمہ: ''دین اسلام، قرآن پاک اور پیغمبر اسلام کی برائی کرنے یا بکواسات کرنے پر غیر مسلم شہری کے خلاف تادیبی کاروائی کی جائے گی اور اس کو قرار واقعی سزا دی جائے گی''۔

جرم کی ضخامت کے اعتبار سے سزا میں سختی بھی ناگزیر ہوتی ہے کیونکہ جس نوع کے جرم کا ارتکاب ہوگا سزا بھی اسی مناسبت سے دی جائے گی۔ سنگین نوعیت کے جرم کے لئے خفیف سی سزا لاگو کرنا جرائم کے سدباب کے لئے ہرگز کافی نہیں ہوتا ہے۔ اس سے جرائم گھٹنے کی بجائے بڑھتے رہیں گے۔ تعزیری سزا جو اپنی ذات میں خود مقصود نہیں ہوتی ہے زاجر اور تہدید آمیز بننے کی بجائے جرائم پسند عناصر میں جرائم کی جرأت پیدا کرے گی۔

صاحب ردالمحتار لکھتے ہیں:

یجوز الترقی فی التعزیر الی القتل اذا عظم موجبه وقال: للامام ان یعزر بالقتل فی الجرائم التی تعظمت بالتکرار. (ردالمحتار ج4 ص215)

ترجمہ: ''جرم کی ضخامت کے اعتبار سے تعزیری سزا کو قتل تک لے جایا جاسکتا ہے اور کہا: جرم کے بار بار ارتکاب کی دیدہ دلیری کرنے کے سبب چونکہ جرم کی ضخامت

بڑھ جاتی ہے اس لئے حاکم وقت اس قسم کے جرائم کے اندر قتل کی تعزیری سزا جاری کرسکتا ہے"۔

1......اس اعتبار سے توہین قرآن کیس میں اگر غیر مسلم شہری کا جرم علانیہ برملا انداز میں سرزد ہو یا طباعت کی شکل میں ہو یا علانیہ تو نہ ہو لیکن مجرم جرم کا بار بار ارتکاب کر چکا ہو اور تنبیہ کرنے کے باوجود جرم سے باز نہ آ رہا ہو یا قرآن پاک کی توہین کو اس نے اپنا مشغلہ بنالیا ہو اور عادی مجرم ہو تو ان صورتوں میں چونکہ وہ اسلامی ریاست کے امن کے لئے خطرہ بن چکا ہے اکثریتی آبادی کے مذہبی جذبات مجروح ہونے کے سبب نقض امن اور اشتعال انگیزی کے خطرات لاحق ہو سکتے ہیں اس لئے مفسد فی الارض، مرجف فی المدینة اور معاشرتی ڈھانچہ میں ناسور بننے کے سبب حکومت وقت کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس قسم کے شرپسند عناصر کا قصہ پاک کردے۔

صاحب رد المحتار لکھتے ہیں:

ونؤدب الذمی تعزیراً شدیداً بحیث لومات کان دمه هدرًالکن هذا اذا اعلن بالسبِ و کان ممالا یعتقده. (ردالمختار ج4 ص215)

ترجمہ: "اور غیر مسلم شہری کے خلاف (توہین اسلام یا قرآن کرنے کے جرم میں) سخت تادیبی کاروائی کی جائے گی۔ حتیٰ کہ اگر وہ سزا کے سبب مرجائے تو اسکا خون رائیگاں جائے گا۔ لیکن یہ اس صورت میں جبکہ وہ علی الاعلان دین اسلام یا قرآن پاک کی برائی کرے اور ایسا کرنے میں اس کا عقیدہ اور مذہب بھی باعث نہ بن رہا ہو"۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

ویؤدب الذمی ویعاقبُ علی سبّه دین الإسلام او القرآن أطلقه فشمل تادیبه وعقابه بالقتل اذا اعتاده و أعلن به (ردالمحتار ج4 ص214)

ترجمہ: ''غیر مسلم شہری کے خلاف توہین اسلام یا قرآن کے جرم میں تادیبی کاروائی کی جائے گی تادیبی کاروائی عام ہے اگر وہ عادی مجرم ہے اور علی الاعلان ارتکاب جرم کرتا ہے تو اس کے خلاف تادیبی کاروائی سزائے موت کے فیصلہ کے ذریعہ بھی کی جاسکتی ہے''۔

2..... جرم کی دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ جرم مما لا یتدین کے قبیل سے ہو (یعنی جرم کے ارتکاب میں اس کا عقیدہ اور مذہب باعث نہ بن رہا ہو لہٰذا اس کا یہ عذر ختم ہوجائے گا کہ مذہبی عبادت کی ادائیگی کے ضمن میں توہین مترشح ہوئی ہے۔ ارتکاب جرم میں اس کا متعمدانہ قصد شامل حال نہیں ہے) اور ارتکاب جرم علی الاعلان یا طباعتی شکل میں صادر نہ ہوا ہو۔ تو چونکہ اس جرم کی سنگینی مقدم الذکر صورت کی نسبت کم اور خفیف ہے۔ لہٰذا سزا بھی مقدم الذکر سزا کی نسبت خفیف ہوگی۔ جو کہ سزائے عمر قید یا کسی دیگر سخت سزا (علاوہ قتل) کی صورت میں ہوسکتی ہے۔

اس صورت کو صاحب فتح القدیر ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

إن کان مما لا یعتقدونه .... اذا اظهره یقتل به وان لم یظهره ولکن عثر علیه وهو یکتمه فلا. (فتح القدیر ج5 ص303)

ترجمہ: ''اگر توہین کا عمل مجرم کے عقیدہ کا حصہ نہ بن رہا ہو، اگر اس کا ارتکاب وہ علانیہ انداز میں کرے گا تو وہ مستوجب قتل ہوگا اور اگر غیر اعلانیہ انداز میں کرے اور کسی ذریعہ سے اس کے جرم کی عدالت کو اطلاع ہوجائے جبکہ وہ اقرار جرم سے

انکاری ہوتو اس صورت میں اس کو قتل کی سزا نہ دی جائے"۔

3 ... جرم مما یتدین کے قبیل سے ہو یعنی اس کے ارتکاب میں اس کے عقیدہ کا عمل دخل ہو اور اس کا ارتکاب وہ علی الاعلان یا طباعتی شکل میں کرتا ہو تو اس صورت میں دو چیزیں ایک ساتھ جمع ہو رہی ہیں۔

الف..... مذہبی آزادی جس کی فراہمی اسلامی ریاست کا فرض ہے اور اسی مذہبی آزادی کے ضمن میں توہین کا جرم مترشح یا صادر ہو رہا ہے، مقصودی طور پر نہیں۔

ب..... حد سے تجاوز: چونکہ مذہبی آزادی حدود کا پابند ہوتی ہے اقلیتوں کو مذہبی آزادی دینے میں اسلامی ریاست اس حد کا بھی تعین کرتی ہے کہ مذہب پر آزادانہ عمل کے دوروں اکثریتی آبادی کے جذبات مجروح نہ ہونے پائیں، جبکہ یہاں مذہب پر آزادانہ عمل کے سبب مقرر کردہ حدود سے تجاوز لازم آ رہا ہے۔لہٰذا من حیث الذات جرم نہ سہی لیکن حدود کی پامالی کے سبب جرم قرار پائے گا۔مثلاً کوئی عیسائی غیر مسلم شہری اگر اپنی کسی طباعت میں قرآن پاک کو معاذ اللہ جھوٹی کتاب یا غیر منزل من اللہ لکھ دے تو چونکہ اس سے اکثریتی آبادی میں غیر معمولی اشتعال پیدا ہونے کے سبب ریاست کا امن تہ و بالا ہو سکتا ہے۔اس لئے خارجی عوامل کے سبب یہ بھی جرم مستوجب تعزیر قرار پائے گا۔اس صورت میں جرم کی مناسبت سے عدالت یا حکومت وقت قتل کے علاوہ کوئی دیگر سزا تجویز کر سکتی ہے۔

4...... جرم مما یتدین کے قبیل سے ہو اور غیر اعلانیہ انداز میں اس کا ارتکاب ہو گیا ہو لیکن مجرم بار بار کی تنبیہ کے باوجود باز نہیں آ رہا ہو تو چونکہ اس میں مجرم کی بے باکانہ جرأت اور جرم میں تکرار اور تعدد کی شدت آنے کے سبب چونکہ اس کا حجم حد

درجہ ضخیم ہو جاتا ہے اس لئے اس کو مستوجب قتل قرار دیکر عدالت یا حکومت وقت کو حق حاصل ہے کہ شواہد قائم کر کے سزائے موت کے ذریعہ اس کے اندر کے خناس کو ہمیشہ کے لئے باہر کر دے۔

صاحب ردالمحتار لکھتے ہیں:

لہ أن یعزر بالقتل فی الجرائم التی تعظمت بالتکرار وشرع القتل فی جنسہا. (ردالمحتار ج4 ص215)

ترجمہ: ''وہ جرائم جو خفیف نوعیت کے ہوں لیکن علی التکرار ارتکاب سے ان کا حجم بڑھ جاتا ہو تو اس صورت میں تکرار کے سبب حاکم وقت تعزیری طور پر مجرم کو مستوجب قتل قرار دے سکتا ہے''۔

دفعہ 295-B کے تحت قرآن پاک کی بے حرمتی یا توہین کرنے والے کی سزا فقط سزائے عمر قید وضع کی گئی ہے۔ چونکہ غیر مسلم شہری کے حق میں توہین قرآن کا جرم تعزیری ہے مستوجب حد نہیں ہے اس لئے عصری تقاضوں اور وقتی ضرورتوں کے اعتبار سے جہاں حکومت وقت کو سزا میں تغلیظ یا تخفیف کا اختیار ہے اور جہاں حکومت وقت جرم کے داخلی وخارجی عوامل کے اعتبار سے اس کو سنگین یا خفیف قرار دے سکتی ہے اسی طرح اپنے صوابدیدی اختیارات کو بروئے کار لاتے ہوئے اس کو حق حاصل ہے کہ تعزیری سزاؤں میں اسلامی ریاست وہ سزائیں لاگو نہ کرے جو بین الاقوامی روایات کے منافی ہوں۔ چونکہ بین الاقوامی سطح پر موت کی سزا کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے اور جرم جس نوعیت کا بھی ہو اس کے خلاف سزائے موت کے اجراء کو انسانیت کا

قتل خیال کیا جاتا ہے اور جو مذہب یا اہل مذہب اس قسم کی سزا کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں، نشانۂ ملامت قرار پاتے ہیں اسلیئے اس عالمی روایت کے احترام میں اسلامی ریاست اگر تعزیراتی سزاؤں کی حد تک قتل کی سزاؤں سے دست کش ہونا چاہے تو ہوسکتی ہے وجہ یہ ہے کہ حدود کی سزائیں تو وجوبی نوعیت کی ہوتی ہیں جبکہ تعزیراتی سزاؤں میں توسع بھی ہے اور وہ جوازی نوعیت کی بھی ہوتی ہیں ایک ہی متعین سزا تجویز کرنے میں حکومت وقت پابند نہیں ہے۔ اس لئے جرم کی مناسبت سے ایسی سزا کا تعین جو بین الاقوامی رواجات (Customs) سے تصادم کی راہ نہ لیتی ہو یا جس سے اسلامی ریاست کی ساکھ بین الاقوامی تناظر میں متاثر نہ ہوتی ہو۔ حکومت وقت کو اس کا بجا طور اختیار حاصل ہے۔

لیکن بین الاقوامی روایات اور عالمی قوانین کی پابندی جوازی اور مجتهد فیہ نوعیت کے مسائل میں ہوسکتی ہے۔ جبکہ وجوبی، اجماعی یا متفقہ مسائل میں اسلامی ریاست کو اسلامی قوانین اور شرعی اصول ہی کی پاسداری رکھنی ہوگی۔ جوازی نوعیت کے احکام کی مثال جیسے غلام اور باندی .... اسلام کے اندر مخصوص شرائط کے تحت انسانوں کی غلامی کا تصور جواز کی حد تک موجود ہے۔ لیکن بین الاقوامی قوانین غلام بنانے کو ممنوع قرار دیتے ہیں، انسان کی خرید وفروخت بین الاقوامی قوانین کے تحت سنگین نوعیت کا جرم قرار پایا ہے اس لئے اس قانون کے احترام میں اسلامی دنیا کو اس جوازی نوعیت کے قانون کو جرم اور ممنوع قرار دینا بالکل قرین انصاف ہے اس پابندی سے شرعی قوانین کی مخالفت بھی لازم نہیں آتی ہے اور بین الاقوامی رائے عامہ سے تعارض بھی لازم نہیں آتا ہے۔ لیکن وجوبی، اجماعی اور متفقہ احکام میں ایسا کوئی اختیار

حاصل نہیں ہو سکے گا۔ جس طرح بین الاقوامی قوانین کے احترام میں اسلامی ریاست کے جغرافیائی تشخص کو داؤ پر نہیں لگایا جا سکتا ہے۔ اسی طرح اسلامی ریاست کے مذہبی تشخص پر بھی سودے بازی نہیں کی جاسکتی ہے۔

لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ امت کی شیرازہ بندی کے لئے اسلامی ریاست کی جغرافیائی سرحدات کے تحفظ سے زیادہ اہمیت ریاست کے مذہبی تشخص اور امت کی نظریاتی وحدت کی ہے۔ نظریاتی وحدت اور مذہبی تشخص کی بقاء کے لئے مذہب کا احترام ازحد ضروری ہے۔ اقوام عالم میں امت مسلمہ کو صحیح مقام دلانے کے لئے مذہب اسلام کو ہر چیز سے بالا تسلیم کرنا اور کرانا ہوگا۔ مذہب اسلام اور شعائر اسلام کی تذلیل سے امت مسلمہ کی تذلیل ایک بدیہی امر ہے۔ اسلام بنیاد ہے بنیاد کے کمزور یا کھوکھلا ہونے سے ڈھانچہ کی تباہی یقینی ہوتی ہے۔ عصر حاضر میں امت مسلمہ کی کمزوری اور ذلت کا اصل راز یہی ہے۔

ذیل کے دل خراش اقتباس سے مقالہ کا اختتام کیا جاتا ہے:

''گوانتانا موبے میں امریکی تفتیش کار زیرِ حراست افراد کو ذہنی اذیت پہنچانے کے لئے قرآن پاک کی بے حرمتی کرتے ہیں مقدس کتاب کو ٹوائلٹ میں رکھتے ہیں، جبکہ ایک واقعہ میں امریکی اہلکاروں نے قرآن پاک کا نسخہ ٹوائلٹ کے فلش میں بہانے کی شرمناک اور مذموم حرکت بھی کی ہے۔'' (روزنامہ امت و معاصر اخبارات 8 مئی 2005)

ھذا منی، واللہ اعلم بالصواب

توہین انبیاء
کرام علیہم الصلوۃ والسلام......

چونکہ پاکستان کی پچانویں فیصد آبادی مسلمانوں کی ہے۔ اس لئے بین الاقوامی روایت کے مطابق پاکستانی عوام کے مذہبی جذبات کے تحفظ کے لیے قانون بالا کا وضع ہونا ضروری تھا۔ جیسا کہ انگلینڈ کے باشندوں کی اکثریت عیسائی ہونے کے سبب وہاں کے قانون میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں گستاخی جرم مستوجب قتل تھا۔ لیکن اب چونکہ وہاں کے قانون کامن لاء (Common Law) میں ترمیم (Amendment) کر کے سرے سے سزائے موت ہی موقوف قرار دے دی گئی ہے۔ اور سزائے عمر قید کو متبادل سزا کے طور پر جگہ دی گئی ہے۔ اس لئے کہنے میں وہاں توہین عیسیٰ علیہ السلام (Blasphemy) کی سزا سزائے عمر قید ہے۔ لیکن عملی طور پر یہ قانون انگلینڈ کے اکثریتی باشندوں کے دہریانہ خیالات کے باعث اپنی اہمیت کھو چکا ہے۔ آزادی اظہار (The freedom of Press) کے قانون نے بلاس فیمی لا کو نگل لیا ہے۔ اب وہاں کے کامن لاء میں اس قانون کا نام تو ہے کام نہیں ہے۔ وہاں کی میڈیا اپنی آزادی کے گھمنڈ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے بارے یں ایسے اہانت آمیز پروگرام نشر کرتی ہے جس کا مسلمانوں سے تصور بھی ناممکن ہے۔

توہین انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام

انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان رکھنا مسلمان کے ایمان کا حصہ ہے۔ انبیاء کرام کا احترام ایک مسلمان کا ایسا ہی فرض ہے جیسے پیغمبر پاک ﷺ کا احترام، تمام انبیاء کرام ہمارے سروں کے تاج ہیں اور ان سب کے سرتاج ہمارے پیغمبر پاک ﷺ ہیں، اسلام ہمیں اسی کی تعلیم دیتا ہے اور ہمیں اس کا پابند کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"لانفرق بین احد من رسلہ" (سورۃ البقرۃ آیت 285)

ترجمہ: "ہم جدا نہیں کرتے کسی کو اس کے پیغمبروں میں سے"۔

اس کے ذیل میں مفتی اعظم پاکستان محمد شفیعؒ لکھتے ہیں:

اس آیت کے بعد ایمان مجمل کی تفصیل بیان فرمائی جو آنحضرت ﷺ اور عام مومنوں میں شریک تھا کہ وہ ایمان تھا اللہ تعالیٰ کے موجود ہونے اور ایک ہونے پر اور تمام صفات کاملہ کے ساتھ متصف ہونے پر اور فرشتوں کے موجود ہونے اور اللہ تعالیٰ کی کتابوں اور سب رسولوں کے سچے ہونے پر۔

اس کے بعد وضاحت فرمائی کہ اس امت کے مومنین پچھلی امتوں کی طرح ایسا نہ کرینگے کہ اللہ کے رسولوں میں تفرقہ ڈالیں گے کہ بعض کو نبی مانیں اور بعض کو نہ مانیں۔ جیسے یہود نے حضرت موسیٰؑ کو نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو نبی مانا مگر خاتم الانبیاء کو نبی نہ مانا، اس امت کی یہ مدح فرمائی کہ یہ اللہ کے کسی رسول کا انکار نہیں کرتے۔" (معارف القرآن ج1 صفحہ 696)

مسلمان بچہ کو دینی مکتب میں سب سے پہلے ایمان مجمل اور ایمان مفصل سکھایا جاتا ہے۔ جس میں تمام سابقہ انبیاء کرام پر ایمان کا بھی ذکر تا ہوتا ہے اور اس بات پر

اس کی تربیت کی جاتی ہے کہ تمام انبیاء کرام ہمارے لئے اللہ اور اس کے رسول کے بعد سب سے زیادہ حتی کہ صحابہ کرام، والدین اور عزیز واقارب سے بھی زیادہ قابل احترام ہیں اور ان کی ہدایات اور تبلیغی تعلیمات ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔

انبیاء پر ایمان لانا اور ان کا حد درجہ احترام رکھنا ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ کوئی بھی مسلمان انبیاء کرام یا کسی نبی کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کرنے سے مرتد ہو جاتا ہے۔ اس میں علماء امت میں سے کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

صاحب فتاویٰ تاتارخانیہ لکھتے ہیں:

"ومن لم يقر ببعض الانبياء اوعاب نبيًا بشي اولم يرض بسنة من سنن المرسلين عليهم السلام فقد كفر" (فتاویٰ التاتارخانیہ ج4 صفحہ 477)

ترجمہ: "اور جو مسلمان بعض انبیاء پر ایمان نہ لائے، یا کسی نبی میں کسی بھی طرح عیب جوئی کرے، یا ان کی کسی سنت پر اظہار ناراضی کرے، تو وہ کافر اور مرتد ہے"۔

صاحب جامع الفصولین لکھتے ہیں:

ومن لم يقر ببعض الانبياء اوعاب نبيا بشيي اولم يرض بسنة من سنن المرسلين كفر (جامع الفصولین صفحہ 302)

ترجمہ: "جو مسلمان بعض انبیاء کی نبوت کا اقرار نہ کرے، یا ان کی کسی بھی طرح عیب جوئی کرے، یا ان کی کسی سنت پر اظہار ناراضی کرے تو وہ مرتد اور کافر ہو گیا"۔

صاحب منح الجلیل لکھتے ہیں۔

اجمعوا على تكفير من استخف نبيًا او باحد من الملائكة او ازدرئى عليهم اواذاهم فهو كافر بالاجماع (منح الجلیل ج9 صفحہ 210)

ترجمہ: "امت کا اجماع ہے اس شخص کے کفر پر جس نے کسی پیغمبر کی توہین کی یا کسی فرشتہ کی توہین کی یا عیب جوئی کی یا انھیں اذیت دی"۔

صاحب نہایۃ المحتاج لکھتے ہیں:

کذب رسولاً او نبیًا و نقصہ بای منقص کان صغرا سمہ قاصداً تحقیرہ (نہایۃ المحتاج ج7 صفحہ 415)

ترجمہ: ’’(وہ مسلمان شخص مرتد ہو جاتا ہے) جو کسی پیغمبر کی تکذیب کرے، یا کسی پیغمبر کی تنقیص کرے، نقص کسی بھی طرح سے ہو، جیسا کہ حقارت کی نیت سے ان کے مقدس نام کی تحقیر کرے‘‘۔

جب انبیاء کرام پر ایمان لانا ہمارے ایمان کا جزو لازم قرار پایا، تو پھر بھلا کیسے ممکن ہے کہ ایک مسلمان یہودیوں کے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور عیسائیوں کے پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تحقیر کرنے کی جسارت کریگا۔ ایک مسلمان کے لیے یہ مقدس ہستیاں ایسے ہی قابل احترام ہیں جیسے ہمارے اپنے پیغمبرؐ (اس اعتراف کے ساتھ کہ ہمارے پیغمبر افضل الرسل ہیں، اوراس کائنات کی ساری رونق اور وجود دراصل انہی کے دم سے قائم ہے) اس کے باوجود بھی ناپاک ذہنیت کا کوئی مسلمان کسی نبی کی اہانت کی جسارت کرے گا تو وہ مرتد ہونے کے سبب واجب القتل قرار پائے گا۔

شیخ وھبہ الزحیلی لکھتے ہیں:

واما من سب اللہ تعالیٰ او النبی او احدا من الملئکۃ او الانبیاء فان کان مسلما قتل اتفاقاً (الفقہ اسلامی وادلتہ ج26 صفحہ 184)

ترجمہ: ’’جو کوئی شخص اللہ تعالیٰ یا پیغمبر اسلام یا فرشتوں میں سے کسی کو یا انبیاء کرام کو گالی دے، تو اگر وہ مسلمان ہے تو اسے قتل کر دیا جائیگا، اس پر پوری امت کا اتفاق ہے‘‘۔

علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

والحکم فی سب سائر الانبیاء کالحکم فی سب نبینا ...... وما اعلم احدا فرق بینهما، وان کان اکثر کلام الفقهاء انما فیه ذکر من سب نبینا، فانما ذالک لمسیس الحاجة الیه وانما وجب التصدیق والطاعة له جملة و تفصیلا، ولاریب ان جرم سابه اعظم من جرم ساب غیره کما ان حرمته اعظم من حرمة غیره وان شارکه سائر اخوانه من النبیین والمرسلین فی ان سابهم کافر حلال الدم .

(الصارم المسلول علی شاتم الرسول صفحہ 565)

ترجمہ: ”انبیاء کرام کی شان میں گستاخی کا حکم وہی ہے جو ہمارے نبی کی شان میں گستاخی کا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ علماء امت میں سے کسی نے ان دونوں میں فرق رکھا ہو۔ اگرچہ عموماً فقہاء کی بحث کا موضوع سخن ہمارے نبی کی شان میں گستاخی کرنے والے کا حکم ہوتا ہے، تخصیص کی ضرورت اس لئے پڑتی ہے کیونکہ آپ کی تصدیق اور اطاعت امت کو تفصیلی انداز میں کرنا ضروری ہوتا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ دونوں جرم مستوجب قتل ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ شان رسالت میں گستاخی کرنے کا جرم دیگر انبیاء کرام کی شان میں گستاخی کرنے کے جرم سے بدرجہا بڑھ کر ہے۔ جیسے آپ سے عقیدت واحترام دوسرے انبیاء کرام کی نسبت زیادہ رکھنا ضروری ہے، لیکن اس کے باوجود دونوں جرموں کے احکام میں مماثلث یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں مجرم مرتد اور مستوجب قتل ہے۔“

لیکن...... یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ انبیاء کرام سے مراد یہ ہے کہ ان کا ذکر یا تو قران وحدیث میں آیا ہو، یا ان کے نبی ہونے پر امت کا اتفاق ہوا ہو۔

لہٰذا.... اگر کوئی شخص ایسی بزرگ ہستی کی شان میں گستاخی کرے۔ جس کا نبی ہونا ازروئے نص معروف نہ ہو۔ یا اس کے نبی ہونے میں علماء امت کا اختلاف ہو، تو اس صورت میں گستاخی اگرچہ جرم ہے لیکن مستوجب ارتداد اور مستوجب قتل نہیں ہے۔

صاحب فتاویٰ عالمگیریہ لکھتے ہیں:

''سئل ابن مقاتل عمن انکر نبوۃ الخضر و ذی الکفل فقال کل من لم تجتمع الأمۃ علی نبوتہ لا یضرہ ان جحد نبوتہ'' (الفتاویٰ العالمگیریہ ج2 صفحہ 263)

ترجمہ: ''ابن مقاتل سے کسی نے اس شخص کا حکم پوچھا جو حضرت خضر اور ذوالکفل کی نبوت کا انکار کرتا ہو، جواب دیا: جس کے نبی ہونے پر امت کا اجماع قائم نہیں ہوا ہو۔ اس کی نبوت کے انکار کرنے سے کفر ثابت نہیں ہوگا''۔

انبیاء کرام کی جنس کو لے کر اگر کوئی شخص گستاخی کا مرتکب ہوتا ہے۔ یا محض نبی یا رسول کے لفظ کو لے کر اس کی توہین کا مرتکب ہوتا ہے۔ تو اس صورت میں جرم مستوجب ارتداد اور مستوجب قتل قرار پائیگا۔

علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

فمن سب نبیا مسمی باسمہ من الانبیاء المعروفین فی القرآن اوموصوفاً بالنبوۃ مثل ان یذکر فی حدیث ان نبیا فعل کذا اوقال کذا، فیسب ذالک القائل او الفاعل مع العلم بانہ نبی وان لم یعلم من ھو او یسب نوع الانبیاء علی الاطلاق

فالحکم فی ھذا کما تقدم. (الصارم المسلول صفحہ 565)

ترجمہ: ''جو کوئی مسلمان ایسے پیغمبر جس کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے۔ یا حدیث پاک میں لفظ نبوت کے ساتھ باوصف ذکر آیا ہو کہ نبی نے ایسا کیا یا کہا۔ اور کوئی شخص اس وصف کے ساتھ متصف قائل یا فاعل کی شان میں گستاخی کرے حالانکہ وہ جانتا ہوتا ہے کہ وہ پیغمبر ہے اگرچہ علی التعیین نہیں پتہ ہوتا ہے۔ یا گستاخی کرنے والا کسی خاص پیغمبر کو نشانہ بنانے کی بجائے انبیاء کرام کی جنس کی شان میں عمومیت کے ساتھ گستاخی کرے، تو اس کا حکم (جرم مستوجب ارتداد اور مستوجب قتل ہے) وہی ہے جو پیچھے گزر چکا ہے''۔

کوئی مسلمان ایسے پیغمبر کی علی التعیین گستاخی کرے جس کی نبوت پر امت کا اجماع قائم ہوا ہو تو جرم مستوجب ارتداد اور مستوجب قتل ہوگا۔ جیسے کوئی مسلمان یہودیوں کے پیغمبر حضرت موسیٰ یا عیسائیوں کے پیغمبر حضرت عیسیٰ کی شان میں گستاخی کرے۔

یہ ساری تفصیل تو اس صورت میں تھی جبکہ انبیاء کرام کی توہین کرنے والے کا تعلق اسلام سے ہو۔ تو اس صورت میں بالاتفاق اس کی سزا قتل ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

شیخ الزحیلی لکھتے ہیں:

واما من سب ...... الانبیاء فان کان مسلما قتل اتفاقا.

(الفقہ الاسلامی وادلتہ ج6 صفحہ 184)

ترجمہ: ''جو شخص انبیاء کرام کی شان میں گالم گلوچ کرے۔ تو اگر وہ مسلمان ہو، تو

باجماع امت اس کی سزا قتل ہے“۔

لیکن...... مسلمان کی بجائے وہ اسلامی ریاست کا غیر مسلم باشندہ ہو، تو سابقہ مضمون میں تحریر کردہ تفصیل کے مطابق ائمہ ثلثہ کے نزدیک گستاخی کا جرم مستوجب حد بصورت قتل ہے، جبکہ حنفی فقہاء کے نزدیک جرم مستوجب حد ہونے کی بجائے مستوجب تعزیر ہے، تعزیری سزا کیا دینی ہے، یہ جرم کی نوعیت پر ہے، اس کی پوری تفصیل پچھلے صفحات میں ذکر کردی گئی ہے۔ وہاں (شاتم رسول کی سزا میں) ملاحظہ فرمالیں۔

1...... گزشتہ صفحات میں ذکر کردہ تفصیل کے مطابق اگر اسلامی ریاست کا یہودی باشندہ علی الاعلان یا طباعتی شکل میں حضرت عیسیٰ کی توہین کا یا کوئی عیسائی باشندہ حضرت موسیٰ کی توہین کا مرتکب ہو، تو عدالت مجرم کے خلاف سزائے موت کا فیصلہ جاری کریگی۔

2...... اسلامی ریاست کا کوئی غیر مسلم باشندہ حضرت عیسیٰ یا حضرت موسیٰ کی توہین غیر اعلانیہ انداز میں کرے، لیکن باربار مرتکب جرم ہو، تو اس کو بھی سزائے موت دی جائے گی۔

3...... ٹی وی پر کسی پیغمبر کو توہین آمیز صورت میں پیش کرنا مستوجب قتل جرم ہے۔

مذکورہ تینوں جرائم کے مستوجب قتل ہونے پر پوری امت کا اتفاق ہے۔

صاحب رد المحتار لکھتے ہیں:

أفتى فى بكر اليهودى قال لبشر النصرانى نبيكم عيسى ولد زنا بانه يقتل لسبه للانبياء عليهم الصلوة والسلام (ردالمحتار ج4 صفحہ 215)

ترجمہ: ایک یہودی شخص جس کا نام بکر تھا اس نے بشر نامی عیسائی سے کہا تمہارے پیغمبر (معاذ اللہ) زنا کی اولاد ہے۔ علماء نے اس گستاخ کے خلاف قتل کا فتویٰ دیا کیونکہ پیغمبروں کو گالی دینا جرم مستوجب قتل ہے۔"

جب اسلام میں تمام انبیاء کرام کی توہین جرم قرار پائی ہے۔ تو پھر موضوعہ دفعہ (295-C) کو صرف پیغمبر پاک ﷺ کی مقدس ذات میں محدود کرنے کی بجائے اگر تمام معروف انبیاء کرام کے مقدس ناموں تک وسعت دی جاتی۔ تو شرعی حوالہ سے یہ زیادہ قرین انصاف ہوتا۔ اور یہ مسلمانوں کے ایمان کا عین مقتضیٰ بھی ہے۔

پیغمبر پاک ﷺ کے مقدس نام تک دفعہ مذکورہ کی محدودیت کا باعث بین الاقوامی روایت ہے:

"ایسا عمل جو شہریوں کی اکثریت کے مذہبی عقائد کو مجروح کرنے والا ہو، جرم کے زمرہ میں آتا ہے۔" (سوئس کیس A.L.R صفحہ 871)

چونکہ پاکستان کی پچانویں فیصد آبادی مسلمانوں کی ہے۔ اس لئے بین الاقوامی روایت کے مطابق پاکستانی عوام کے مذہبی جذبات کے تحفظ کے لیے قانون بالا کا وضع ہونا ضروری تھا۔ جیسا کہ انگلینڈ کے باشندوں کی اکثریت عیسائی ہونے کے سبب وہاں کے قانون کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں گستاخی جرم مستوجب قتل تھا۔ لیکن اب چونکہ وہاں کے قانون کامن لاء (Common Law) میں ترمیم (Amendment) کر کے سرے سے سزائے موت ہی موقوف قرار دے دی گئی ہے۔ اور سزائے عمر قید کو متبادل سزا کے طور پر جگہ دی گئی ہے۔

اس لئے کہنے میں وہاں توہین عیسیٰ علیہ السلام (Blasphemy) کی سزا سزائے عمر قید ہے۔ لیکن عملی طور پر یہ قانون انگلینڈ کے اکثریتی باشندوں کے دہریانہ خیالات کے باعث اپنی اہمیت کھو چکا ہے۔ آزادیٔ اظہار (The freedom of Press) کے قانون نے بلاس فیمی لا کو نگل لیا ہے۔ اب وہاں کے کامن لاء میں اس قانون کا نام تو ہے، کام نہیں ہے۔ وہاں کی میڈیا اپنی آزادی کے گھمنڈ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایسے اہانت آمیز پروگرام نشر کرتی ہے جس کا مسلمانوں سے تصور بھی ناممکن ہے۔

اللهم انا نجعلک فی نحورهم و نعوذ بک من شرورهم

هذا منی واللہ اعلم بالصواب

شاتم صحابہ کی سزا......

پاکستانی قانون کے اندر تحفظ ناموس صحابہؓ کی دفعہ مجریہ آرڈیننس 44 - 1980ء کا نفاذ خوش آئند پیش رفت ہے، اس دفعہ کے اضافہ سے جمیع صحابہ بشمول امہات المومنین، اہل بیت، خلفائے راشدین کے ناموس کو قانونی تحفظ حاصل ہوا ہے اور امت مسلمہ جو صحابہ کرام کو پیغمبر اسلام اور انبیاء کرام کے بعد سب سے زیادہ عزیز رکھتی ہے، اس دفعہ کے وضع ہونے سے باشندگان پاکستان کے اندر خوشی کی لہر کا دوڑنا بالکل ایک فطری عمل ہے۔ لیکن قدرے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ دفعہ ہذا کو نوشت وخواندن تک محدود کرنے کی بجائے عملی ضابطہ کار اور تنفیذی اقدامات سے بھی مالا مال کر دیا جاتا۔ تو آج مملکت خداداد پاکستان کے اندر شدت پسند اور فرقہ واریت پر مبنی تحریکیں پروان نہ چڑھ سکتی ہوتیں، عملی کارروائی نہ ہونے کے نتیجے نے ہی دراصل ان تحریکات کی داغ بیل ڈالی ہے۔

شاتم صحابہ کی سزا......

298-A whoever by words, either spoken or written, or by visible representation, or by on imputation, innoendo or insinuation, directly or indirectly, defiles the sacred name of any wife (Umm-ul-Momineen) or members of the family (Ahl-e-Bet) of the Holy Prophet (ﷺ) or any of the righteous caliphs (Khulafa e Rashideen) or companions (Sahaba) of the Holy Prophet (ﷺ) shall be punished with imprisonment of either description for a term which may extend to three years, or with fine or with both.

ترجمہ: جوکوئی پیغمبر پاک ﷺ کی کسی بیوی، یا انکے اہل بیت اور کنبہ یا خلفائے راشدین میں سے کسی کی یا پیغمبر پاک ﷺ کے صحابہ کی الفاظ سے خواہ زبانی ہوں یا تحریری، ظاہری اشاروں سے، یا معنوی طور پر، طعن زنی کر کے یا تعریض کر کے، بلاواسطہ یا بالواسطہ توہین کا مرتکب ہو، اسے دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی قید کی سزا دی جائے گی جس کی مدت تین برس تک ہوسکتی ہے، یا جرمانہ یا دونوں سزائیں۔

تشریح: دفعہ بالا آرڈیننس نمبر 44- 1980ء کے ذریعہ وجود میں آئی ہے۔

دفعہ بالا کے نفاذ (Enforcement) سے مقصد امہات المؤمنین، خلفائے راشدین اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام کی شان میں کسی بھی قسم کی گستاخی، بے حرمتی اور توہین کو مستوجب سزا قرار دینا ہے۔

مسلمان قوم کی صحابہ کرام کے ساتھ والہانہ عقیدت ومحبت کا مقتضی یہ ہے کہ مسلمانوں کے بنائے ہوئے ممالک اور مسلم اکثریتی ملک میں صحابہ کرام کو محبت وعقیدت کی نگاہ سے دیکھا جائے۔

معاشرہ میں ان کی محبت واحترام کو پروان چڑھانے کے لئے دیگر امور کے ساتھ ساتھ ایک ضروری امر یہ بھی ہے کہ مملکت خداداد پاکستان کے قانون میں ناموس صحابہ اور ان کے تحفظ کے تانے بانے بھی ترتیب پائیں، اور ایسا موقع ہی نہ آنے دیا جائے کہ سرزمین پاکستان پر بسنے والے کروڑوں عاشقانِ صحابہ کے دل کسی دریدہ دھن گستاخ صحابہ کے سب وشتم سے مجروح ہوں۔

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ رسول پاک ﷺ اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد اللہ تعالیٰ کے سب سے مقرب، برگزیدہ اور محبوب بندے آپ ﷺ کے صحابہ ہیں۔قرآن پاک نے جابجا ان کی قدر ومنزلت اور ان کی عزت واحترام کا سرٹیفکیٹ جاری فرمایا ہے، دنیا کے اندر ان کے جیتے جی اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی خوشنودی کا پروانہ جاری فرمایا تھا۔

1 ......اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: والسابقون الأولون من المهاجرين والأنصار والذين اتبعوهم بإحسان رضى الله عنهم ورضوا عنه......

(سورۃ التوبہ آیت 100)

ترجمہ: مہاجر اور انصار درجہ میں مقدم اور سابق ہیں، اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں۔ اللہ ان سب سے راضی ہوا، اور وہ سب اس سے راضی ہوئے۔

2...... لقد رضى الله عن المؤمنين اذيبا يعونک تحت الشجرة.

(سورۃ الفتح آیت 18)

ترجمہ: بتحقیق اللہ تعالیٰ راضی ہوا ان مسلمانوں سے جبکہ یہ لوگ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔

3۔۔۔۔لقد تاب الله على النبى والمهاجرين والأنصار والذين اتبعوه فى ساعة العسرة من بعد ما كاد يزيغ قلوب فريقٍ منهم ثم تاب عليهم انه بهم رؤفٌ رحيمٌ. (سورۃ التوبہ آیت117)

ترجمہ: ”بتحقیق اللہ تعالیٰ نے پیغمبر کے حال پر توجہ فرمائی اور مہاجرین وانصار کے حال پر بھی، جنہوں نے ایسی تنگی کے وقت پیغمبر کا ساتھ دیا بعد اس کے کہ ان میں سے ایک گروہ کے دلوں میں کچھ تذبذب ہو چلا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے حال پر توجہ فرمائی، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان سب کے حال پر شفیق اور مہربان ہے“۔

1۔۔۔۔ نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے:

لایدخل النار احدٌ بایع تحت الشجرة.

ترجمہ: ”جہنم میں داخل نہیں ہوسکتا وہ شخص جس نے درخت کے نیچے اللہ کے رسول کے ہاتھ پر بیعت کی ہو“۔

2۔۔۔۔ لاتسبوا اصحابی فإن احدکم لو أنفق مثل أحدٍ ذهبًا ماادرک مدأحدهم ولانصيفه. (بخاری ومسلم)

ترجمہ: ”میرے صحابہ کو برا بھلا مت کہو، کیونکہ تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ جتنا سونا اللہ کی راہ میں خرچ کر دے، وہ نہیں پاسکے گا ان صحابہ میں سے کسی ادنیٰ صحابی کے خرچ کئے ہوئے مال کی ادنیٰ مقدار یا اس کے کسی حصہ کو“۔

3۔۔۔۔ عن محمد بن طلحة المدينى عن عبدالرحمن بن سالم بن عتبه بن عويم بن ساعده عن ابيه عن جده قال قال رسول الله ﷺ ”إن الله اختارنى واختارلى أصحاباً، جعل لى منهم وزراء وانصارًا واصهارًا

فمن سبهم فعليه لعنة الله والملائكة والناس اجمعين، لايقبل الله منه يوم القيامة صرفاً ولاعدلاً.

ترجمہ: ''اللہ کے رسول نے فرمایا ہے: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پسند کیا۔ اور میرے واسطے صحابہ کا انتخاب کیا، ان میں سے میرے لئے بنائے وزراء، مددگار اور تعلق دار، پس جو شخص انہیں برا بھلا کہے، تو اس پر اللہ کی لعنت، فرشتوں اور سارے لوگوں کی لعنت ہو، اللہ ایسے شخص سے قیامت کے روز قبول نہیں کریگا اس کا خرچ کردہ مال اور نہ اس کی مقدار''۔

4...... عن عبدالله بن مغفل قال قال رسول الله ﷺ الله الله فی اصحابی لاتتخذوهم غرضاً من بعدی من احبهم فقد احبنی ومن ابغضهم فقد ابغضنی ومن اذاهم فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی الله ومن اذی الله فیوشک ان یاخذه. (جامع الترمذی)

ترجمہ: ''عبداللہ بن مغفل کہتے ہیں، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: میرے صحابہ کے بارے میں تمہیں اللہ کا واسطہ میرے صحابہ کو میرے بعد نشانۂ تنقید نہ بنانا۔ جو شخص صحابہ سے محبت رکھے گا۔ درحقیقت اس نے مجھ سے محبت کی، اور جو ان سے بغض رکھے گا۔ درحقیقت اس نے مجھ سے عداوت رکھی۔ اور جس نے انہیں تکلیف دی، درحقیقت اس نے مجھے تکلیف دی۔ اور جس نے مجھے تکلیف دی۔ درحقیقت اس نے اللہ تعالیٰ کو تکلیف دی۔ اور جس نے اللہ تعالیٰ کو تکلیف دی۔ تو اللہ تعالیٰ بہت جلد اس کی گرفت کرلے گا''۔

5...... عن عطاء بن ابی رباح عن النبی ﷺ قال لعن الله من سبَّ

أصحابی.

ترجمہ: ''عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جو شخص میرے صحابہ کو سب وشتم کرے، اللہ کی اس پر لعنت ہو''۔

درج بالا دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام سے بےلوث محبت رکھنا مسلمان پر واجب ہے اور کوئی ایسا لفظ زبان پر یا تحریر میں لانا جس سے صحابہ کرام کی عظمت شان گھٹ سکتی ہو، وہ لفظ خواہ کسی بھی ذریعہ سے استعمال ہوا ہو، بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ، تعریضی انداز میں ہو یا صریح انداز میں۔ اشاروں کنایوں میں ہو یا کھل کر واضح انداز میں ہو، ایسے لفظ یا جملہ کا استعمال باجماع امت حرام ہے۔

علامہ ابن تیمیہ اپنی شہرہ آفاق کتاب میں لکھتے ہیں:

وهذا ممالانعلم فيه خلافاً بين اهل الفقه والعلم من اصحاب رسول الله ﷺ والتابعين لهم باحسان وسائر اهل السنة والجماعة، فإنهم مجمعون علىٰ أن الواجب الثناء عليهم والاستغفار لهم والترحم عليهم والترضى عنهم واعتقاد محبتهم وموالاتهم وعقوبة من أساء فيهم القول. (الصارم المسلول علی شاتم الرسول 578)

ترجمہ: اور یہ ایسی بات ہے جس میں اہل علم اور فقہاء کرام میں سے کسی کا اختلاف سامنے نہیں آیا ہے۔ بلکہ صحابہ کرام، تابعین اور اہلِ سنت والجماعت سب کا اس بات پر اجماع ہے۔ کہ صحابہ کرام امت کے لئے واجب الاحترام ہیں، مسلمانوں کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ انکی مغفرت ورحمت کے لئے دعا گو ہوں۔ صحابہ کرام کے لئے دل صاف رکھنا اور کسی قسم کی کدورت نہ رکھنا، اوران سے محبت واحترام کا عقیدہ رکھنا

مسلمان کا فرض ہے۔اور صحابہ کرام کی شان میں جو شخص بدگوئی کرے اس کو تعزیری سزا دینا واجب ہے"۔

درج بالا اقتباس سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

1......صحابہ کرام سے عقیدت و محبت کا رشتہ رکھنا ہر مسلمان کا فرض ہے اور صحابہ کرام یا کسی صحابی سے بغض رکھنا حرام ہے۔

2......علانیہ یا تحریری انداز میں کسی صحابی کے خلاف ایسا جملہ زبان پر لانا جس سے اس صحابی کی عظمت شان گھٹ سکتی ہو جرم مستوجب تعزیر (offence liable to Tazir) ہے۔

علامہ ابن تیمیہ ابراہیم نخعیؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

شتم أبی بکر وعمر من الکبائر (الصارم المسلول صفحہ 578)

حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کی شان میں نازیبا الفاظ کہنا گناہِ کبیرہ ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ صحابہ کرامؓ کی عظمت شان کے بارے میں لکھتے ہیں:

وخیر الأمة بعد النبی ﷺ ابوبکر وعمر بعد ابی بکر وعثمان بعد عمرو علی بعد عثمان وهم خلفاء راشدون مهدیون. ثم اصحاب رسول الله بعد هؤلاء الأربعة خیر الناس لایجوز لأحد ان یذکر شیئا من مساویهم ولایطعن علی احد منهم بعیب ولانقص فمن فعل ذالک فقدوجب تادیبه وعقوبته لیس له ان یعفو عنه بل یعاقبه ویستتیبه فان تاب قبل منه وان ثبت اعاد علیه العقوبة وخلده فی الحبس حتی یموت اویراجع. (الصارم المسلول صفحہ 568)

ترجمہ: ''پیغمبر اسلام کے بعد اس امت کے سب سے افضل شخص حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں۔ آپ کے بعد حضرت عمرؓ، آپؓ کے بعد حضرت عثمانؓ اور آپؓ کے بعد حضرت علیؓ ہیں اور یہ چاروں ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کہلاتے ہیں۔ ان کے بعد عام صحابہ امت کے سب افضل لوگ ہیں، ان کی کسی کمزوری کا ذکر زبان پر لانا کسی کے لئے روا نہیں ہے اور نہ ان کی عیب جوئی کر کے ان کو طعن و تشنیع کرنا جائز ہے۔ جو شخص اس کا مرتکب ہوگا۔ اس کو تعزیری سزا دینا اسلامی ریاست کا فرض ہے۔ اس کو معافی دینا حاکم وقت کے لئے جائز نہیں ہے، بلکہ سزا دی جائے گی اور آئندہ نہ کرنے کی یقین دہانی کے لئے مجرم سے توبہ کروائی جائے گی، اگر توبہ کر لیتا ہے تو بہتر، اور توبہ نہ کرنے کی صورت میں اس کو دوبارہ سزا دی جائے، اور اس وقت تک جیل میں رکھا جائے کہ یا تو جیل میں گل سڑ کر مر جائے یا اپنے کئیے سے باز آ جائے''۔

عن علی بن ابی طالب قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من سبّ نبیاً فاقتلوه ومن سب اصحابی فاجلدوه. رواه ابو محمد الخلال وابو القاسم الأرجی ورواه ابوذر الهروی. (الصارم المسلول علی شاتم الرسول صفحہ 93)

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جو شخص کسی پیغمبر کو سب و شتم کرے۔ اس کو قتل کر ڈالو اور جو شخص میرے صحابہ کو سب و شتم کرے، اس کے کوڑے مارو۔

گستاخ صحابہ کے بارے میں امام مالکؒ فرماتے ہیں:

من شتم النبی ﷺ قتل ومن سبّ اصحابه أدب. (الشفاء جلد 2 صفحہ 205)

ترجمہ: پیغمبر اسلام کی شان میں نازیبا الفاظ بولنا مستوجب قتل جرم ہے، جبکہ صحابہ کو سب وشتم کرنا مستوجب تعزیر جرم ہے۔

مشہور فقیہ ومحدث اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں:

من شتم أصحاب النبی ﷺ یعاقب ویحبس۔ (الصارم المسلول صفحہ 568)

ترجمہ: جو شخص صحابہ کرام کو سب وشتم کرے، اس کو سزا دیجائے، اور جیل میں رکھا جائے۔

درج بالا اقتباسات سے واضح ہوا کہ صحابہ کرامؓ سے محبت واحترام کا عقیدہ رکھنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اور انہیں ہدف تنقید یا طعن وتشنیع بنانا حرام اور مستوجب تعزیر جرم ہے، جرم مستوجب تعزیر کا مطلب بھی آپ سمجھ گئے ہیں، کہ حاکم وقت یا عدالت کو جرم کی نوعیت، جرم کے حالات وپس منظر، مجرم کی مجرمانہ ذھنیت کے اعتبار سے جو معقول سزا مناسب لگتی ہو، تجویز کردے جیسا کہ دفعہ بالا میں تجویز کی گئی ہے۔

پاکستانی قانون کے اندر تحفظ ناموس صحابہؓ کی دفعہ مجریہ آرڈیننس 44-1980ء کا نفاذ خوش آئند پیش رفت ہے، اس دفعہ کے اضافہ سے جمیع صحابہ بشمول امہات المؤمنین، اہل بیت، خلفائے راشدین کے ناموس کو قانونی تحفظ حاصل ہوا ہے اور امت مسلمہ جو صحابہ کرام کو پیغمبر اسلام اور انبیاء کرام کے بعد سب سے زیادہ عزیز رکھتی ہے، اس دفعہ کے وضع ہونے سے باشندگان پاکستان کے اندر خوشی کی لہر کا دوڑنا بالکل ایک فطری عمل ہے۔ لیکن قدرے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ دفعہ بالا کو نوشت وخواندن تک محدود کرنے کی بجائے سہل ضابطہ کار اور تنفیذی اقدامات سے بھی مالا مال کردیا جاتا۔ تو آج مملکت خداداد پاکستان کے اندر شدت پسند اور فرقہ واریت

پر مبنی تحریکیں پروان نہ چڑھتی ہوتیں، عملی کارروائی نہ ہونے کے تاروپود نے ہی دراصل ان تحریکات کی داغ بیل ڈالی ہے۔

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ کسی ملک کے استحکام اور بقاء کے لئے جہاں اس کی جغرافیائی سرحدوں کا تحفظ ضروری ہے، اسی طرح باشندگان وطن کی شیرازہ بندی کیلئے ملک کی نظریاتی سرحدوں کا تحفظ بھی اتنا ہی ضروری ہوتا ہے۔ جب صحابہ کرامؓ سے محبت واحترام کا عقیدہ رکھنا امت مسلمہ کے ایمان کا حصہ ہے، تو ایسی برگزیدہ ہستیوں کے بارے میں کسی قسم کی بے ادبی، ہرزہ سرائی اور گستاخی کو ایک غیرت مند مسلمان کیسے برداشت کرسکتا ہے، ناموس صحابہ کو قانونی تحفظ حاصل نہ ہونے کے نتیجہ میں ملک کے اندر انارکی پھیلنا، فتنہ وفساد کا زور پکڑنا، فرقہ واریت اور قتل وغارتگری کا بازار گرم ہونا ایک بدیہی امر ہے۔ جیسے ماں باپ اور رفیقۂ حیات کی عزت پر حملہ ایک باعزت شہری کو جذباتی بناتا ہے۔ اس سے کہیں زیادہ صحابہ کرام کی شان میں اشتعال انگیزی ایک مسلمان کو مشتعل کرکے دریدہ دھن گستاخ صحابہ کے خلاف کچھ بھی کرنے پر آمادہ کرسکتی ہے۔ اس لئے ایسے شرپسند عناصر جو سرِ بازار ناموس صحابہ پر حملہ کے مرتکب ہوں وہ سنگین سزا کے مستحق قرار دیئے جائیں، تاکہ ملک میں فرقہ واریت، فتنہ اور فساد پرورش نہ پاسکے، اگر ناموس صحابہ کے تحفظ میں قانون پر عملدرآمد نہ ہونے کے برابر ہوگا، تو پھر گستاخ صحابہ اور اس کے خلاف مشتعل ہونے والے فدایانِ صحابہ پر عدالت کے دروازے بند ہونے کے برابر ہوں گے، جس کی وجہ سے ہر کوئی قانون کی لاٹھی اپنے ہاتھ میں لیکر مجرموں سے انتقام لیگا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ملک کا امن وامان تہہ وبالا ہوجائے گا، قانون پر سے عوام کا اعتماد اٹھ جائے گا، ضیاء دورِ اقتدار سے لیکر آج

تک فرقہ واریت کے خونیں سانحات دراصل اسی ردعمل کا نتیجہ ہیں اور ہم سمجھ سکتے ہیں کہ فرقہ وارانہ فسادات نہ صرف مسلم معاشرہ میں دراڑیں پیدا کر سکتے ہیں۔ بلکہ ملک اور باشندگان وطن کے امن وسلامتی کو بھی داؤ پر لگا سکتے ہیں۔

جن برگزیدہ اور پاکباز ہستیوں کے طفیل یہ دنیا حق پرستی، عدل وانصاف، سچائی، ایمانداری، اخلاص، عہد ووفا جیسی اعلیٰ اقدار سے روشناس ہوئی ہے۔ اور جن کے تبلیغی اور جہادی سلسلوں کی بدولت مملکت پاکستان وجود میں آیا ہے۔ اب اس ملک کے اندر ان برگزیدہ ہستیوں کی شان میں دشنام طرازی ہو، تو تازیانہ قانون اس لئے حرکت میں نہ آئے کہ عصری قانون کو پرانے دور کے پرانے لوگوں سے کیا تعلق ہوسکتا ہے۔

تعزیری سزاؤں کی تحدید اور ضابطہ کار حکومت وقت کی صوابدید پر ہے۔ حکومت وقت کو اختیار حاصل ہے کہ وہ کسی جرم مستوجب تعزیر کو جرم کی نوعیت، اس کی سنگینی، عوامی ردعمل، جرم کے سیاق وسباق، مجرم کی مجرمانہ ذھنیت کے اعتبار سے جیسے مناسب ہو، سزا تجویز کردے، شریعت تعزیری سزا کی تحدید یا سزا کے حوالہ سے کسی خاص ضابطہ کار کا حکومت وقت کو پابند نہیں کرتی ہے، لیکن یہ تاکید ضرور کرتی ہے کہ جرم کا قلع قمع کرنے کے لئے حکومتی تدابیر ایسی ہونی چاہئیں کہ مجوزہ تعزیری سزا سے جرم ختم ہوتا ہوا نظر آئے، اسی فلسفہ کی بنیاد پر تعزیری سزاؤں کو قابل ترمیم (Amendable) اور قابل تنسیخ رکھا گیا ہے کیونکہ وقت، مجرمانہ ذہنیت اور عوامی ذہن کے بدلنے سے تعزیراتی سزاؤں میں تبدیلی ناگزیر ہوجاتی ہے۔ ورنہ ''جرم کچھ

اور سزا "کچھ" ہونے کے سبب وہی سزا اس جرم کی تقویت کا پیش خیمہ بنے گی۔

درج بالا دفعہ 298-A۔ چونکہ جرم مستوجب تعزیر کے حکم پر مشتمل ہے اس لئے مستوجب تعزیر سے بدیہی طور پر یہ امر مترشح ہوجاتا ہے، کہ اس کی سزا اور ضابطہ کار کی تحدید میں حکومت وقت از روئے شرع بااختیار ہے۔ اس لئے حکومت وقت نے آرڈیننس نمبر 44 مجریہ 1980ء کے ذریعہ اپنے صوابدیدی اختیارات کو بروئے کار لاتے ہوئے جرم کی سزا کی تحدید کے ساتھ ساتھ ضابطہ کار کے لحاظ سے جرم کو درج ذیل حیثیت میں رکھا ہے۔

1.....قابل دست اندازی پولیس (cognisable) یعنی مجرم کی گرفتاری اور عدالتی فیصلہ دعوائے مدعی کا محتاج نہیں ہے، بلکہ عدالت یا پولیس کو جب مذکورہ بالا جرم کے وقوع کا علم ہوجائے، تو وہ از خود مجرم کے خلاف کارروائی کرسکتی ہے، اور مجرم کو دفعہ 298-A کے تحت گرفتار کرسکتی ہے۔

علامہ ابن تیمیہ نے جرم بالا کی مذکورہ خصوصیت کی طرف ان الفاظ میں اشارہ فرمایا ہے:

ولهذا قلنا: إن من سب اصحاب رسول الله ﷺ فإنه يجب أن يعزر ويؤدب او يقتل وإن لم يطالب بحقهم معين لأن نصر المسلمين واجب على كل مسلم بيده ولسانه فكيف على ولي الأمر؟

(الصارم المسلول صفحہ 443)

ترجمہ: "اسی بنیاد پر ہم کہتے ہیں، کہ جو شخص پیغمبر اسلام کے صحابہ کو گالم گلوچ کرے، تو اس کے خلاف تعزیری سزا کا اجراء حکومت وقت کا فرض ہے، حتی کہ تعزیری

طور پر جرم کی سنگینی کے اعتبار سے اس کو قتل تک کی سزا دی جا سکتی ہے، سزا کے اجرا کے لئے ضروری نہیں کہ کوئی معین شخص اس جرم کے وقوع کا دعوی فائل کرے، بلکہ ایک فرض کے طور پر ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ دعویٰ اور ثبوت کی فراہمی کے ذریعہ عدالتی فیصلہ کے اجرا میں حکومت سے تعاون کرے۔"

2......قابل ضمانت (Bailable)

مستوجب تعزیر جرائم میں اصل یہ ہے کہ جرم کا فیصلہ ہونے تک ملزم (convict) کو قید نہ کیا جائے، کیونکہ ملزم کو گرفتار کرنے سے لازم آئے گا کہ قبل از فیصلہ محض شک کی بنیاد پر قید (جو کہ ایک مستقل تعزیری سزا ہے) کا اجراء کر دیا، حالانکہ قبل از فیصلہ تعزیری سزا کا اجراء کسی طور پر بھی قرینِ انصاف نہیں ہے۔ (خاص حالات......مثلاً مجرم کے فرار کا خطرہ......اس حکم سے مستثنیٰ ہیں)۔

صاحب فتح القدیر لکھتے ہیں:

لأن الحبس بمفرده يقع تعزيرًا تامًا، ولهذا لايحبس فى تهمة وجوب التعزير قبل ثبوته بأن شهد شاهدان مستوران على أنه قذف محصنا فقال يا فاسق فلايحبس المتهم قبل تعديل الشهود كما شرع فى الحد لان الحبس تعزير فلايحبس قبل ثبوته بخلاف ماإذا اتهم بمايوجب الحد لأن التعزير أدنى من الحد فناسب ان يعاقب به عندالتهمة بمايوجب الحد لأنه ادنى منه. (فتح القدیر جلد 5 صفحہ 117)

ترجمہ: "قید از خود ایک مستقل تعزیری سزا ہے، اس لئے محض شک کی بنیاد پر منصۂ عدالت پر ثبوت کی فراہمی تک ملزم کو قید میں نہیں رکھا جا سکتا ہے۔ مثلاً دو

مستورالحال گواہوں نے عدالت میں اس بات پر گواہی دی کہ ملزم نے ایک محصن اور پاکدامن شخص کو فاسق کہہ کر گالی دی ہے تو یہاں ملزم کو ثبوت جرم ہونے تک جیل میں بند نہیں کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ سزائے قید عدالتی فیصلہ پر مرتب ہوتی ہے جو کہ اب تک زیرالتواء ہے۔ اس کے برخلاف مستوجب حد جرائم میں فراہمی ثبوت سے پہلے الزام کی بنیاد پر ملزم کو قید کیا جا سکتا ہے، کیونکہ قید مستوجب حد جرم کی سزا نہیں ہے۔ اور سزا نہ ہونے کے سبب قبل از فیصلہ اگر ملزم کو قید کر لیا جائے، تو اصولی طور پر اس میں کوئی حرج نہیں ہے''۔

3......نا قابل راضی نامہ (Uncompoundable)

اصولی طور پر حقوق اللہ کے قبیل سے تعلق رکھنے والے قضایا (Cases) نا قابل راضی نامہ اور حقوق العباد کے قبیل سے تعلق رکھنے والے قضایا قابل راضی نامہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ مقدم الذکر میں مدعی عام مسلمان یا خود اسٹیٹ ہوتا ہے۔ جس کی نمائندگی حاکم وقت یا عدالت کر رہی ہوتی ہے۔ جبکہ مؤخرالذکر میں مدعی شخص متضرر ہوتا ہے، اس کی مرضی پر ہے کہ وہ اپنے خصم جس کے خلاف عدالت کا فیصلہ عمل میں آیا ہے، سے بذریعہ معاوضہ (compensation) راضی نامہ کر لے بشرطیکہ معاملہ قابل اعتیاض ہو، یا اسے معاف کر دے، معافی یا مصالحت کی راہ میں حکومت یا عدالت کو رکاوٹ بننے کا کوئی حق نہیں ہوتا ہے۔ جبکہ مقدم الذکر میں فریق متضرر عامۃ المسلمین ہوتے ہیں۔ اس لئے راضی نامہ جو کہ فریقین کی آزادانہ رضامندی (Free consent) کا محتاج ہوتا ہے۔ فریق متضرر کی عمومیت کے سبب اس کا حاصل کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ اس لئے فریق متضرر کے عدم تعین اور حصول رضامندی غیرامکانی درجہ میں ہونے کے سبب حقوق اللہ کے قبیل سے تعلق رکھنے والے قضایا

ناقابل راضی نامہ (Uncompoundable) قرار پاتے ہیں۔

صاحب فتح القدیر لکھتے ہیں:

ومنها العفو، فإنه بعد ماثبت عندالحاكم القذف و الإحصان لوعفا المقذوف عن القاذف لايصح منه ومنها لايجوز الاعتياض عنه

(فتح القدیر جلد 5 صفحہ 97/98)

ترجمہ: حق اللہ کے قبیل سے تعلق رکھنے والے قضایا کے اندر حاکم وقت کے سامنے فریق متضرر کی پاکدامنی اور فریق مخالف کا جرم قذف ثابت ہونے کے بعد اگر فریق متضرر فریق مخالف کو معاف کرنا چاہے گا بھی، تو وہ نہیں کر سکے گا۔ اسی طرح اگر فریق متضرر معاوضہ لیکر فریق مخالف سے مصالحت اور راضی نامہ کرنا چاہے گا۔ تو بھی نہیں کر سکے گا (کیونکہ دراصل فریق وہ خود نہیں عامہ خلائق ہیں۔")

چونکہ دفعہ بالا 298-A میں مذکور جرم حقوق اللہ کے قبیل سے تعلق رکھتا ہے۔ جس میں کہ شخص متضرر عامہ مسلمان یا خود اسٹیٹ ہوتا ہے۔ جس کی نمائندگی حکومت وقت کر رہی ہوتی ہے۔ اس لئے جرم ثابت ہونے کے بعد اصولی طور پر حاکم وقت کا مجرم کو معافی دینا یا اس سے راضی نامہ کرنے کا اختیار حاکم وقت کو نہیں ہونا چاہیے کیونکہ وہ فریق متضرر کا نمائندہ ضرور ہے، خود فریق متضرر نہیں۔ اسی اصول کے پیش نظر دفعہ بالا کو ناقابل راضی نامہ قرار دیا گیا ہے۔

مقام سماعت:

جرم کا اختیار سماعت مجسٹریٹ درجہ اوّل یا دوم (Magistrate of the First Class or Second) کو حاصل ہے۔

باب چہارم

اسلام میں اقلیتوں کے حقوق وضوابط......

- اسلام میں اقلیتوں کے سیاسی وقانونی حقوق
- اقلیتوں کے حقوق کے حوالہ سے اسلامی اور مغربی قوانین کا تقابلی جائزہ
- پاکستان میں اسلامی قوانین کی حیثیت

تیرا وجود سراپا تجلی افرنگ
کہ تو وہاں کے عمارت گروں کی ہے تعمیر
مگر یہ پیکر خاکی خودی سے خالی
فقط نیام تو زر نگار و بے شمشیر

اسلامی ریاست میں اقلیتوں کے قانونی حقوق

عمومی طور پر کسی ملک کے شہریوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

1...اقلیت۔(Minority)2...اکثریت(Mejority)

مؤخرالذکر اول درجہ کے شہری کہلاتے ہیں، ملک کے اصل حکمران یہی لوگ ہوتے ہیں۔قانون اپنی وضع ، تنسیخ یا ترمیم وتبدیل میں انہی اکثریتی باشندگان کے رواجات کا تابع ہوتا ہے، جبکہ مقدم الذکر باشندگان کی شہریت اس شرط کے ساتھ مشروط ہوتی ہے کہ وہ اکثریتی باشندگان کے رواجات کے ترجمان قانون کی عملداری قبول کریں گے۔

عصرِ حاضر کی مغربی تہذیب جو اپنے آپ کو انسانیت دوستی اور بلا امتیاز رواداری سے عبارت تصور کرتی ہے۔ کہنے میں یہ تہذیب انسانیت دوست بھی ہے اور بلا امتیاز اقوام عالم میں رواداری اور عدل وانصاف کا سرخیل بھی۔لیکن ان تمام دعوؤں کے باوجود ان مغربی ممالک میں آباد اقلیتیں خصوصاً امریکہ اور برطانیہ کے مسلمان شہری اپنے ان بنیادی حقوق سے محروم ہیں۔جن کا کہ ان کے رواجات، روایات اور مذہب تقاضہ کرتے ہیں۔ اکثریتی ذہن کا لاگو کردہ قانون اور ضابطوں کے تحت زندگی کی سرگرمیاں چلانے اور شاہراہِ حیات کے پیدا کردہ مسائل انہی قوانین کے مطابق حل کرنے پر مجبور ہیں، خواہ وہ حل ان کی روایات سے انتہائی درجہ متصادم کیوں نہ ہو۔

اس کے مقابلہ میں اسلام نے اپنے دورعروج میں غیر مذاہب سے معارضانہ رول رکھنے کے باوجود انہیں کھلے بندوں برداشت کیا، غیر مذاہب والوں کے بنیادی

اور قانونی حقوق کی نہ صرف ضمانت دی بلکہ تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں نے اپنے غیر مسلم شہریوں کے مذہبی اور قانونی حقوق کا مکمل تحفظ کیا۔

اقلیتوں کے قانونی حقوق کا دائرہ کار جاننے کے لئے تمہیدی طور پر اتنا سمجھ لیں کہ عمومی طور پر قانون کے درج ذیل شعبہ جات ہیں۔

1......دیانات وعبادات۔

2......معاملات وعقود (Civil Act) جسے اسلامی قانون کی اصطلاح میں القوانین المدنیة کہا جاتا ہے۔

3......شخصی قوانین یا پرسنل لاء (Personal Laws) فقہ کی اصطلاح میں اسے القوانین الشخصیة کا نام دیا جاتا ہے۔

4......جرمیات وتعزیرات (Criminal Act) اسلامی فقہ کی اصطلاح میں اسے القوانین الجنائیة کہا جاتا ہے۔

اوّل الذکر......دیانات وعبادات...... میں اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہری مکمل آزاد ہیں، غیر مسلم شہریوں کے خالص مذہبی امور میں اسلامی ریاست کو مداخلت کرنے یا کسی قسم کا جبر کرنے کا ہرگز اختیار نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

(لا اکراہ فی الدین) (القرآن)

ترجمہ: ’’دین میں کوئی جبر نہیں ہے‘‘۔

یہ آیت دراصل اس نوع کی ضمانت کے سلسلہ میں نازل ہوئی تھی۔ حضرت عمرؓ جو اشاعت اسلام میں انتہائی سرگرم رہتے تھے ان کے ایک غلام جس کا نام اسحٰق تھا، چونکہ وہ غیر مسلم تھا اس لئے اس کو اسلام کی طرف وعظ ونصیحت سے ترغیب ولائی، لیکن

جب اس نے تبدیلی مذہب سے انکار کیا، تو حضرت عمرؓ درج بالا آیت...... لا اکـراہ فی الدین...... پڑھ کر خاموش ہو گئے اور اس کو کسی طرح اسلام لانے پر مجبور نہیں کیا۔

اسلامی ریاستوں کے غیر مسلم شہری اپنے مذھبی امور میں مکمل آزاد ہیں، وہ ہر قسم کے مذھبی رسوم ادا کر سکتے ہیں، ناقوس بجا سکتے ہیں، علانیہ صلیب نکال سکتے ہیں، اسلامی ریاست کی اجازت سے چرچ بنا سکتے ہیں، عبادت گاہوں کی تعمیر یا مرمت کر سکتے ہیں۔

تاریخ کی کتابوں میں مسلم فاتحین کے معاہدات میں دیانات، عبادات اور مذہبی امور کی مکمل آزادی کا اکثر ذکر ملتا ہے۔

حذیفہؓ بن یمانؓ نے مفتوح قوم ماہ دینار والوں کو مذہبی آزادی کی ضمانت کا جو والہ نامہ روانہ کیا، اس میں یہ الفاظ تھے:

لایغیرون عن ملةٍ ولایحال بینھم وبین شرائعھم. (الطبری ص2623)

نہ ان کا مذھب بدلا جائے گا او نہ ان کے مذھبی امور میں کوئی رکاوٹ پیدا کی جائے گی۔

جرجان کی فتح کے وقت مسلم فاتحین نے مفتوحہ علاقہ کی عوام سے معاہدہ میں تحریر کیا:

لھم الامان علی انفسھم واموالھم ومللھم وشرائعھم ولایغیر بشیئی من ذالک (الطبری صفحہ 216)

ان کے جان و مال اور مذہب کو مکمل امان ہے۔ اور اس میں کسی قسم کا ردو بدل نہیں کیا جائے گا۔

حضرت عمرؓ کا عہد جو اسلامی اقتدار کے انتہائی عروج کا دور تھا۔ اس وقت کے

رواج کے مطابق مفتوحہ علاقوں کی رعایا مالِ غنیمت سمجھی جاتی تھی، بالکل اس طرح جس طرح وہاں کے اموال ومتاع سمجھے جاتے تھے، لیکن حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب غیر مسلم ریاستیں اسلامی قلمرو میں شامل ہوئیں، تو ان ریاستوں کی رعایا کو جو حقوق دیئے گئے وہاں کی رعایا کو ایسا لگا جیسے وہ مفتوحہ رعایا نہیں بلکہ خود فاتح قوم ہے، علامہ مقریزی اپنی کتاب المقریزی جلد 1 صفحہ 492 میں لکھتے ہیں۔

اسکندریہ کا پیٹریارک بنیامین رومیوں کے ڈر سے تیرا برس تک ادھر ادھر مارا مارا پھرتا تھا، عمرو بن العاصؓ نے جب مصر فتح کیا، تو اس کو امان لکھ بھیجی، وہ نہایت عزت کے ساتھ اسکندریہ آیا اور اس کو دوبارہ پیٹریارک کی مسند نصیب ہوئی۔

اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہریوں کی مذہبی آزادی کا صحیح اندازہ حضرت عمرؓ کے اس تحریری معاہدہ سے ہوسکتا ہے، جو انہوں نے بیت المقدس کے عیسائیوں کے ساتھ کیا تھا۔ معاہدہ کے الفاظ درج ذیل ہیں:

هذا ما أعطى عبدالله عمر امير المؤمنين أهل ايليا من الأمان اعطاهم أماناً لانفسهم واموالهم ولكنا ئسهم وصلبانهم وسقيمها وبريها وسائر ملتها أنه لايسكن كنائسهم ولاتهدم ولاينتقق منها ولا من غيرها ولامن صلبهم ولامن شيئٍ من أموالهم ولا يكرهون على دينهم ولايضار احدٌ منهم...... شهد على ذالک خالد بن الوليد وعمرو بن العاص وعبدالرحمن بن عوف ومعاوية بن ابى سفيان وكتب وحضر 15ھ (تاریخ الطبری فتح بیت المقدس)

ترجمہ: ''یہ وہ امان ہے جو اللہ کے بندے امیر المؤمنین عمرؓ نے ایلیا کی عوام کو دیا،

یہ امان ان کی جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور تمام مذہب والوں کے لئے ہے، اس طرح پر کہ ان کے گرجاؤں میں نہ سکونت اختیار کی جائے گی نہ وہ ڈھائے جائیں گے، نہ ہی ان کے احاطہ کو کوئی نقصان پہنچایا جائے گا، نہ ہی ان کی صلیبوں میں اور نہ ہی ان کے اموال میں کوئی نقصان روا رکھا جائے گا۔ مذہب کے بارے میں ان پر کسی قسم کا جبر نہیں کیا جائے گا اور نہ ان میں سے کسی کو تکلیف دی جائے گی...... اس پر گواہ ہیں خالد بن الولید، عمرو بن العاص، عبدالرحمٰن بن عوف اور معاویہ بن ابی سفیان اور درج بالا معاہدہ 15ھ میں تحریر کیا گیا"۔

درج بالا معاہدہ صاف واضح کرتا ہے کہ اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہریوں کے بنیادی حقوق (Fundamental Rights) ہر طرح سے محفوظ رہیں گے اور اسلامی ریاست کا فرض یہ ہے کہ ریاست میں موجود غیر مسلم شہریوں کے بنیادی حقوق کو مکمل تحفظ دے۔ بالکل اسی طرح جس طرح کہ ریاست کے مسلم شہریوں کے حقوق کا تحفظ ہوتا ہے۔

آج کے لبرل ذہن اور مذہب دشمن عناصر کی براجمانی کے سبب مذہب کے تحفظ کو بنیادی حقوق (Fundamental Rights) میں شامل نہیں کیا جاتا ہے۔ بلکہ آزادی اظہار (The Freedom of Press) کے نام پر مذہب کا خون کرنے اور اس کا جنازہ نکالنے کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ لیکن مسلمانوں کو جس طرح ہر چیز سے زیادہ اپنے مذہب کا تحفظ عزیز ہے، اسی طرح وہ اپنی ریاست میں آباد غیر مسلم شہریوں سے ہمدردی کے طور پر ان کے مذہب کا تحفظ اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے درج بالا معاہدہ میں مقبوضہ علاقوں کے غیر مسلم شہریوں کو

بنیادی حقوق کی مکمل آزادی دی، معاہدہ میں مذہب، صلیب، چرچ اور گرجوں کی بابت زیادہ تصریح موجود ہے۔ تاکہ اسلامی قلمرو میں شامل ہونے والے مقبوضہ علاقوں کے غیر مسلموں کے ذہنوں پر تبدیلی مذہب کے خوف کے چھائے ہوئے بادل چھٹ سکیں اور وہ اسلامی ریاست کی رعایا ہونے کے باوجود اپنے آپ کو پہلے کی نسبت زیادہ آزاد محسوس کریں۔ اور آئندہ کے واقعات اور مسلمانوں کے رحمدلانا اور متحملانہ رویہ نے ان پر واضح کر دیا کہ کاغذ کے ایک ٹکڑے پر مرقوم ضمانت ایک حقیقت تھی جس کی واقعاتی دنیا میں مکمل پاسداری کی گئی، یہی وجہ ہے کہ اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہریوں کے دل اسلام کی طرف کھچتے چلے گئے۔ مذہبی اختلاف کے باوجود وہ اپنے ہم مذہب قیصر و کسریٰ کی ریاستوں سے زیادہ مسلمانوں کے وفادار بنے رہے، جنگ یرموک غیر مسلم شہریوں کی وفاداری کا بین ثبوت ہے۔

لیکن...... یہ واضح رہے کہ اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہریوں کو مذہب کی مکمل آزادی ہے۔ لیکن یہ شرط ضرور ہے کہ مذہبی رسوم کی ادائیگی کچھ اس انداز سے ہو کہ ریاست کی اکثریت کے دل مجروح نہ ہونے پائیں۔ اس لئے غیر مسلم شہریوں کو مکمل مذہبی آزادی کی ضمانت کے باوجود انہیں مناسب حدود اور ضابطہ کار کا پابند ضرور کیا جاتا ہے۔ اور ان حدود و قیود کا حاصل بس یہی ہے کہ مذہبی اعمال کا مظاہرہ ضرور ہو، لیکن اس پابندی کے ساتھ کہ اس سے اکثریت کا ذہن یا مذہب مجروح نہ ہونے پائے۔ اس لئے اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہریوں کی صلیب کو مکمل تحفظ ہے، وہ آزادی کے ساتھ صلیب نکال سکتے ہیں، لیکن درج ذیل پابندی کے ساتھ:

ولا یرفعون فی نادی اھل الاسلام صلیبًا

ترجمہ: مسلمانوں کے مراکز میں صلیب نہیں اٹھا سکتے ہیں۔

اسی طرح وہ آزادی کے ساتھ ناقوس بجا سکتے ہیں بجز نماز کے اوقات کے، کیونکہ اس سے ملک کے اکثریتی باشندوں کی عبادت میں خلل واقع ہوگا، اس لئے اسلامی ریاست غیر مسلم شہریوں کو درج ذیل پابندی کے ساتھ ناقوس بجانے کی اجازت دیتی ہے:

یضربون نواقیسھم فی أی ساعۃ شاؤا من لیل اونھار الا فی اوقات الصلوۃ.

ترجمہ: غیر مسلم شہری جب مرضی ہو، ناقوس بجائیں بجز نماز کے اوقات کے۔

اسی طرح اسلامی ریاست غیر مسلموں کے عبادت خانوں، چرچ اور گرجا گھروں کی تعمیر اور مرمت کے حوالہ سے بھی غیر مسلم شہریوں کو ایک ضابطہ اخلاق کا پابند کرتی ہے۔ اور اس سے مقصد ہرگز یہ نہیں کہ اسلامی ریاست غیر مسلم شہریوں کو دیوار سے لگائے رکھنا چاہتی ہے، یا کمتری کے احساس میں مبتلا رکھنا چاہتی ہے۔ بلکہ درحقیقت یہ پابندی غیر مسلموں کے مفاد میں جاتی ہے، کیونکہ بے نکیل آزادی کے سبب اکثریت سے تعلق رکھنے والا کوئی جذباتی مسلمان اشتعال میں آ کر غیر مسلموں پر ہاتھ اٹھا سکتا ہے یا ان کی عبادت میں خلل ڈال سکتا ہے۔ مثلاً خنزیر سے مسلمانوں کو فطری طور پر نفرت ہے۔ مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق خنزیر **نجس العین** ہے۔ ہر حرام جانور کا کوئی عضو کسی طرح سے حلال ہوسکتا ہے لیکن خنزیر نہیں بلکہ اس کے تو بال تک نجس ہیں جبکہ غیر مسلموں کے ہاں یہ حلال ہے۔ اور وہ بڑے شوق سے اس کی رکھوالی کرتے ہیں۔ اب ایک ریاست کے دو مختلف شہریوں کے آزادانہ عمل میں

تصادم واقع ہوا۔اور رفع تصادم کا معقول حل سوائے اس کے اور کوئی نہیں ہوسکتا کہ اقلیت کو درج ذیل شرط کا پابند کیا جائے:

لايخرجون خنزيرًا من منازلهم إلىٰ أفنية المسلمين.

ترجمہ: غیر مسلم شہری خنزیر کو مسلمانوں کے علاقوں میں نہ لائیں۔

2......ثانی الذکر شخصی نوعیت کے قوانین یا پرسنل لاء کے زمرہ میں درج ذیل امور آتے ہیں:

نکاح، مہر، طلاق، عدت، حیض ونفاس، میراث، ھبہ، وقف، نسب، حضانت وحق پرورش، نفقہ اولاد وآباء واقارب، وصیت وجانشینی وغیرہ وغیرہ

اس باب کے اندر اسلام اور مسلمانوں نے بڑی وسعت ظرفی سے کام لیا ہے۔ اسلامی ریاست اپنے غیر مسلم شہریوں کو درج بالا شخصی نوعیت کے قوانین میں نہ صرف غیر مشروط آزادی دیتی ہے۔ بلکہ انہیں اختیار دیتی ہے کہ وہ اپنے درج بالا مسائل خود اپنے عقیدے کے ماہرین اور دانشوروں سے حل کرا سکتے ہیں اور اس سلسلہ میں اسلامی ریاست پر ایک ذمہ داری یہ بھی عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے غیر مسلم باشندگان کی قانونی سہولت کے لئے ان کے مذہب کے مطابق الگ دیوانی عدالتیں قائم کرے جس کی سماعت اور فیصلہ کے اختیارات خود انہی کے ماہر قانون دانوں کو تفویض کرے۔ تاریخ گواہ ہے کہ دورِ خلفاء راشدین سے لیکر خلافت عثمانیہ اور مغل دور اقتدار کے زوال تک مسلمانان عالم اپنے غیر مسلم شہریوں کے لئے اپنے انہی اصولوں پر کاربند رہے۔خلافت عثمانیہ کی زیر ولایت غیر مسلم شہریوں کے قانونی حقوق کے تحفظ

کی بابت صاحب تاریخ ترکیہ لکھتا ہے:

مسلمانوں کے اپنے ادارہ اسلامیہ کے علاوہ سلطنت میں مختلف ملتوں کا بھی جداگانہ نظام تھا، یہ ملتیں کلیسائی فرائض کے علاوہ پیدائش، اموات، نکاح، طلاق، اور وصیت ناموں کا اندراج کرتیں، اپنے مذہب والوں کے شخصی قانون کے معاملات خود اپنی عدالتوں میں فیصل کرتیں اور اگر فریقین مقدمہ ایک ملت کے ہوتے تو ان کے دیوانی مقدمات کا فیصلہ بھی ان ہی عدالتوں میں ہوتا...... سلطنت عثمانیہ نے صراحت کے ساتھ ملتوں کو تقسیم کر دیا تھا، اور ان کی انجام دہی میں خود اپنی فوجوں سے ملتوں کی مدد کرتی تھی، ان میں سب سے اہم ملت روم تھی، جس کے حلقہ میں وہ تمام عیسائی رعایا شامل تھی، جو مشرقی یا یونانی کلیسا کی پیرو تھی، خواہ وہ سلطنت کے کسی حصہ میں آباد ہو، اور اس کی مادری زبان کچھ بھی ہو۔ اس ملت کا قائد اعظم بطریق قسطنطنیہ تھا۔ جس کو سلطنت عثمانیہ کے عروج کے زمانہ میں زیادہ اقتدار حاصل تھا، جتنا وہ سلطنت باز نطینی کے ایک عہدہ دار کی حیثیت سے رکھتا تھا، ملت روم کے علاوہ چند ملتیں اور بھی تھیں۔ مثلاً ملت ارمنی جو قسطنطنیہ کے گریگوری بطریق کے ماتحت تھی ملت یہود جس کا افسر ربی اعظم تھا، اور رومن کیتھولک کا فرقہ جو پوپ کے ایک نمائندہ کے ماتحت تھا، سلطنت میں ایسے بہت سے رومن جو سلطان کی رعایا نہ تھے بلکہ مغربی طاقتوں مثلاً وینس، فرانس، ہالینڈ اور انگلستان کی رعایا تھے۔ یہ تجارت کی غرض سے آئے تھے اور یہیں مقیم ہو گئے تھے، انہیں بھی حکومت عثمانیہ کی طرف سے ان کے سفیروں اور قنصلوں کے ماتحت اسی قسم کے اختیارات دیدئے گئے تھے، جس قسم کے دیگر ملتوں کو حاصل تھے اور یہ غیر ملکی باشندے بھی عیسائی رعایا کی طرح اپنے معاملات کا انتظام خود

ہی کرتے تھے۔ (تاریخ ترکیہ صفحہ 349 مطبوعہ نیو بک پیلس)

اسلام اور دیگر مذاہب کے درمیان نظریات کی ایک زبردست خلیج حائل ہے۔ اسلام جب سے وجود میں آیا ہے، غیر مذاہب خصوصاً عیسائی اور یہودی مذاہب کے لوگ اسلام سے ہمیشہ برسرِ پیکار رہے ہیں، اسلام اور مسلمانوں کو گہری چوٹ لگانے میں باطل مذاہب کے لوگوں نے کبھی کوئی موقع فروگزاشت نہیں کیا ہے، لیکن اس کے مقابلہ میں اسلام نے اپنے پیروکاروں کو صبر وتحمل، برداشت اور وسعت ظرفی کا درس دیا ہے، اسلام تمام مخالف مذاہب والوں کو ساتھ لیکر چلنے کا فلسفہ دیتا ہے، غیر مذاہب والے جب تک اسلام کی راہ میں کانٹا نہ بنیں ان کا یا ان کے مذہب کا خون کرنے کی اسلام ہرگز اجازت نہیں دیتا ہے، اسلام اور مسلمانوں کی برداشت اور وسعت ظرفی کی اس سے بڑھ کر اور کیا نشانی ہوسکتی ہے، کہ غیر مذہب والے اپنے مذہبی اور شخصی قوانین میں مکمل آزاد ہیں، ان کے مذہب کا کیا ہوا فیصلہ اسلام کے کتنا ہی خلاف کیوں نہ ہو، لیکن مذہبی آزادی کے اصول کے تحت اسلام قطعی طور پر اپنے مسلم حکمرانوں کو مداخلت کی اجازت نہیں دیتا ہے۔

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیعؒ صاحب لکھتے ہیں:

ازدواجی وعائلی قوانین ہر قوم وملت کے خالص مذہبی قوانین ہوتے ہیں، جن کی تقدیس کو وہ اپنی جانوں سے بھی زیادہ عزیز سمجھتی ہیں، اسی لئے جو حکومتیں کسی قوم کے مذہب میں مداخلت کو پسند نہیں کرتیں وہ ہر جگہ ہر قوم کے پرسنل لاء کی حفاظت کی ضمانت دیتی ہیں...... شریعت نے اوّل دن سے اس معاملہ میں ہر قوم وملت کو پوری آزادی دی ہے، کہ ازدواجی وعائلی مسائل میں اپنے اپنے مذہب کے مطابق عمل

کریں اور ان کے اس عمل کا یہاں تک تحفظ کیا ہے کہ اگر نکاح کے بعد زوجین مسلمان ہوجائیں تو ان کا بحالت کفر کیا ہوا نکاح برقرار اور اسلام میں بھی جائز سمجھا جائے گا۔ (جواہر الفقہ جلد 2 صفحہ 23)

اقتباس میں مذکور مسئلہ ''بحالت کفر منعقدہ نکاح بعداز اسلام جائز سمجھا جاتا ہے''، فقہ حنفی کی معتمد کتاب فتح القدیر میں مذکور ہے:

اذا تزوج الکافر بغیر شهود اوفی عدة کافرٍ و ذالک فی دینهم جائز ثم اسلما اقرّا علی ذالک. (فتح القدیر جلد 3 صفحہ 283)

ترجمہ: جب کافر بغیر گواہ کے یا عورت سے اس کی عدت میں نکاح کرے، اور ایسا ان کے دین میں جائز ہو پھر دونوں مسلمان ہوجائیں، تو بعداز اسلام نکاح سابق برقرار رکھا جائے گا۔

اسی طرح غیر مسلموں کے قانون کے احترام کے پیش نظر اسلام تمام ان احکام کو بعداز اسلام جائز قرار دیتا ہے جو اپنی بقاء کے اعتبار سے اسلام سے متصادم نہ ہوں، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اسلام غیر مسلموں کے موضوعہ قوانین کا یہاں تک احترام رکھتا ہے کہ اگر ان کے عقیدہ کے مطابق ماں بہن سے شادی کرنا جائز ہو، اور وہ شادی کرلیں، تو اسلامی ریاست کو ان سے تعرض یا مداخلت کرنے کی قطعی اجازت نہیں ہے۔ کیونکہ ہمیں ازروئے شرع حکم یہ ہے:

أمرنا بان نترکهم وما یدینون. (ھدایہ جلد 2 صفحہ 338)

ترجمہ: ہم اس بات پر مامور ہیں کہ ہم غیر مسلم شہریوں اور ان کی دیانات سے تعلق نہ رکھیں۔

ہاں! اگر زوجین مسلمان ہو جائیں، تو پھر دونوں میں تفریق کردی جائے گی، کیونکہ محارم کے حوالہ سے بطلانِ نکاح کا تعلق بقاء سے ہے ابتداء سے نہیں۔

صاحب فتح القدیر لکھتے ہیں:

اذا تزوج المجوسی أمه او ابنته ثم اسلما فرق بینهما...... ووجب التعرض بالإسلام فیفرق وعنده له حکم الصحة فی الصحیح. (فتح القدیر جلد 3 صفحہ 285)

ترجمہ: جب غیر مسلم مجوسی اپنی ماں سے یا اپنی بیٹی سے شادی کرلے۔ پھر دونوں مسلمان ہوجائیں تو دونوں میں بعد از اسلام تفریق کردی جائے گی (قبل از اسلام نہیں) کیونکہ اس سے تعرض کرنے کا حق اسلام لانے سے ثابت ہوا ہے لہٰذا تفریق کرادی جائے گی، جبکہ قبل از اسلام صحیح قول کے مطابق امام صاحب کے نزدیک وہ نکاح صحیح تھا۔

اسلام اور اسلامی قانون کی بنیاد انسانی فطرت پر ہے، اسلام کا ہر حکم دراصل انسانی فطرت کی آواز ہے، اور اسلامی قانون درحقیقت اسی فطرت کا ترجمان ہے:

فطرت الله التی فطر الناس علیها لاتبدیل لخلق الله ذالک الدین القیم. (سورہ الروم آیت 30)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی صلاحیت کا اتباع کرو جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ تعالیٰ کی اس پیدا کی ہوئی چیز کو جس پر اس نے تمام آدمیوں کو پیدا کیا ہے بدلنا نہیں چاہئے، پس سیدھا دین یہی ہے''۔

اسلامی نظام نہ صرف مسلمان کی فطری امنگوں کے عین مطابق ہے، بلکہ ایک کافر بھی اگر ذھن کو تعصب سے پاک کر کے اسلامی نظام کی رواداری، آزادی اور مساوات پر غور کرے، تو دیگر نظاموں کے مقابلہ میں اسلام کو اپنی فطرت کے بہت قریب دیکھے گا، اس کی ایک واضح سی مثال عائلی قوانین ہیں۔ عائلی قوانین ہر قوم اور ہر ملت کے اندر ایک مذہبی شعار کی حیثیت سے دیکھے جاتے ہیں، اور جو اقوام باقاعدہ کسی مذہب کی پیروکار نہیں ہوتی ہیں وہ بھی عائلی قوانین کی تانت مروجہ حکومتی قوانین سے باندھنے کی بجائے اپنے آباواجداد کی روایات سے جوڑنے پر زور دیتی ہیں، اور حکومت کو قطعی طور پر اجازت نہیں دیتی ہیں کہ وہ ان کی قدیم کلاسیکی روایات میں کسی طور مداخلت کرے۔ اگر اصلاحات (Reformations) کے نام پر کہیں حکومت نے مداخلت کی بھی ہو، تو عوام نے ان اصلاحات کی بنیاد پر شادی بیاہ کو حرام کاری اور قوم کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ قرار دیا ہے، اسی وجہ سے عائلی نظام کے اندر حکومتوں کی طرف سے اب تک جتنی اصلاحات عمل میں آئی ہیں، عوام نجی طور پر ان سے باغی رہی ہے اور بہت کم حکومتی اصلاحات کو پذیرائی ملی ہے۔

عوامی ردعمل کا لازمی سا نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ ریاست عوام کو ان کے شخصی اور عائلی قوانین کی وضع ان کی مروجہ عمومی روایات کے مطابق کرے، نہ کہ اپنی فرضی اصلاحات اور ذہنی اختراعات کی بنیاد پر، لیکن موجودہ عصری نظاموں کی انتہاپسندی اور ہٹ دھرمی کے سبب اصلاحات اور جدت کے نام پر شخصی وعائلی قوانین کی ملی آزادی سلب ہو کر رہ گئی ہے۔

ہندوستان پر ایک دور مسلمانوں کا گزرا ہے اور تسلط کا ایک دور انگریز کا بھی گزرا

ہے، دونوں کے تقابلی مطالعہ سے آپ کو اسلامی دورِ حکومت میں مسلمانوں کی وسعت ظرفی، وسیع نظری، مخالف قوانین کا احترام اور غیر اقوام کو کھلے دل سے برداشت کرنے کا امتیازی وصف نظر آئے گا، جبکہ دوسری جانب فرنگی اقتدار میں انگریزوں کی سنگ دلی، تنگ نظری، مخالف قوانین پر بے معنی اور مہمل تنقید اور غیر اقوام کو جنگلی اور کمتر سمجھنے کی امتیازی خصوصیت ملے گی۔

مسلمانوں نے اپنے دورِ اقتدار میں ہمیشہ سے اقلیتوں کو ان کے شخصی قوانین میں کلی طور پر آزاد رکھا۔ نہ صرف آزاد رکھا بلکہ شخصی نوعیت کے مسائل کے لئے ان کیلئے بالکل الگ عدالتیں قائم کیں، جو کہ انہی کے ماہر قانون دانوں کی تحویل میں ہوتی تھیں۔ اور اسلامی ریاست ان کے موضوعہ قوانین یا ان کے جاری کردہ فیصلہ جات میں کسی قسم کی مداخلت اپنے لئے محفوظ نہ رکھتی تھی، لیکن ہندوستان پر فرنگی اقتدار کے وقت انگریزوں نے ہندوستان کے قانون کو اپنی روایات کے تابع کیا اور ہندوستانی رعایا پر فرنگی قانون ''کامن لاء'' (Common Law) کو نافذ کیا، قانونی جبر واستبداد کا تسلسل 1860ء سے لیکر 1937ء تک رہا، علماء کی شب وروز محنتوں اور قربانیوں کے تسلسل سے انگریز سرکار صرف شخصی اور عائلی قوانین میں مسلمانوں کو مشروط آزادی دینے پر آمادہ ہوگئی اور ایک ترمیمی بل بواسطہ ممبر قومی اسمبلی جناب کاظمی صاحب اسمبلی میں پیش ہوا، جس کو انگریز سرکار نے اینگلو محمڈن لاء کا نام دیکر منظوری دی، اس ایکٹ کے تحت قرار دیا گیا کہ عائلی قانون سے متعلقہ نزاعی معاملات میں اگر فریقین مسلمان ہوں تو ان کے مذہب کا شخصی قانون نافذ العمل قرار پائے گا۔

اس ایکٹ کا نفاذ مسلمانانِ ہند کے لئے بظاہر بڑی خوش آئند بات تھی، لیکن

انگریز کی تنگ نگاہی نے اس ایکٹ کا دائرہ بہت تنگ کر دیا تھا، وہ اس طرح پر کہ مسلمانوں کے نافذ العمل شخصی اور عائلی قوانین کا تانا بانا اسلامی اصولوں اور ملی روایات سے جوڑنے کی بجائے ہندوستان کے عمومی مسلمہ روایات سے جوڑا گیا، جس کا زبردست نقصان یہ ہوا کہ ایکٹ میں اسلامی قانون کے علاوہ ہندوانہ اور کافرانہ اثر بھی کارفرما رہا۔

دوسرے یہ کہ نافذ العمل ایکٹ میں شرط عائد کی گئی تھی کہ عائلی مسئلہ میں اگر فریقین مسلمان ہوں، تو مسلمانوں کا شخصی قانون اس وقت نافذ العمل رہے گا، جب تک وہ مروجہ فرنگی قانون کے کسی ایکٹ سے متصادم نہ ہو، اسلامی اور فرنگی قانون کے تعارض کی صورت میں فرنگی قانون کی ترجیح کا حق قانون میں محفوظ رکھا گیا تھا، جیسے نابالغی میں نکاح، شادی شدہ مرد کی خواہ مخواہ میں دوسری شادی کرنا، طلاق کا حق صرف مرد کے پاس ہونا..... فرنگی قانون نے درج بالا جائز اعمال کو ممنوع العمل قرار دیا۔

بایں ہمہ فرنگی دور اقتدار میں انگریز کی متعصبانہ شرائط اور روایتی عمل دخل سے عائلی قوانین اپنی روح کے اعتبار سے غیروں کی جکڑ بندیوں سے آزاد اسلامی قوانین نہ رہے، بلکہ دین اکبری کی مانند ہندوستان اور انگلستان کے مشترکہ عمومی روایات کا یک ملغوبہ تھا، جسے مسلمانوں کے شخصی اور عائلی قوانین کا نام دیا گیا تھا، یہ دراصل مسلمانوں کے ساتھ مذاق تھا، اور دین میں تحریفی عمل کی گھناؤنی سازش۔

تقسیم ہند کے جہاں اور اسباب تھے، ان میں سے ایک بڑا سبب مسلمانوں کے عائلی قوانین تھے، مسلمان سمجھتے تھے کہ قانون کی آزادی اور اسلامی رواجات سے ہم آہنگی کے لئے ریاست کی آزادی ناگزیر ہے۔ اس لئے ''اپنی دھرتی اپنا قانون'' کی

حکمت عملی کے تحت تحریک پاکستان پوری قوت سے اٹھی، لاکھوں مسلمانوں کا خون، ہزار ہا خواتین کا سہاگ، دیس بدری کی قربانی دراصل اس غرض کے لئے تھی کہ ایک آزاد ریاست میں مسلمان قوم اپنی ملی روایات اور قومی رواجات کے مطابق زندگی گزار سکے۔ وہاں اپنے دینی ذھن اور شرعی اصولوں کی روشنی میں قوانین وضع کر سکے۔ لیکن پاکستان جو کہ درحقیقت مسلمانانِ ہند کیلئے قدرت کا عظیم عطیہ تھا، اپنی منزل نہ پا سکا، بدقسمتی سے تقسیم ہند کے بعد قانون کے میدان میں مسلمانوں کو ایسے رہنما ملے، جو اپنے ظاہر میں تو مسلمان تھے، لیکن اپنے باطن کے اعتبار سے انگریز کے غلام تھے وضع قانون میں مسلمانوں کا مفاد کم اور انگریز کی متابعت زیادہ اہم لگتی تھی۔

مفتی محمد شفیع (مفتی اعظم پاکستان) لکھتے ہیں:

جب سے اس قانون (عائلی قوانین) کے ملک میں نافذ کرنے کی تجویز سامنے رکھی گئی ہے دو طرح کے لوگوں سے اس کی تائید حاصل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، ایک تو وہ آزاد لوگ جو اپنے معاملات میں قرآن وسنت اور احکام شرع کو کوئی جگہ ہی نہیں دیتے، ان سب سے آزاد ہو کر اپنی پسند پر اپنے قانون کی بنیاد رکھنا چاہتے ہیں، انہوں نے اسلامی قانون میں مضرتیں اور تکلیفیں اور اس نئے قانون میں ان کا ازالہ اپنے اپنے طرز سے پیش کر کے ناواقف مسلمانوں کے ذہنوں کو الجھایا ہے، دوسرے کچھ وہ لوگ جو کچھ عربی جاننے کی بناء پر علماء کہلاتے ہیں، اور ان کی کوشش خواہ اپنے ذاتی خیال سے یا کسی طمع اور لالچ سے یہ رہتی ہے کہ اسلام کا ایک ایسا نیا ایڈیشن تیار کیا جائے، جس سے مغربی تہذیب خفاء نہ ہو، یا جس سے ان کے افسروں کی خوشنودی حاصل ہو، خواہ اس کے لئے قرآن وسنت کی نصوص میں کتنی ہی کھینچ تان بلکہ چیر پھاڑ

کرنا پڑے۔(جواہر الفقہ جلد 2 صفحہ 20)

آئین سازی اور قانون سازی کے عمل میں پرزور کوشش کی گئی کہ مذہبیت سے خالی آئین و قانون تشکیل دیا جائے، تاکہ بنیاد پرستی کا بدنما داغ مملکت پاکستان کے ماتھے پر نہ لگنے پائے۔ عائلی قوانین جو کہ کوئی قوم اپنی ملی روایات سے ہٹ کر برداشت نہیں کرسکتی ہے، ان کی وضع کا عمل ایسے طبقۂ خیال کو سونپا گیا، جو نہ صرف اسلامی علوم میں مہارت سے عاری تھا بلکہ نظام اسلامی کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ انہوں نے اپنے غلامانہ ذہن اور فرنگی سوچ کی بنیاد پر ایسے عائلی قوانین وضع کرنے کی سفارش کی جو کہ قرآن وسنت کے یکسر خلاف تھے۔ اور مسلمانان پاکستان کے تمام مکاتب فکر کے شدید احتجاج کے باوجود مجوزہ عائلی قوانین ان پر مسلط کئے گئے۔

مفتی محمد شفیعؒ صاحب (مفتی اعظم پاکستان) تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اخبارات میں یہ خبریں گرم ہوئیں کہ یہ قانون نافذ ہونے والا ہے، اس وقت لاہور میں مختلف مکاتب فکر کے چودہ مشاہیر علماء نے جمع ہوکر اس نافذ ہونے والے قانون پر تنقید کی، اور گورنمنٹ سے احتجاج کیا کہ اس کو نافذ نہ کیا جائے، جس پر کوئی اثر لینے کی بجائے اس کو ممنوع الاشاعۃ قرار دیا گیا، اسی طرح چالیس سے زائد علماء سرحد کی طرف سے پھر مشرقِ پاکستان کے چوراسی 84 مشاہیر علماء کی طرف سے اس کے خلاف احتجاج کیا گیا۔ (جواہر الفقہ جلد 2 صفحہ 19)

پاکستانی عوام وہ بدنصیب قوم ہے، جو اکثریت رکھتے ہوئے بھی اقلیت سے بدتر ہے، قانون سازی جو ملک کی اکثریت کے رواجات کی بنیاد پر ہوتی ہے، پاکستانی مسلمان اکثریت رکھتے ہوئے بھی قانون خصوصاً عائلی قوانین کے اندر اپنا روایتی اثر

ڈالنے سے محروم ہے، انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ موجودہ دستور کے اندر یہ صراحت تو کی گئی ہے کہ جو قوانین دستور کے تحت عطا کردہ بنیادی حقوق سے متصادم ہوں یا خود دستور پاکستان سے متصادم ہوں، تو عدالتوں کو حق ہوگا کہ وہ اس قانون کو بوجہ تصادم باطل اور ناقابل نفاذ قرار دیں۔ لیکن مسلمانوں کا ملک کہنے کے باوجود اس ملک کے دستور کے اندر یہ صراحت کہیں نہیں ملتی کہ جو قوانین قرآن وسنت کیخلاف ہوں، ان کو بھی عدالتیں باطل اور ناقابل عمل قرار دے سکتی ہیں۔

اگرچہ دستور پاکستان 1962ء کے تحت قانون سازی کا پہلا اصول یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ کوئی قانون اسلام کے منافی نہ ہونا چاہیے، لیکن اگر اس اصول کو آرٹیکل 6 کی ضمنی دفعہ (2) کے ساتھ ملا کر پڑھیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ واقع میں اس اصول کی حیثیت رسم بسمل سے زیادہ کی نہیں ہے۔ بالفاظ دیگر ملک کی اعلیٰ عدالتیں اگر اس نتیجہ پر پہنچ جائیں کہ کوئی قانون خلاف شرعِ اسلام ہے۔ تو عدالتیں اس بنیاد پر اس قانون کے باطل یا قابل اعتراض ہونے کی رائے زنی کی مجاز نہیں کی گئی ہیں، چنانچہ پاکستان سپریم کورٹ نے بمقدمہ علی نواز گردیزی بنام محمد یوسف، عائلی قوانین کی دفعہ 7 پر اس کے مطابق اسلام یا غیر مطابق اسلام ہونے پر رائے دینے پر احتراز برتا ہے۔

ان حقائق وواقعات کی بنیاد پر بجا طور کہا جا سکتا ہے کہ پاکستان اسلامی ریاست نہیں بلکہ مسلمانوں کی ریاست ہے، نیز ان اکثریتی مسلمانوں کی ریاست ہے جس کے قانون میں مسلمان اپنے قومی رواجات اور ملی روایات کو تحفظ دینے کے حق سے محروم ہیں۔

3......حدود وتعزیرات...... جوکہ ریاست کے حدود میں سرزد ہونے والے جرائم کے خلاف لاگو ہونے والی سزائیں ہیں، فقہ کی اصطلاح میں ان سزاؤں کو "القوانین الجنائیہ" کا نام دیا جاتا ہے۔ جبکہ انگریزی قانون کریمنل لاء (Criminal Act) کے عنوان سے ان سے بحث کرتا ہے۔

شخصی قوانین کی طرح حدود وتعزیرات کا نفاذ ریاست کے شہریوں کے مذہب اور عقیدہ کی بنیاد پر نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ ان کی تنفیذ کی بنیاد شخصی قوانین سے بالکل مختلف ہے، حدود وتعزیرات کے نفاذ کا دارومدار ریاست کی ولایت (Jurisdiction) پر ہوتا ہے۔ ریاست کے زیرولایت جتنے افراد اور جتنے علاقے آتے ہوں، ان سب پر یکساں حدود وتعزیرات کے قانون کا نفذ ہوگا، اس سے کوئی سروکار نہیں کہ وہ کیا عقیدہ اور کیا مذہب رکھتے ہیں، اس بنیاد پر اسلامی ریاست کے تمام شہری مسلمان ہوں یا غیر مسلم سب اس قانون کے احاطۂ کار میں شامل ہوتے ہیں۔

"ولایت" (Jurisdiction) اسلامی قانون کی اصطلاح ہے، فقہاء کرام ولایت کی تعریف کرتے ہیں:

"حق تنفیذ القول علی الغیر شاء الغیر اوأبی" (معجم لغة الفقهاء صفحہ510)

ترجمہ: دوسرے پر اپنی بات نافذ کرنے کا حق، دوسرا اسے قبول کرے یا نہ کرے"۔

اس اعتبار سے ہم اس جگہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ علاقہ یا وہ افراد جو ریاست کے جاری کردہ قانون کے دائرہ کار میں آتے ہوں، وہ ریاست کے زیر ولایت متصور ہوں گے۔ اور ان پر قانون حدود وتعزیرات بسبب ولایت بلاامتیاز یکساں طور پہ جاری ہوگا۔

غیر مسلم فرد یا افراد ریاست کے زیر ولایت کب اور کس وقت آتے ہیں، اس بارے میں امام ابو یوسفؒ کی تحقیق یہ ہے کہ کسی غیر مسلم کی اسلامی ریاست میں رہائش (Residence) خواہ مستقل (Permanent) ہو، یا عارضی (Temporary) اسلامی ریاست کو اس پر ولایت (Guardianship) کا حق دیدیتی ہے، ولایت کے لئے ان کی تحقیق کے مطابق شہریت (Citizenship) ضروری نہیں ہے۔

لہٰذا...... غیر مسلم فرد جو اسلامی ریاست میں اقامت اختیار کرتا ہے، محض اقامت سے اسلامی ریاست کو اس پر ولایت کا استحقاق حاصل ہو جاتا ہے جسکی درج ذیل صورتیں بن سکتی ہیں:

1...... اسلامی ریاست کا غیر مسلم شہری ہو۔

2...... اسلامی ریاست میں عارضی مگر قانونی رہائش رکھنے والا ہو۔

3...... غیر مسلم کی اسلامی ریاست میں قانونی اقامت مختصر ہو یا طویل ہو۔

بہر حال امام ابو یوسفؒ کے نزدیک غیر مسلم افراد پر اسلامی ریاست کی ولایت کی بنیاد اقامت اور رہائش ہے، شہریت نہیں۔ اس لئے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قوانین حدود و تعزیرات کے اجراء میں مستامن اور ذمی میں کوئی فرق نہ ہوگا، بلکہ دونوں یکساں طور پر ان قوانین کے دائرہ کار میں شامل ہوں گے۔

صاحب فتح القدیر امام ابو یوسفؒ کے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وجه قول أبي يوسف ان المستامن التزم أحكامنا مدة مقامه في دارنا في المعاملات والسياسات كما ان الذمي التزمها مدة عمره

ولهٰذا یحد للقذف ویقتل قصاصًا ۔(فتح القدیر جلد4صفحہ48)

ترجمہ: امام ابو یوسف کے قول کی توجیہ یہ ہے کہ عارضی مگر قانونی رہائش رکھنے والے غیر مسلم فرد نے اسلامی ریاست میں عارضی اقامت اختیار کر کے اسلامی قوانین کی پابندی کی حامی بھر لی ہے، اور یہ التزام معاملات سے لیکر سیاسیات تک کے قوانین میں کرنا ہوگا۔ جس طرح کہ اسلامی ریاست کے ذمی یعنی غیر مسلم شہری نے مستقل رہائش اختیار کر کے تاحیات پابندی کی ضمانت دی ہوئی ہوتی ہے، اور اسی لئے ذمی کی طرح مستأمن پر حد قذف اور قصاص کا اجراء کیا جاتا ہے''۔

جبکہ امام ابو حنیفہ اور امام محمدؒ دونوں ائمہ امام ابو یوسفؒ کے ساتھ تو اس حد تک متفق ہیں کہ قوانین حدود و تعزیرات کے لئے ولایت بنیاد ہے۔ ولایت کے بغیر قوانین حدود وتعزیرات جاری نہیں ہو سکتے ہیں۔ نیز...... ولایت کے حصول کیلئے اسلامی ریاست کا وجود شرط ہے۔

یہاں تک تو یہ سب متفق ہیں۔ لیکن ان حضرات کو امام ابو یوسفؒ سے اختلاف ''اقامت'' میں ہے ان حضرات کی تحقیق کے مطابق اسلامی ریاست کے کسی غیر مسلم باشندہ کا اسلامی ریاست کے زیر ولایت آنے کے لئے اقامت اور عارضی رہائش (Temoprary Residence) کافی نہیں ہے۔ بلکہ شہریت (Citizenship) ضروری ہے۔ ''محض اقامت'' یہ حضرات ان قوانین کے لئے کافی سمجھتے ہیں جن کا تعلق حقوق العباد سے بنتا ہو، حقوق اللہ کے قبیل سے تعلق رکھنے والے قوانین کے اجراء کیلئے غیر مسلم باشندہ کی شہریت (Citizenship) ضروری قرار دیتے ہیں۔

صاحب فتح القدیر لکھتے ہیں:

لابی حنیفة ومحمد ان التزام الاحکام انما هو بالتزام القرار فی الدار لأن الاتصاف بکونه من دارنا انما یکون بذالک والحربی ماالتزم ذالک لأنه دخل لحاجة کالتجارة ونحوها فلم یصرَ من اهل دارنا ولهذا یمکن من الرجوع الیٰ دارالحرب ولایقتل المسلم ولاالذمی به واذا لم یصر من دارنا وکان دخوله لحاجة کان ملتزماً من الاحکام مایرجع الیٰ تحصیل مقصوده وهو حقوق العباد لانه لم یدخل الاطامعاً فی الانصاف لأجله علی غیره فیلتزم الانتصاف ای العدل لغیره لأن الغرم بازاء الغنم. (فتح القدیر جلد 4 صفحہ 48)

ترجمہ: امام ابوحنیفہ اور امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ قوانین کی پابندی ریاست کے اندر مستقل رہائش سے ممکن ہے، کیونکہ مستقل رہائش سے ہی وہ ریاست کا فرد کہلا سکتا ہے، جبکہ حربی نے ایسی کوئی قانونی پابندی کا معاہدہ نہیں کیا ہے، وہ تو ایک خاص ضرورت مثلاً تجارت کے لئے آیا ہے۔ اور اس غرض کے پورے ہوتے ہی واپس چلا جائے گا، لہٰذا وہ ہماری ریاست کا فرنہیں کہلا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے ملک میں جب جانا چاہے، اس پر کوئی روک ٹوک نہیں کی جاسکتی ہے۔ اور نہ اس کے قتل کے بدلہ میں مسلمان یا غیر مسلم شہری کو قتل کیا جاتا ہے۔ جب وہ ہماری ریاست کا فرد نہ رہا، اور اس کا داخلہ ایک ضرورت کے حصول کی غرض سے ہوا تھا، لہٰذا حقوق العباد کے قبیل سے تعلق رکھنے والے امور کا تو وہ پابند ہوگا۔ کیونکہ اپنی غرض کی تکمیل میں وہ جس طرح دیگر لوگوں سے انصاف کا خواہاں ہوگا اور ریاست اس کو انصاف دلانے کی پابند بھی

ہے، لہٰذا دوسروں کے لئے اس سے انصاف لینا بھی ریاست کا فرض ہوگا، کیونکہ گھاٹا بمقابلہ فائدہ چلتا ہے"۔

درج بالا اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ امام صاحب کے نزدیک اسلامی ریاست میں رہائش رکھنے والا غیر مسلم:

1...... یا تو مستقل اسلامی ریاست کا شہری ہوگا۔

2...... یا قانونی ویزا یا اجازت نامہ (Legal permission) کے ساتھ عارضی رہائش رکھتا ہوگا۔

مقدم الذکر اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہری پر بلاکسی استثناء قوانین حدود وتعزیرات ایسے ہی لاگو ہوں گے جیسے اسلامی ریاست کے مسلمان شہری پر ہوتے ہیں۔ لہٰذا...... چوری کے لئے جو سزا اسلامی قانون لاگو کرتا ہے۔ وہ مسلمان کی طرح غیر مسلم شہری پر بھی لاگو ہوگی، اسی طرح زنا، لواطت (Homosexuality) قصاص، اور ان کے علاوہ تمام وہ جرائم یا حقوق خواہ حقوق اللہ کے قبیل سے تعلق رکھنے والے ہوں یا حقوق العباد سے، مسلمان کی طرح غیر مسلم شہری بھی ان کا مخاطب ہوگا۔

تعزیراتی قوانین کے زیر ولایت آنے کے لئے غیر مسلم کا اسلامی ریاست کا شہری ہونا (Citizenship) ضروری ہے، جسے بیان کیا ہے:

(التزام الاحکام بالتزام القرار فی الدار)۔

لہٰذا...... اس شرط کی بنیاد پر غیر مسلم شہری مسلمان کی طرح بصورت ارتکاب جرم اسلامی سزاؤں کا ایسا ہی سامنا کرے گا جیسے اسلامی ریاست کا

مسلمان شہری کرتا ہے۔

لیکن......وہ سزائیں جن میں اسلام شرط ہے، وہ غیر مسلم شہری پر لاگو نہیں ہوں گی، جیسے سزائے رجم .... سزائے رجم کے اجراء کے لئے اسلام ''محصن'' ہونے کی شرط عائد کرتا ہے، جبکہ محصن ہونے کے لئے دیگر اوصاف کے علاوہ مجرم کا اسلام سے متصف ہونا بھی ضروری ہے۔لہٰذا......غیر مسلم شہری اگر جرم زنا کا ارتکاب کرے، تو اس کے لئے صرف ایک سزا ہے یعنی سو 100 کوڑے ہیں۔جبکہ مسلمان کے لئے بصورت احصان سزائے رجم اور بصورت ''عدم احصان'' سو (100) کوڑے ہیں۔

اسی طرح مرتد کی سزائے موت (Death Sentence) مسلمان کے لئے تو ہے، لیکن اگر غیر مسلم شہری اپنے مذہب سے کسی دوسرے مذہب میں ارتداد (Apostacy) اختیار کرے گا، تو وہ اس سزا کی گرفت میں نہیں آئے گا۔

اسلامی ریاست کی ولایت (Guardianship) میں آنے کے لئے شہریت بنیاد ہے۔لہٰذا اسلامی ریاست کا کوئی بھی شہری خواہ مسلمان ہو یا کافر، عیسائی ہو یا یہودی، ہندو ہو یا دھری۔سب پر بلا امتیاز یکساں طور پر اسلامی ریاست کے نافذ کردہ قوانین حدود و تعزیرات بصورت ارتکاب جرم جاری ہوں گے۔اس سلسلہ میں اسلام مذہبی بنیادوں پر کسی قسم کی تفریق یا امتیازی سلوک روا نہیں رکھتا ہے۔

لہٰذا......اگر ایک مسلمان شہری غیر مسلم شہری کے قتل کا مرتکب ہوگا۔تو مسلمان کو قصاصاً قتل کیا جائے گا۔

صاحب فتح القدیر لکھتے ہیں:

ویقتل المسلم بالذمی لان المساواۃ فی العصمۃ ثابتۃ نظرًا إلی

التکلیف و الدار. (فتح القدیر جلد 10 صفحہ 235 مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ)

ترجمہ: اور مسلمان کو غیر مسلم شہری کے بدلہ قتل کیا جائے گا، کیونکہ قانون کی پابندی اور ریاست کے شہری ہونے کے اعتبار سے دونوں تحفظ میں برابر ہیں''۔

چونکہ امام صاحب کے نزدیک اسلامی ریاست کے کسی باشندہ پر ''ولایت اور قوت تنفیذ'' کے لئے شہریت (Citizenship) بنیاد ہے۔ لہٰذا مؤخر الذکر...... اسلامی ریاست میں اقامت رکھنے والا غیر مسلم قوانین حدود و تعزیرات کی ولایت میں عمومی طور پر تو داخل نہیں ہوسکے گا کیونکہ وہ اسلامی ریاست کا شہری نہیں ہے۔ لیکن...... محض اقامت اور عارضی قانونی رہائش (Legal Temporary Residence) سے ان قوانین کے دائرہ کار میں داخل ہوگا، جن کا تعلق حقوق العباد سے بنتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ حقوق العباد کے قبیل سے تعلق رکھنے والے قوانین و احکام میں محض اقامت اور رہائش کافی ہے، جبکہ حقوق اللہ کے قبیل سے تعلق رکھنے والے قوانین و احکام میں اسلامی ریاست کے زیر ولایت آنے کے لئے اقامت کے ساتھ ساتھ شہریت اور مواطنت بھی ضروری ہے۔

لہٰذا...... حربی اور کافر ملک کا وہ شہری جو اسلامی ریاست میں فقط رہائش پذیر ہو، اس پر حقوق العباد سے تعلق رکھنے والے قوانین تو لاگو ہوں گے، حقوق اللہ سے تعلق رکھنے والے قوانین نہیں۔

جبکہ امام ابو یوسفؒ ایسی کوئی تفصیل نہیں کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک چونکہ بنیاد ''اقامت و سکونت'' ہے اس اعتبار سے اسلامی ریاست کے قانون کے سامنے غیر مسلم شہری اور غیر شہری دونوں برابر ہوں گے۔

محققین احناف کی تحقیقات کا ثمرہ اختلاف درج ذیل صورتوں میں سمجھ سکتے ہیں:

1......اسلامی ریاست میں اقامت رکھنے والا غیر مسلم جرمِ زنا کا ارتکاب کرتا ہے۔

2......اسلامی ریاست کا غیر مسلم شہری جرم زنا کا ارتکاب کرتا ہے۔

3......اسلامی ریاست میں اقامت رکھنے والا غیر مسلم جرمِ قذف کا ارتکاب کرتا ہے۔

4......اسلامی ریاست کا غیر مسلم شہری جرم قذف کا ارتکاب کرتا ہے۔

بقول امام ابو حنیفہؒ اوّل الذکر کے سزائے زنا جاری نہیں ہوگی، کیونکہ وہ اسلامی ریاست کے زیر ولایت نہیں ہے۔ لیکن بقول امام ابو یوسفؒ سزا جاری ہوگی، کیونکہ ان کے نزدیک وہ زیر ولایت ہے۔

ثانی الذکر کے سزائے زنا جاری ہوگی، کیونکہ وہ اسلامی ریاست کے زیر ولایت ہے۔

صاحب ھدایہ لکھتے ہیں:

یحد الذمی و الذمیة عند أبی حنیفة و لایحد الحربی الحربیة...... وقال ابویوسفؒ یحدون کلهم. (ھدایہ جلد 2 صفحہ 517)

ترجمہ: غیر مسلم (مرد اور عورت) شہری کے حد زنا لگے گی امام ابو حنیفہ کے نزدیک، جبکہ محض اقامت رکھنے والے غیر ملک کے کافر شہری کے حد نہیں لگے گی اور امام ابو یوسف کا کہنا ہے کہ سب کے حد لگے گی"۔

ثالث الذکر کے سزائے قذف جاری ہوگی، امام ابو یوسفؒ کی نزدیک اجرائے حد کے لئے اسلامی ریاست میں غیر مسلم کی اقامت کافی ہے۔ اور وہ موجود ہے۔ جبکہ

امام صاحبؒ کے نزدیک چونکہ جرم قذف میں حق العبد کا اثر موجود ہے، لہٰذا اس کی سزا کے اجراء کے لئے محض اقامت کافی ہے۔

صاحب ھدایہ لکھتے ہیں:

اذا دخل الحربیّ دارنا بأمان فقذف مسلمًا حد لأن فیه حق العبد وقد التزم ایفاء حقوق العباد ولأنه طمع فی ان لایؤذی فیکون ملتزماً ان لایوذی. (ھدایہ جلد 2 صفحہ 534)

ترجمہ: جب کافر ملک کا شہری ہماری ریاست کے اندر اجازت کے ساتھ آجائے، اور یہاں اس نے جرم قذف کا ارتکاب کیا، تو اس کے حد لگے گی، کیونکہ اس جرم میں حق العبد موجود ہے، جبکہ اس نے حقوق العباد کے ایفاء کا التزام قبول کیا ہوا ہے۔ اور یہ بھی کہ جیسے اس کی چاہت ہے کہ اس کو اذیت نہ دی جائے، لہٰذا دوسروں کو اذیت نہ دینے کے قوانین کی بھی پاسداری کرے"۔

جرم قذف میں حق اللہ اور حق العبد دونوں موجود ہیں، جبکہ حق اللہ غالب اور حق العبد مغلوب ہے، قصاص میں بھی حق اللہ اور حق العبد دونوں موجود ہیں۔ لیکن اس میں حق العبد غالب ہے، بہر کیف حق العبد غالب ہو یا مغلوب اگر متعلقہ قانون میں وہ کسی بھی پہلو میں موجود ہو، تو مستامن (اسلامی ریاست میں قانونی اجازت کے ساتھ رہائش رکھنے والا) اس کا پابند ہوگا۔ اور بصورت ارتکابِ جرم متعلقہ سزا مستامن کے جاری ہوگی۔

سابقہ تفصیلات سے یہ مسئلہ بھی واضح ہوا کہ ریاست کے جغرافیائی حدود سے باہر اگر جرم کا ارتکاب ہوجائے تو ریاست کے عدم ولایت کے سبب اس کیس کی

. سماعت کا اختیار ریاست کی عدالتوں کو حاصل نہ ہوگا۔ جیسے توہین رسالت کے جرم کا ارتکاب اگر برطانیہ میں ہوجاتا ہے تو اس کی سزا کا اجراء اسلامی ریاست کی عدالتوں کو حاصل نہیں ہے، اگرچہ مجرم ارتکاب جرم کے بعد اسلامی ریاست میں داخل ہوجائے۔ اسی طرح ملک سے باہر مثلاً برطانیہ میں اگر اسلامی ریاست کا کوئی شہری قتل کا ارتکاب کرجائے اور پھر واپس اپنے ملک میں آجائے تو اسلامی ریاست اس کے سزا جاری نہیں کرسکتی ہے، کیونکہ وقوعہ ملک سے باہر پیش آیا ہے۔

صاحب ھدایہ لکھتے ہیں:

اذا اسلم الحربی فی دار الحرب، فقتله مسلم عمدًا اوخطأ وله ورثة مسلمون هنالک، فلاشی علیه الا الکفارة فی الخطاء. (الہدایہ جلد 2 صفحہ 588)

ترجمہ: جب کافر ملک کا کافر شہری اپنے ملک میں مسلمان ہوجائے، پھر کوئی مسلمان اس کو عمداً یا غلطی سے قتل کردے، اور وہاں اس کے مسلمان ورثاء بھی ہوں، تو قاتل پر سوائے قتل خطاء کی صورت میں کفارہ کے اور کچھ نہیں ہے"۔

جیسا کہ عرض کیا جاچکا کہ قوانین حدود وتعزیرات میں مذہب بنیاد نہیں ہے، اور نہ ان کے اجراء سے غرض اشاعت اسلام ہے، بلکہ غرض معاشرہ کو امن کا گہوارہ بنانا۔ ملک کے اجتماعی ڈھانچہ میں موجود شرپسندی کے ناسوروں کا خاتمہ کرنا، صحتمند معاشرہ پر اثرانداز ہونے والے فسادی عناصر کا قلع قمع کرنا ہے۔ اور ظاہر ہے یہ اغراض ومقاصد مسلمان کی طرح ایک شریف الطبع غیر مسلم شہری یا باشندے کے بھی ہیں۔

صاحب ھدایہ قوانین حدود وتعزیرات کی غرض کی بابت لکھتے ہیں:

المقصد الاصلی من شرعه الانزجار عما يتضرر به العباد والطهارة ليست اصلية فيه بدليل شرعه في حق الكافر. (الہدایہ جلد2 صفحہ 506)

ترجمہ: قوانین حدود وتعزیرات کے اجراء سے بنیادی غرض عوام کو ان اعمال وافعال کے ارتکاب سے دھتکارنا ہے جن کے ارتکاب سے معاشرہ کے افراد کو نقصان پہنچ سکتا ہے، اور طہارت یعنی اسلام اس میں بنیاد نہیں ہے، کیونکہ مسلمان کی طرح کافر شہری پر بھی یہ قوانین جاری ہوتے ہیں۔

صاحب فتح القدیر لکھتے ہیں:

الغرض منه اخلاء العالم عن الفساد. (فتح القدیر جلد5 صفحہ 22)

ترجمہ: قوانین حدود وتعزیرات سے مقصد دنیا کو بدامنی سے پاک کرنا ہے۔

جرائم سے پاک صحتمند معاشرہ کا قیام ہر انسان کی ضرورت ہے۔ خواہ وہ کسی مذہب یا کسی عقیدہ سے تعلق رکھتا ہو، اسی لئے بین الاقوامی طور پر کوئی بھی ریاست جرائم کی سزاؤں کا تعلق کسی خاص طبقہ یا مذہب سے نہیں جوڑتی ہے، بلکہ ان جرائم کے علاج میں جو سزائیں مؤثر ثابت ہوسکتی ہوں، ان کا تعین ہوتا ہے، معاصر فرنگی قانون جرائم کے تدارک اور سزاؤں کی وضع میں شہوت پرستانہ روایات کو ملحوظ رکھتے ہوئے قانون کی وضع اور تنسیخ کرتا ہے، کیا جرم ہے اور کیا نہیں، کوئی جرم کتنا شدید اور کتنا خفیف ہے اس کا تعلق رائج ماحول سے ہوتا ہے، ماحولیاتی حوالہ سے آج کا جرم اگر جا کر کہیں کل کی ضرورت بن جائے، تو اس کی سزا خود بخود ختم ہو جائے گی۔ کیونکہ وہ

جرم نہیں رہا ہے بلکہ معاشرتی حق بن گیا ہے، جیسے برطانیہ میں اغلام بازی کا فعل ماضی میں جرم تھا، ابھی نہیں ہے۔

جبکہ .... اس کے برخلاف اسلام نے تعزیراتی قوانین کی بنیاد رائج ماحول اور شہوت پرستانہ روایات کی بجائے انسانی فطرت پر رکھی ہوئی ہے، کیا جرم ہے اور کیا نہیں؟، کیا ظلم ہے اور کیا انصاف؟، کوئی جرم کتنا شدید ہے اور کتنا خفیف ہے؟ اس کا تعلق انسانی فطرت سے جوڑا گیا ہے۔

فرنگی اور اسلامی قوانین دو متوازی نظام ہیں ایک نے اپنی بنیاد رائج شہوت پرستانہ ماحول پر رکھی ہوئی ہے جبکہ دوسرے نے انسانی فطرت پر، دونوں نظام اس بات پر مصر ہیں کہ ملک میں تعزیراتی قانون واحد، یکساں اور بلا امتیاز نافذ ہونا چاہیے، کیونکہ رائج ماحول ریاست کے سارے افراد کی تخلیق ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے نتیجہ میں بننے والا قانون بھی سب کو قبول ہونا چاہیے۔ اسلام بھی کچھ ایسا ہی کہتا ہے کہ فطرت انسانی ایک ہوتی ہے تو ملک میں رائج تعزیراتی قانون بھی ایک ہونا چاہیے۔

لیکن یہاں محل نظر یہ ہے کہ تعزیراتی قانون کے لئے بہتر بنیاد کونسی ہوسکتی ہے۔ رائج ماحول یا کہ انسانی فطرت، اس کو معلوم کرنے کے لئے ہمیں دونوں نظاموں کے قوانین کا تقابلی مطالعہ کرنا ہوگا۔

1 ...... ہر انسان اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ انسان کی راحت، تسکین اور ذہنی اطمینان فطرت کی متابعت میں مضمر ہے، فطرت کی پیروی میں انسان کو راحت ملتی ہے جبکہ رائج ماحول کی پیروی بسا اوقات انسان کے لئے تباہ کن ثابت ہو جاتی ہے۔

2......فطرت اور رائج ماحول پر مبنی تعزیراتی قوانین کے تقابلی جائزے کے لئے "سزائے قتل(sentence of death) کا مطالعہ کرتے ہیں۔

1......معاصر مغربی دانشور بعض ممالک میں رائج ماحول کے سبب سزائے موت کا قانون وضع کرتے ہیں۔ جبکہ بعض دیگر ممالک میں سزائے موت کی بجائے سزائے عمر قید انتہائی سزا کے طور پر نافذ کیئے ہوئے ہیں۔

2......مغربی قانون جرم قتل کو ریاست کے خلاف جرم تسلیم کرتا ہے اور اس میں مقتول کے ورثاء کو کسی قسم کا قانونی حق نہیں دیا جاتا ہے۔ یعنی فقہی اصطلاح میں مغربی قانون کے اندر جرم قتل حــــق اللہ کے قبیل سے تعلق رکھنے والا تعزیراتی نوعیت کا جرم ہے۔

3......اسلامی قانون کی رو سے جرم بالا میں حق اللہ اور حق العبد دونوں پہلو موجود ہیں، یعنی جرم بالا کی سزا میں اجتماعی اور شخصی مفاد دونوں ملحوظ ہوں گے۔

4......انگریزی قانون مقتول کے متاثرہ خاندان کے جذبات کا مداوہ نہیں کرتا ہے، مقتول کے خاندان کی مرضی کے برخلاف اگر ارباب حکومت، وزیراعظم، صدر یا وزیراعلیٰ سزائے قتل کو سزائے عمر قید میں بدلنا چاہے یا سزا میں کسی قسم کی تخفیف دینا چاہے، تو دے سکتا ہے۔ مقتول کے متاثرہ خاندان کو اعتراض کا کوئی حق نہیں ہوتا ہے۔

دفعہ 54 اس کی وضاحت اس طرح کرتی ہے:

ترجمہ: ہر ایسے کیس جس میں سزائے موت کا حکم نامہ جاری ہوا ہو، وفاقی حکومت یا اس صوبہ کی صوبائی حکومت جس کے اندر مجرم کو سزا ہوئی ہو، کو اختیار ہوگا کہ مجرم کی

مرضی کے برخلاف اس سزا کو مجموعہ ھذا میں مقرر کسی دیگر سزا سے بدل دے۔
(دفعہ P.P.C.54)

5......اسلامی قانون کے مطابق جرم قتل میں دونوں نوعیت کے حقوق موجود ہیں، لیکن اسلام نے مقتول کے ضرر رسیدہ خاندان کے زخمی دلوں کے مداوہ کے لئے اس کے حق کو غالب رکھا ہے۔ ان کی مرضی کے خلاف حکومت کو کسی قسم کا کوئی اختیار نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ ریاست کی مرضی کے خلاف اگر اولیائے مقتول قاتل کو معاف کرنا چاہیں، مصالحت برمال کرنا چاہیں تو وہ اس میں مکمل آزاد ہیں۔ اور حکومت کو اعتراض کا کوئی حق نہیں ہوتا ہے۔ اگر ملک کا وزیر اعظم سزا میں تخفیف یا تبدیلی کرنا چاہے، تو اس سلسلہ میں اسے اولیاء مقتول کی رضامندی لینی ہوگی، ورنہ حکم نامہ باطل متصور ہوگا۔ پاکستان میں نافذ مغربی قانون میں درج ذیل اضافہ بمطابق اسلامی قانون کیا گیا ہے:

ترجمہ: مگر شرط یہ ہے کہ کسی ایسے مقدمہ میں جس میں کسی مجرم کو کسی قتل کے جرم کی نسبت سزائے موت دی جانی ہو، تو ایسی سزا بلا رضامندی وارثان مقتول تبدیل نہیں کی جائے گی۔ (دفعہ P.P.C-54)

اب آپ ہی ٹھنڈے دماغ سے سوچئے! فطرت کے قریب اور مبنی بر انصاف کونسا قانون ہے؟ عوامی مفادات کی ضمانت اور نمائندگی کونسا قانون زیادہ مؤثر انداز میں دیتا ہے؟ یقیناً مغربی قانون انسانی فطرت اور عوامی جذبات سے کوسوں دور دکھائی دیتا ہے۔ پاکستان میں سزائے قتل کے مغربی قانون کے نفاذ کے سبب سزائے موت سیاسی عذر داریوں کا شکار تھی، لیکن بحمداللہ پاکستان میں اس سزا کو اسلامی قانون کے

مطابق بنایا گیا ہے۔

وفاقی شرعی عدالت نے زعفران بی بی کیس میں اسلام کے تعزیراتی قوانین کی بابت بالکل بجا کہا ہے:

حدود قوانین ایک اسلامی ریاست کے شہریوں کو بلاتفریق جنس، دولت، مذہب، ذات، رنگ وزبان وغیرہ پرامن زندگی گزارنے کی ضمانت مہیا کرتے ہیں، اوران کے بنیادی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں اور دیگر تجاوزات کے مقابلہ میں تحفظ فراہم کرتے ہیں''۔

اسلامی اور انگریزی قانون میں اساسی تصادم کے باوجود دونوں میں مابہ الاشتراک امور بھی ہیں۔ اسلامی قانون کی طرح مغربی قانون بھی اپنے نفاذ کا دارومدار ولایت (Jurisdiction) پر رکھتا ہے۔ ریاست کی جغرافیائی حدود تک نافذ العمل قانون اپنا دائرہ اثر رکھتا ہے، ریاست کے زیرولایت افراد بلاامتیاز یکساں طور پر قانون کی عملداری میں ہوتے ہیں۔ اور ریاست کے سارے افراد کے لئے ایک تعزیراتی قانون ہوتا ہے۔ جسکے سارے شہری بلاامتیاز پابند ہوتے ہیں خواہ وہ کسی مذہب یا عقیدہ سے تعلق رکھتے ہوں، ریاست کے زیرولایت آنے کے لئے جمہوری روایات اور بین الاقوامی رواجات کے تحت فقط اقامت (Residence) کو کافی سمجھا جاتا ہے۔ شہریت کو ضروری نہیں سمجھا جاتا۔ اسلام بھی بین الاقوامی رواجات کے احترام میں مجتهد فیه مسائل میں اسلامی ریاست کو مجاز کرتا ہے کہ عصری ضرورتوں اور وقتی مصالح کے پیش نظر جورائے مفید اور راجح نظر آئے اختیار کرے۔

پاکستانی عوام خواہ وہ کسی مکتب فکر سے تعلق رکھتی ہو، اسکی نفسیات فطرت کے اصولوں کی متقاضی ہیں، مغربی طرز قانون پاکستانی عوام کے لئے اس لئے قابل قبول نہیں ہوسکتا ہے، کہ وہ قانون فطرت سے بغاوت کیا ہوا ہے۔ اس میں انسانی جذبات اور فطری ضروریات کی دیکھ بھال کم اور شہوت پرستانہ اور باغیانہ ذہن کا احترام زیادہ ہے، اور یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان کی ذہنی تسکین فطرت کے اصولوں اوران کے بموجب بننے والے قانون کے اندر ہے، شہوت پرستانہ ماحول کے نتیجہ میں بننے والے قانون کے اندر انسانی فطرت کے لئے تسکین کی قطعی امید نہیں باندھی جاسکتی ہے، درج ذیل مثالوں کے ذریعہ آپ کسی مناسب نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں۔

1 ...... اسلامی قانون ریاست کے تمام مذاہب کو تحفظ فراہم کرتا ہے اور مروجہ مذاہب کے احترام میں اقلیتوں کے شخصی قوانین (Personal Laws) کو ان کے مذہبی قوانین کے مطابق کرنے کی سہولت فراہم کرتا ہے۔

جبکہ مغربی قانون ایسی کوئی سہولت نہیں دیتا ہے، امریکہ برطانیہ و دیگر مغربی ممالک میں رہائش پذیر اقلیتیں اپنے شخصی قوانین میں آزادی سے محروم ہیں۔

2 ...... مذہب سے بغاوت اسلامی قانون میں سنگین نوعیت کا جرم ہے، لیکن اقلیتیں اسلام کو قبول کرنے یا نہ کرنے میں مکمل آزاد ہیں، انبیاء کرام اور دیگر مذاہب کے بانیوں کی توہین اسلامی قانون کے تحت جرم ہے۔

جبکہ مغربی قانون میں مذہب سے بغاوت حوصلہ افزا عمل ہے۔ انبیاء کرام، بانیانِ مذہب بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کی توہین بھی عملی طور پر ناقابل تعزیر جرم ہے۔

3...... مغربی قانون میں عریانیت کو تحفظ ہے، جبکہ حجاب عورت کے لئے قابل ملامت فعل ہے، جبکہ اسلامی قانون میں اس کے برعکس ہے۔

4...... سنگین جرائم کی سزاؤں میں متضرر فرد کے حق کو تسلیم نہیں کیا جاتا ہے، جبکہ اسلامی قانون افراد کے حقوق کی بھی ضمانت دیتا ہے۔ (مسئلہ قصاص سے تقابل واضح ہو چکا ہے)۔

5...... مغربی قانون میں جس طرح مرد عورت کو طلاق دے سکتا ہے، اسی طرح عورت شوہر کو طلاق دے سکتی ہے، ایک بیوی کے ہوتے ہوئے مرد دوسری شادی تو نہیں کر سکتا ہے، لیکن داشتائیں جتنی مرضی ہو رکھ سکتا ہے، اسی طرح عورت بھی یہ حق رکھتی ہے۔

جبکہ اسلامی قانون میں حق طلاق شوہر کو حاصل ہے، عورت معقول وجوہ پیش کر کے بذریعہ عدالت طلاق لے سکتی ہے۔ نیز...... شوہر کی رضامندی سے فسخ نکاح کا حق اور خلع لے سکتی ہے۔

نیز...... اسلام عورت کو ایک ساتھ دو شادیوں یا کسی سے ناجائز تعلق کی قطعی اجازت نہیں دیتا ہے۔ جبکہ مرد کو چار تک مع الشرائط اجازت دیتا ہے، عام حالات میں وہ ایک ہی شادی پر اکتفاء کرے۔

7...... مغربی قانون عورت کو فری ہینڈ دیتا ہے، وہ اپنی مرضی سے جس مرد کے ساتھ چاہے زنا کر سکتی ہے، زنا یا زنا بالجبر (Rape) مرد کے حق میں تو قابل تعزیر جرم ہے، عورت کے حق میں نہیں۔

جبکہ اسلامی قانون کے اندر زنا مساوی طور پر دونوں کے حق میں قابل حد یا

قابل تعزیر جرم ہے۔

8.....مغربی قانون مرد کو اجازت دیتا ہے کہ وہ بیوی کی رضامندی سے اس کو چکلے (Brothel) کے طور پر استعمال کرسکتا ہے اور عورت کی جسم فروشی سے اپنی تجوری بھر سکتا ہے۔

جبکہ اسلام ایسی کوئی اجازت نہیں دیتا ہے، بلکہ اس کو انتہائی نوعیت کا گھناؤنا جرم بتاتا ہے۔

9.....مغربی قانون کے اندر زنا علی الرضاء یا علی الاکراہ دونوں قابل معافی جرم ہیں، زانی اور مزنیہ اگر چاہیں تو ایک دوسرے کو معاف کر کے یا مصالحت کر کے جرم ختم کروا سکتے ہیں۔

جبکہ اسلامی قانون میں زنا اجتماعی نوعیت کا نا قابل معافی اور نا قابل راضی نامہ جرم ہے۔

10......زنا علی الاکراہ (Rape) جرم ہے، لیکن اس کا مقدمہ مرد پر تو بن سکتا ہے، عورت پر نہیں، عورت کے حق میں زنا یا زنا بالجبر سرے سے جرم ہی نہیں ہے۔

(با حوالہ تفصیلات بندہ کی کتاب ''حدود آرڈیننس'' میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں)

کیس کی سماعت (Hearing) کے وقت عدالت کو دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ جرم کے مرتکب شخص پر ریاست یا عدالت کو اختیار تنفیذ یا اختیار سماعت حاصل بھی ہے کہ نہیں۔ نیز...... وقوعہ اور ارتکاب جرم (commence of offence) ریاست کے ولایتی حدود (Jurisdiction) کے اندر ہوا ہے یا کہ باہر۔ گویا

قضائے قاضی اور عدالتی فیصلہ کے لئے اختیار تنفیذ اور ولایتی حدود پر غور بنیادی اہمیت رکھتا ہے، اس سلسلہ میں مغربی قانون کا نقطہ نظر یہ ہے کہ:

1 ...... اگر مجرم کی نوعیت ایسی ہو کہ وہ خود قانونی طور پر عدالت یا ریاست کے ولایتی اختیار سے بالا و برتر ہو، یا خود صاحب ولایت ہو، تو اس صورت میں عصر حاضر کا مغربی قانون ملزم کو ولایت نہ ہونے کے سبب قانون کی گرفت سے مستثنیٰ قرار دیتا ہے، لیکن استحقاق (privilege) اس وقت تک ہے جب تک وہ برسرِ ولایت ہو، لیکن اگر آئندہ وقتوں میں کہیں وہ زیر ولایت ہو جائے، تو قانون کی دی ہوئی چھوٹ تازیانۂ قانون کی چوٹ میں بدل سکتی ہے۔

بہر حال مغربی قانون کے تحت قانون تعزیرات کی گرفت میں وہ شخص نہیں آ سکے گا جو زیر ولایت ہونے کی بجائے برسرِ ولایت ہو۔ مثلاً ...... درج ذیل افراد کو زیر ولایت نہ ہونے کے سبب قانونی مواخذہ سے استثناء حاصل ہے:

1 ...... پریذیڈنٹ اور گورنر

2 ...... سفراء اور غیر ملکی فرمانروا

3 ...... غیر ملکی فوجیں جو کہ بہ اجازت ریاست قیام پذیر ہوں۔ (دفعہ P.P.C-2)

2 ...... مغربی قانون اسلامی قانون کی طرح ''ولایت'' کو تعزیراتی قوانین کی اساس قرار دیتا ہے، لیکن ولایت کی تفصیلات میں اختلاف ہے، مغربی قانون کے مطابق:

1 ...... مغربی قانون کے تحت ریاست کا ہر شہری قابل مواخذہ ہوتا ہے۔ خواہ ارتکاب جرم ملک کے اندر ہوا ہو یا باہر۔

2......غیر ملکی باشندہ ریاست کا مجرم تب متصور ہوتا ہے جبکہ اقامت کے دوران اس سے جرم سرزد ہو جائے، خواہ اس کے اپنے ملک میں وہ جرم متصور ہوتا ہو، یا نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ ریاست کو مجرم پر ولایت حاصل ہونے کے لئے دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ مجرم اس ریاست کا شہری ہے یا کہ نہیں؟ شہری ہونے کی صورت میں شہریت اس کو زیر ولایت بنانے کے لئے کافی ہے خواہ سرزد شدہ جرم ملک سے باہر کیوں نہ ہوا ہو اور وہ خود بھی باہر ہو۔ لیکن وہ جب کبھی اپنی ریاست میں قدم رکھے گا، تو ایک مجرم کی حیثیت سے قانون کے سامنے جوابدہ ہوگا۔

جبکہ غیر ملکی باشندہ فقط رہائش کے ذریعہ قابل مواخذہ ہوتا ہے، شہریت کو ضروری قرار نہیں دیا جاتا ہے۔ (دفعہ P.P.C-3-4)

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں تفصیل کے ساتھ عرض کیا جا چکا کہ اسلامی قانون کے تحت تنفیذ قانون کا دارومدار ولایت پر ہوتا ہے، اور دراصل ولایت ہی تنفیذ قوانین کی اساس قرار پایا ہے۔ اس اصول کے ذریعہ فقہاء کرام تعزیراتی قوانین سے دو مستثنیات قائم کرتے ہیں:

1...... برسر ولایت (فوق الولایۃ)

2...... خارج ولایت (خارج الولایۃ)

اسلامی قانون کے تحت ''برسر ولایت'' کے استثنائی ضابطہ میں صرف خلیفہ، بااختیار صدر یا وہ شخص جو ریاست کے کلی اختیارات کا حامل ہو، داخل ہے، ریاست پر صرف برسر اقتدار ہونا، کسی صوبہ کا وزیر اعلیٰ یا گورنر ہونا کافی نہیں ہے۔

صاحب فتح القدیر وضاحت کرتے ہیں:

کل شیء فعله الامام الذی لیس فوقه امام ممایجب به الحد کالزناء والشرب والقذف والسرقة لایواخذ به الامام. (فتح القدیر جلد 5 صفحہ 55)

ترجمہ: ''ہر ایسا جرم جسے ایسا امام وقت کرے جو ریاست میں سب سے بالا ہو اور وہ کسی کے ماتحت نہ آتا ہو، تو اگرچہ سرزد شدہ جرم مستوجب حد ہو، جیسے زنا، قذف، چوری، لیکن امام وقت کا قانونی مواخذہ نہیں کیا جائے گا''۔

2...... قانونی مؤاخذہ سے مختار کل خلیفہ کو اسلامی قانون اس شرط کے ساتھ مستثنیٰ قرار دیتا ہے، جبکہ سرزد شدہ جرم کا تعلق حقوق العباد سے نہ بنتا ہے، جیسے زنا، شراب نوشی وغیرہ۔

نیز...... یہ استحقاق اس لئے حاصل ہے کیونکہ خلیفہ خود صاحب ولایت ہے، جسکی بناء پر اجراء حد اور قانون پر عملدرآمد متعذر ہے۔ عدم اجراء حد خلیفۃ المسلمین کے قانونی استحقاق کے پیش نظر ہرگز نہیں ہے۔

لیکن اگر والی ریاست سے سرزد ہونے والا جرم حقوق العباد سے تعلق رکھتا ہو، تو اس صورت میں وہ قابل مؤاخذہ ہوگا۔ جیسے قصاص، مالی حقوق وغیرہ۔

صاحب فتح القدیر لکھتے ہیں:

فانه اذاقتل إنساناً أو أتلف مال إنسان يؤاخذبه. (فتح القدیر جلد 5 صفحہ 55)

ترجمہ: ''اگر مملکت کے بادشاہ نے کسی انسان کو قتل کیا، یا کسی کا مال تلف کیا، تو اس کا مواخذہ کیا جائے گا''۔

2...... خارج از ولایت (خارج الولایۃ)

ریاست سے باہر کسی دوسرے ملک میں مثلاً دار الحرب میں اگر کسی شہری سے کوئی مستوجب تعزیر یا مستوجب حد جرم سرزد ہو جائے، اور پھر واپس اپنے ملک میں آ جائے، تو اسلامی قانون کے تحت ریاست اپنے شہری کے خلاف سرزد ہونے والے جرم کی سماعت کا حق اس لئے نہیں رکھتی ہے، کیونکہ تعزیراتی یا مستوجب حد سزا کے لاگو کرنے کیلئے "ولایت" شرط ہے۔ جو کہ ریاست کے جغرافیائی حدود تک محدود ہوتی ہے، جبکہ یہاں سرزد شدہ جرم ریاست سے باہر ہوا ہے۔ اس لئے اگر کسی پاکستانی نے امریکہ میں قیام کے دوران جرم زنا کا ارتکاب کیا، اور پاکستان آنے کے بعد اپنے اس جرم کا اعتراف کرتا ہے، تو عدالت زانی کے سزا اس لئے جاری نہیں کرسکتی ہے کیونکہ متعلقہ جرم ریاست سے باہر ہوا ہے۔

صاحب فتح القدیر لکھتے ہیں:

من زنی فی دار الحرب اوفی دار البغی ثم خرج الینا واقر عندالامام لایقام علیه الحد. (فتح القدیر جلد 5 صفحہ 46)

ترجمہ: جس نے زنا کیا دار الحرب یا باغیوں کے ملک میں، پھر ہمارے پاس اسلامی ملک میں آ جاتا ہے، اور امیر المؤمنین کے سامنے اپنے جرم کا اقرار کرتا ہے، تو اس کے حد قائم نہیں کی جائے گی"۔

فقہائے کرام درج بالا مسئلہ میں یہ مثال بھی ذکر کرتے ہیں کہ اسلامی فوج جو کہ دشمن کے ملک میں برسرپیکار ہو، یا وہاں قیام پذیر ہو، اور اس دوران معسکر کے اندر کسی مسلمان فوجی سے کوئی مستوجب حد جرم مثلاً زنا کا ارتکاب ہو جاتا ہے، تو فوجی سالار

اس کے خلاف حد کا فیصلہ اس لئے نہیں کرسکتا ہے، کیونکہ سرزد شدہ جرم خارج از ولایت امام ہوا ہے، جبکہ فوجی سالار کو امیر المؤمنین نے عدالتی نوعیت کے اختیارات بھی تفویض نہیں کیئے ہیں۔ لیکن اگر فوج کے ساتھ امام المسلمین بھی موجود ہو، یا فوجی سالار کو اختیارات تفویض ہوئے ہوں، تو اس صورت میں فوجی سالار بوجہ ولایت کے مجرم کے خلاف بجا طور فیصلہ کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

صاحب فتح القدیر لکھتے ہیں:

ولو غزا من له ولاية الإقامة بنفسه كالخليفة و امير المصر يقيم الحد على من زنى فى معسكره لانه تحت يده فالقدرة ثابتة عليه. بخلاف مالو خرج من المعسكر فدخل دار الحرب فزنى ثم عاد إلى المعسكر لايقيمه ويفيد أنه لو زنى فى العسكر والعسكر فى دار الحرب فى ايام المحاربة قبل الفتح له ان يقيمه للولاية حينئذ أما أمير العسكر والسرية فلايقيمه لانه لم تفوض اليهما الاقامة. (فتح القدیر جلد 5 صفحہ 47)

ترجمہ: جس کے پاس قانون نافذ کرنے کی اتھارٹی موجود ہو اگر وہ بذات خود جہاد میں شریک ہو، جیسے خلیفہ، شہر کا گورنر تو وہ معسکر میں زانی پر حد قائم کرسکتا ہے، کیونکہ قدرت و طاقت اسے حاصل ہے، لیکن اگر زانی نے معسکر سے باہر دارالحرب میں جرم زنا کا ارتکاب کیا ہو، اور پھر معسکر میں داخل ہوا ہو، تو اس صورت میں حد قائم نہیں کی جاسکتی ہے۔ اس اصول سے یہ بات پتہ چلی کہ اگر معسکر میں کسی نے جرم زنا کا ارتکاب کیا۔ اور وہ معسکر دارلحرب میں قائم ہو، اور

جرم زنا کا عمل دوران جنگ فتح سے پہلے ہوتا ہے، تو اس صورت میں بھی مجرم کے حد بوجہ ولایت کے لگے گی، لیکن عام آفیسر حد نہیں لگا سکتا ہے، کیونکہ اسے تنفیذ حد کے اختیارات تفویض نہیں ہوئے ہیں''۔

معاملات وعقود :(Civil Act) جسے اسلامی قانون کی اصطلاح میں ''القوانین المدنیة'' کہا جاتا ہے، اس کے تحت کاروباری نوعیت کے یا دو پارٹیوں کے درمیان طے پانے والے تمام معاملات آتے ہیں۔ جیسے قانون شرکت (partnership Act) قانون بیع وشراء (sale of goods act) قانون انتقال جائیداد (transfer of property act) قانون معاہدہ (contract act) قانون دستاویزات قابل بیع وشراء (Negotiable of Instrument Act)

اسلامی قانون کے اندر عقود ومعاملات کی بنیاد ''عرف'' اور ریاست کے عمومی رواجات (Common Custems) پر ہے، بشرطیکہ وہ قرآن وحدیث سے متصادم نہ ہوں، اسلامی قانون میں عرف کی اس قدر اہمیت ہے کہ قرآن وحدیث اور اجماع امت کے بعد اسے جگہ دے گئی ہے، قیاس عقلی اور قیاس لغوی پر عرف (Custem) کو فضیلت ہے، قیاس اور عرف میں اگر کہیں ٹکراؤ آجائے تو ترجیحی بنیادوں پر عرف کے مطابق فیصلہ دیا جاتا ہے، اسلامی قانون کے مطالعہ کے دوران اکثر اختلافی مسائل میں قیاس اور استحسان کا ذکر ملتا ہے، اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ دونوں میں تصادم کے وقت استحسان کو ترجیح دی جاتی ہے، استحسان کو ترجیح حاصل ہونے کی

عموماًوجہ بھی اس کا بمطابق عرف ہوناہے۔

بہرحال اسلامی قانون کے اندر معاشرتی اقدار (Social Values)اور عمومی رواجات (Commen Custems) کی بڑی اہمیت ہے، اسلامی قانون کا ایک بڑا حصہ عرف پر قائم ہے، اور شعبہ معاملات کا تو اکثر حصہ ہی عرف اور رواجات سے ماخوذ ہے، لہٰذا جب اسلامی قانون کے شعبہ عقود و معاملات کی بنیادعرف اور ریاست کے مستند رواجات پر ہے، تو پھر کوئی مضائقہ نہیں کہ عرف کی بنیاد پراسلامی قانون کے شعبہ معاملات وعقود (Civil Act) کی قانون سازی ریاست کے اکثریتی باشندوں کے رواجات کے مطابق ہو، اور ریاست کی اقلیتوں سے اس اکثریتی ذہن کے موضوعہ قانون کی پابندی کرائی جائے، اور یہ پابندی کرانا بین الاقوامی رواجات اور عصری روایات کے بالکل مطابق ہے، کیونکہ ترقی پذیر ممالک میں نافذقوانین کی دواقسام ہوتی ہیں:

1......شخصی قوانین(Personal Laws)

یہ وہ قوانین ہوتے ہیں جومختلف طبقات کے دینی اور مذہبی عقائد کی روشنی میں ان پرلاگوہوتے ہی، ان قوانین کے تحت نکاح، طلاق، وراثت، وقف، ھبہ، ولایت، وصیت وغیرہ امورآتے ہیں۔

2......عمومی قوانین(Common Laws)

یہ قوانین ریاست کے تمام طبقات پرعمومیت کا درجہ رکھتے ہیں بلاامتیاز ملک کے ہر طبقہ اور ہرمکتبِ فکر پر یکساں طور پر لاگوہوتے ہیں۔ یہ قوانین باشندگان ریاست کے مذہبی رواجات کی پرواہ کیے بغیر فوجداری اور دیوانی نوعیت کے احکام ومسائل

نپٹاتے ہیں۔

پوری دنیا میں یہ ایک مسلمہ قانونی اصول ہے کہ ہر ملک میں آباد مختلف مذاہب کے لوگوں کے شخصی نوعیت کے مسائل و معاملات تو ان کے شخصی قوانین کے مطابق فیصل کیے جائیں، لیکن دوسرے تمام ملکی قوانین جو امن عامہ برقرار رکھنے، معیشت کو مستحکم کرنے اور جرائم کی روک تھام کے سلسلہ میں ریاست وضع کرتی ہے، ان قوانین کی وضع میں ہر ملک اکثریتی آبادی کے رواجات کی پابندی کرتا ہے، نہ کہ اقلیتوں (Minority) کے رواجات کی، جبکہ رہائش پذیر اقلیتوں کو وضع شدہ فوجداری اور دیوانی نوعیت کے قوانین کا ایسا ہی احترام رکھنا پڑتا ہے، جیسا کہ ان ممالک کی اکثریتی آبادی کرتی ہے۔ مثال کے طور پر قتل کے مقدمہ (Murder Case) میں امریکہ یا انگلینڈ میں رہائش پذیر یا وہاں کے مسلمان شہری یہ اصرار نہیں کر سکتے ہیں کہ وہاں قتل کے مقدمات (Murder Cases) ان کے مذہب کے مطابق قصاص اور دیت کے اسلامی قوانین کے مطابق فیصل کیئے جائیں۔ اس قسم کا مطالبہ آج تک مغربی ممالک سے مسلمانوں نے اس لئے نہیں کیا ہے، کیونکہ اس قسم کے مطالبات بین الاقوامی مسلمہ اصولوں کے خلاف ہیں۔

عقود و معاملات اور دیوانی نوعیت کے احکام کی قانون سازی تو شریعت کے اصولوں اور قرآن وسنت کے مطابق ہوگی، کیونکہ بین الاقوامی رواجات کے مطابق قانون سازی اکثریتی آبادی کے رواجات کے مطابق ہوتی ہے۔

لیکن اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہری نجی طور پر باہم معاملات اپنے مذہبی اصولوں کے مطابق کرنا چاہیں، بشرطیکہ وہ کاروبار مفاد عامہ (Public

(Interest کے خلاف نہ ہو جیسے سود اور ربا، تو اسلامی قانون ان کو اس کی اجازت دیتا ہے۔

1..... غیر مسلم شہری آپس میں شراب کی خرید وفروخت اور اس کا کاروبار کرنا چاہیں تو وہ بلا روک ٹوک کر سکتے ہیں۔

2.....اسی طرح خنزیر جو کہ اسلامی قانون کے تحت نجس العین ہے، اگر اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہریوں کا مذہب انہیں اس کی خرید وفروخت کی اجازت دیتا ہو، تو وہ آزادی سے اس کی خرید وفروخت کر سکتے ہیں، اور اس کو ذبح کر کے حلال گوشت کی طرح اس کا گوشت ایک دوسرے کو بیچ بھی سکتے ہیں۔

3..... حرام جانور جیسے کتا، گیدڑ وغیرہ، غیر مسلم شہریوں کا عقیدہ اگر اس قسم کے جانوروں کی خرید وفروخت اور ان کا گوشت کھانے کی اجازت دیتا ہو، تو اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہری ان کی خرید وفروخت بھی کر سکتے ہیں، اور نکاح میں انہیں بطور مہر بھی دے سکتے ہیں، حتی کہ اگر مردار ان کے مذاہب میں حلال ہو تو اس کو بھی بطور مہر مقرر کر سکتے ہیں، نیز اسے کھا سکتے ہیں۔

صاحب فتح القدیر لکھتے ہیں:

أن الکفار لیسوا ملتزمین بعقد الذمة مایعتقدون خلافه منها إلا ماشرط علیهم ولذا لانمنعهم من بیع الخمر والخنزیر ونکاح المحارم. (فتح القدیر جلد 3 صفحہ 364)

ترجمہ: اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہری ذمی ہونے کے معاہدہ کے سبب ان کے مذہب سے متصادم احکام کا التزام نہیں کرایا جا سکتا ہے، الا یہ کہ معاہدہ کے وقت

ان پر یہ شرط لاگو کر دیجائے، اسی لئے شراب اور خنزیر کی خرید و فروخت اور محرم رشتہ داروں سے شادی کرنے سے انہیں منع نہیں کر سکتے ہیں۔

اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہری نجی طور پر آپس میں وہ معاملات کر سکتے ہیں جو کہ ان کا مذہب ان کے کرنے کی اجازت دیتا ہو، لیکن وہ امور جو کہ ان کے مذہب میں ممنوع ہوں، یا وہ مفاد عامہ کے خلاف ہوں جیسے سودی کاروبار، شراب کی علانیہ خرید و فروخت تو ایسے معاملات وہ نجی طور پر بھی نہیں کر سکیں گے۔

صاحب فتح القدیر لکھتے ہیں:

نترکھم وما یدینون فصاروا کأھل الحرب بخلاف الزناء لأنه حرامٌ فی الأدیان کلھا. والرباء مستثنی عن عقودھم لقوله علیه الصلوۃ والسلام إلا من اربی فلیس بیننا وبینه عھدٌ (فتح القدیر جلد 3 صفحہ 365)

ترجمہ: غیر مسلموں کو نجی طور پر اپنے مذہب پر عمل کرنے میں ایسا ہی آزاد رکھیں گے جیسے دار الحرب کے کافر آزاد ہیں، سوائے زنا کے کیونکہ یہ ہر مذہب میں حرام ہے، اور جہاں تک ربا کا تعلق ہے، تو وہ مستثنٰی ہے، بوجہ پیغمبر اسلام کے اس قول کے، ''مگر جو شخص ربا کا کاروبار کرے تو ہمارے اور ان کے درمیان کوئی معاہدہ نہیں ہے''۔



درج بالا تفصیلات سے واضح ہوتا ہیکہ غیر مسلم شہریوں کے بارے میں اسلام جس فراخ دلی اور وسعت ظرفی کا مظاہرہ کرتا ہے، عصر حاضر کا شاید ہی کوئی مغربی ملک اپنی مسلم اقلیتوں کے بارے میں ایسا فراخدلانہ مظاہرہ کر سکے۔ بلکہ عصر حاضر میں مادر وطن پاکستان اپنی غیر مسلم اقلیتوں کے جتنے مذہبی حقوق تسلیم کرتا ہے، اس

کی روشنی میں بجا طور کہا جا سکتا ہے کہ پاکستان کے غیر مسلم شہریوں..... یہودی، عیسائی، ہندو، پارسی اور قادیانی فرقوں کو تقریباً وہی حقوق حاصل ہیں جو مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر کو حاصل ہیں، اس کی پوری وضاحت دفعات کی تشریح کے تحت آئے گی۔

مختصر جائزہ پیش خدمت ہے:

1..... غیر مسلم اقلیتوں کے مذہبی احساسات کو ٹھیس پہنچانا قابل تعزیر جرم ہے۔ سزا دس سال یا جرمانہ یا دونوں سزائیں (بحوالہ دفعہ 295۔الف)

2..... غیر مسلم اقلیتوں کے مذہبی اجتماع کو درہم برہم کرنا قابل تعزیر جرم ہے۔ سزا ایک برس یا جرمانہ یا دونوں سزائیں (بحوالہ دفعہ 296)

3..... غیر مسلم شہری کے مذہبی احساسات یا عقائد کو مجروح کرنا قابل تعزیر جرم ہے۔ سزا ایک برس یا جرمانہ یا دونوں سزائیں۔ (بحوالہ دفعہ 298)

4..... غیر مسلم شہریوں کے قبرستان یا قابل تعظیم مقامات یا رسومات کی جگہوں کی توہین کرنا قابل تعزیر جرم ہے۔ سزا ایک برس یا جرمانہ یا دونوں سزائیں۔ (بحوالہ دفعہ 297)

5..... غیر مسلم شہریوں کے مقدس مقامات کو نجس کرنا، نقصان پہنچانا قابل تعزیر جرم ہے، سزا دو برس یا جرمانہ یا دونوں سزائیں۔ (بحوالہ دفعہ 295)

غیر مسلم شہریوں کو دیئے گئے غیر معمولی حقوق کا حق تو یہ تھا کہ غیر مسلم ممالک خصوصاً مغربی ممالک خیر سگالی کے طور پر اپنے مسلمان شہریوں کے حقوق بھی تسلیم کرتے اور مسلمانوں کے کم از کم اتنے حقوق تسلیم کرتے۔ جتنے کہ مملکت خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان تسلیم کرتا ہے۔

لیکن انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے مسلمان اقلیتوں کے ساتھ مغربی ممالک نے وہ افسوسناک روش اختیار کی ہوئی ہے جو کہ قوم لوط نے قرون ماضیہ میں مسلمانوں کے ساتھ اختیار کیا ہوا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ولوطاً اذقال لقومه أتاتون الفاحشة وانتم تبصرون أإنكم لتاتون الرجال شهوة من دون النساء بل انتم قومٌ تجهلون، فما كان جواب قومه إلا أن قالوا أخرجوا ال لوطٍ من قريتكم، إنهم أناسٌ يتطهرون. (سورۃ النمل آیت 54 تا 56)

ترجمہ: ''اور لوط جب کہا اس نے اپنی قوم کو کیا تم کرتے ہو بے حیائی اور تم دیکھتے ہو، کیا تم دوڑتے ہو مردوں پر للچا کر عورتوں کو چھوڑ کر، کوئی نہیں، تم لوگ ہو نا سمجھ، پھر اور کچھ جواب نہ تھا اس کی قوم کا مگر یہی کہ کہتے تھے نکال دو لوط کے گھر کو اپنے شہر سے، یہ لوگ صاف ستھرے رہنا چاہتے ہیں''۔

مغرب اپنے بہیمانہ رویہ اور ظالمانہ کردار کے باوجود آج دنیا نے اس کو امن پسندی کا ایوارڈ دیا ہوا ہے، دراصل یہ وہی سند امن ہے جو کہ فرعون کے دور کے دانشوروں نے فرعون کو دیا ہوا تھا، جبکہ اس کے مخالف موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مفسد اور دہشت گرد قرار دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وقال الملأمن قوم فرعون اتذر موسىٰ وقومه ليفسدوا في الأرض ويذرك والهتك، قال سنقتل ابنائهم ونستحيي نسائهم وإنا

فوقھم قاھرون. (سورۃ اعراف آیت 127)

ترجمہ: ''اور قوم فرعون کے سرداروں نے کہا کیا آپ موسیٰ اور اس کی قوم کو یوں ہی آزاد چھوڑے رکھیں گے کہ وہ خطہ کا امن تباہ کرتے رہیں اور آپ اور آپ کے خداؤں کو ترک کرتے رہیں۔ اس نے کہا ہم ان کے بیٹوں کو عبرت آمیز انداز میں قتل کریں گے، اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھیں گے، اور حقیقت یہ ہے کہ ہمیں ان پر پاور حاصل ہے''۔

یورپ اپنے کو امن پسند اور مسلمان قوم کو شدت پسند کہتا ہے۔ لیکن حال ہی کا واقعہ ... توہین آمیز خاکے (Blasphemous Sketches) جس نے مسلم دنیا کو انتہائی ذہنی اذیت میں ڈالدیا ہے اور جس کے تعفن اور گھناؤنے پن کے سبب پوری دنیا سراپا احتجاج بنی ہوئی ہے۔ بلا امتیاز دنیا کے ہر فرد نے اس واقعہ کی پُرزور مذمت کی ہے، لیکن یورپ جو اپنے آپ کو تعلیم یافتہ اور مہذب خیال کرتا ہے اور مسلمانوں کے مذہب کو دنیا کے لئے عظیم خطرہ بتاتا ہے۔ یہ بات ماورائے فہم ہے کہ اپنی مسلم اقلیت کے مذہب اور پیغمبر اسلام کے ناموس کا اتنا بھی پاس نہیں رکھا کہ کم از کم واقعہ کی آزادانہ تحقیقات کر کے واقعہ میں ملوث عناصر کو برائے نام سزا تو دے دیتا۔ یوروپین یونین (EU) کے صدر کے درج ذیل بیان میں فرعون کی فرعونیت اور فرنگ کی فرنگیت میں بڑی حد تک مطابقت دیکھنے میں آتی ہے:

Copenhagen: European commission President Jose Manuel Barroso defended Denmark on Tuesday in the cartoons row, telling the Denish media that freedom of expression was "not negotiable".

"Freedom of expression is not something that we can negotiate, because it is an essential value in our open and

democratic European society," Barroso was quoted as saing in Tuesday's edition of the Danish daily Berlingske Tidende

Barroso said he understood that "that these drawings made a lot of Muslims in the world uncomfortable and angry. But I want to say at thė same time that the principle of non-violence and freedom of expression is decisive for democracy".

The 12 caricatures first appeared in the Danish daily Jyllands-Posten on Sept. 30 and have since been reprinted in numerous newspapers around the world. Muslims' reactions have in some places been violent, with three Danish embassy buildings set on fire, five official diplomatic missions closed, Danish products boycotted and a price put on Danes' heads in Afghanistan and Iraq.

Barroso said the attacks on the Danish embassies in Damascus. Beirute and Teheran were "totally unacceptable".

"That's why we are expressing our solidarity with Denmark. What has happened is unfair (because) Denmark has a long traidition of openness and tolerance and also of helping others, of dialogue and of culture," he said.

Meanwhile, he told the Danish daily Politiken that it was "impossible to have a free country without a free press. Too much freedom is better than no freedom at all."

"It is not up to the authorities to decide what should be and should not be published. It is not up to me either. Control (of the media) can and should come from the media itself," he said.

(The News 15 February 2006)

ترجمہ: یوروپین کمیشن کے صدر جوزمینول بروسو نے کارٹونوں کے مسئلہ میں

ڈنمارک کا دفاع کرتے ہوئے بتایا کہ ڈینش میڈیا جو اظہار آزادی کا نام ہے۔ اس پر کسی قسم کی بات چیت نہیں ہو سکتی۔ اظہار آزادی ایسی چیز ہی نہیں جو مذاکرات کے عمل کو قبول کر سکے، وجہ یہ ہے اظہار آزادی ہمارے آزاد اور جمہوری معاشرہ کی لازمی اقدار ہے۔

بروسو نے کہا، ''وہ دنیا کے مسلمانوں کے کرب والم جوان خاکوں کے سبب سے انہیں پہنچے ہیں وہ انہیں بخوبی سمجھتا ہے لیکن اس موقع پر میں یہ کہنا چاہوں گا کہ اصول برداشت اور اظہار آزادی جمہوریت کے فیصل شدہ چیزیں ہیں۔''

بارہ توہین آمیز کارٹون سب سے پہلے ڈنمارک کے اخبار ''ڈیلی جیلنڈز پوسٹن'' نے تیس ستمبر کو شائع کیئے تھے، اس کے بعد پوری دنیا کے اخبارات میں انہی کی دوبارہ اشاعت کی جاتی رہی ہے۔ مسلمانوں کا بعض جگہوں میں ردِ عمل شدت پسندانہ رہا ہے۔ ڈنمارک کے تین سفارت خانوں کو آگ لگادی گئی ہے۔ پانچ آفیشل ڈپلومیٹک مشن بند کیئے گئے۔ ڈنمارک کے مصنوعات کا بائیکاٹ کیا گیا ہے اور افغانستان اور عراق میں ڈنمارک کے ان ملوث عناسر کے سروں کی قیمتیں مقرر کی گئی ہیں۔

بروسو نے کہا: ڈنمارک کے سفارتخانوں پر بیروت، دمشق اور تہران میں حملے مکمل طور پر ناقابل برداشت ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ہم ڈنمارک کے ساتھ اپنی کامل موافقت کا اعلان کرتے ہیں اور ڈنمارک کے ساتھ جو ہوا ناروا اور نامناسب ہوا ہے۔ ڈنمارک آزادی اور تحمل کی ایک طویل روایت رکھتی ہے۔ وہ دوسروں کے کام آنے والا ملک ہے۔ وہ گفت وشنید اور ثقافت کا محافظ ملک ہے۔

اسی دوران اس نے ڈینش ڈیلی پولیٹیکن کو بتایا کہ پریس کی آزادی کے بغیر

ریاست کی آزادی امر محال ہے، آزادی غلامی سے بہر حال بہت ہی بہتر ہے۔

پریس کی حدود کا تعین کہ کیا نشر ہونا چاہیئے اور کیا نہیں ہونا چاہیئے؟ میری نظر میں یہ ایک بے معنیٰ اصول ہے بلکہ میڈیا خود اپنے زیرِ اختیار رہے اور خود اپنا کنٹرول رکھے۔ دوسروں کی گرفت سے مکمل آزاد ہونا چاہیئے“۔

اسلام امن و آشتی کا مذہب ہے......

بے شبہ مسلمانوں میں ایسے بھی تنگ دل لوگ گزرے ہیں جو دوسرے مذہبوں کی آزادی کو صدمہ پہنچاتے تھے لیکن یہ شخصی حالتیں ہیں اور ان سے عام رائے کا اندازہ نہیں ہوسکتا۔ ہم کو معلوم ہے کہ علی بن سلمان گورنر مصر نے مصر کے تمام گرجے ڈھادیئے تھے لیکن اس کے ساتھ ہم اس سے بھی واقف ہیں کہ عیسٰی بن موسیٰ نے جو خاندان عباس سے تھا اور 171ء میں مصر کا گورنر مقرر ہوا خاص سرکاری خزانہ سے کل گرجے نئے سرے سے تعمیر کرائے۔

اسلامی ریاست میں اقلیتوں کے سیاسی حقوق

اسلام امن آشتی کا مذہب ہے۔ اسلام اپنے پیرودں کو تحمل اور برداشت کا درس دیتا ہے۔ لا اکراہ فی الدین......الخ ''دین اسلام میں کوئی جبر نہیں'' میں دراصل مومنوں کے لئے درس ہے کہ اپنے مذہب کو چھوڑو نہیں اور دوسروں کے مذہب کو چھیڑو نہیں۔

اس آیت کے اندر مسلمانوں کو غیر مذاہب کے خلاف جارحانہ عزائم رکھنے سے منع کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے غیر مذہب والوں کو نہ صرف اپنی ریاستوں کے اندر برداشت کیا بلکہ ان کے عقائد اور مذاہب کو مکمل تحفظ دینے کے ساتھ ساتھ تاج وتخت سے قریبی روابط رکھنے اور اعلیٰ مناصب پر فائز ہونے کے مواقع دیئے۔

علامہ شبلی نعمانی جو ہندوستان کے نامور اور محقق عالم جانے جاتے ہیں۔ ان کا مختصر مگر جامع مقالہ پیش خدمت ہے۔ اس سے دراصل قاری کو یہ بتانا ہے کہ اسلام نے اپنے دور عروج میں اقلیتوں کو کیا دیا تھا؟ اور آج کی ترقی یافتہ مغربی حکومتیں بلاامتیاز رواداری کے نام پر کیا دے رہی ہیں؟ کون کتنا مہذب، امن پسند اور رواداری کے اصولوں پر کاربند ہے؟ اس کا فیصلہ قاری نے کرنا ہے۔ ہماری غرض فقط یہ ہے کہ جدید وقدیم دونوں ادوار کے تقابلی مطالعہ سے شاید مغرب پرستوں کا اسلام کے بارے میں غبار آلود ذہن صاف ہو جائے۔ اور مغرب پرستی کا خمار مقالہ ھٰذا کی برکت سے اتر جائے۔ (اللہ تعالیٰ ہمیں غیروں کی ذہنی غلامی سے حفاظت میں رکھے۔ آمین)

علامہ شبلیؒ رقمطراز ہیں:

''مامون کے عہد میں دسری قوموں کو جو حقوق حاصل تھے مہذب سے مہذب حکومت میں بھی اس سے زیادہ نہیں ہو سکتے تھے یہود، مجوس، عیسائی۔ لا مذہب اس کی وسیع حکومت میں نہایت آزادی سے زندگی بسر کرتے تھے خاص دارالخلافت بغداد میں بہت سے گرجے اور چرچ نئے تعمیر ہوئے موجود تھے جن میں رات دن ناقوس کی صدائیں گونجتی رہتی تھیں۔ دربار میں ہر مذہب وملت کے علماء فضلاء حاضر ہوتے تھے اور مامون ان کے ساتھ نہایت عزت وتوقیر سے پیش آتا تھا۔ جبرئیل بن بختیشوع جو ایک عیسائی فاضل تھا اس کی اس قدر توقیر کرتا تھا کہ عام حکم دے دیا تھا کہ جو شخص کسی ملکی عہدہ پر مقرر کیا جائے پہلے جبرئیل کی خدمت میں حاضر ہو۔

خراسان میں جو کالج بنوایا تھا اس کا پرنسپل یعنی مہتمم اعظم ایک عیسائی کو مقرر کیا جس کا نام میسوع تھا مامون کی بے تعصبی کے ثبوت کے لئے ہم ذیل کی حکایت کافی سمجھتے ہیں جس کی مثال آج کسی بھی مہذب ملک میں نہیں مل سکتی۔

عبدالمسیح بن اسحٰق کندی جو ایک عیسائی عالم اور معزز ملکی عہدے پر فائز تھا مامون کے ایک عزیز کا دلی دوست تھا۔

اس ہاشمی نے عبدالمسیح کو نہایت نرم لفظوں میں ایک دوستانہ خط لکھا کہ ''اگر آپ مذہب اسلام قبول کر لیں تو خوب ہو، مجھ کو افسوس ہے کہ ایسے سچے مذہب کی طرف جیسا اسلام ہے اب تک آپ مائل نہیں ہوئے ہیں''

اس خط کے جواب میں عبدالمسیح نے جو کچھ لکھا کوئی شخص جب تک خود نہ دیکھ لے اس کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ اس برگزیدہ راہنمائے خلق یعنی محمد مصطفیٰ ﷺ اور قرآن مجید وصحابہؓ کی نسبت وہ الفاظ لکھے کہ سن کر دل کانپ جاتا ہے یہ پورا خط جو

ایک رسالہ کی شکل میں ہے بمقام لندن مطبع گلبرٹ اور ردونگٹن، تھوڑے دن ہوئے چھاپا گیا ہے میں نے خود اس کو دیکھا اور ناظرین کو یقین دلاتا ہوں کہ دیکھنے کے وقت ایک ایک حرف پر میرا دل لرز جاتا تھا۔ اگر آج عبدالمسیح زندہ ہوتا تو تعزیرات ہند کے اثر سے کبھی نہ بچ سکتا تھا۔ مامون کے سامنے یہ خط پیش ہوا تو اس نے پڑھ کر صرف اتنا کہا کہ:

''جو مذہب دنیا کے کام کا ہے وہ زرتشت کا مذہب ہے اور جو محض آخرت کے لئے مفید ہے وہ عیسائی مذہب ہے لیکن دین و دنیا دونوں کے لئے جو مذہب موزوں ہے وہ اسلام ہے۔

افسوس ہے کہ ان باتوں پر بھی یورپین مصنفین کو تسکین نہیں ہے اور وہ تاریخی تصنیفات میں بھی ہمیشہ بادشاہان اسلام پر ایسے طریقے سے حملہ کر جاتے ہیں جس کی اصل زد اسلام پر پڑتی ہے ناواقف مورخین ایک طرف پامر صاحب جن کی عربیت کا ہم کو بھی اعتراف ہے اور جن کی نظم ونثر عربی وفارسی کا مجموعہ حال میں چھاپا گیا تاریخ ہارون الرشید کے صفحہ 224 میں لکھتے ہیں کہ:

''اس کے بیہودہ درباریوں نے یہ بات اس کے ذہن نشین کر دی تھی بلکہ کل پیرو اسلام اس بات کو اس وقت میں اور کچھ مسلمان اب بھی سمجھتے ہیں کہ کافر کو خدا کی مخلوق ہی نہیں کہا جا سکتا''۔

ہم نہیں جانتے کہ پامر صاحب کو ایسے محیط اور عام اتہام کی جرأت اپنی عامیانہ تاریخ دانی پر کیونکر ہوئی جس تاریخ پر ان کو ناز ہے وہ ہمارے سامنے موجود ہے پامر صاحب اگر یہ بات یاد رکھتے تو اچھا ہوتا کہ جب خدا کی دنیا مسلمان فتح مند کے ہاتھ

میں دے دی گئی تھی جن لوگوں نے ہزاروں لاکھوں چرچ بنوائے اور گرجوں کی حفاظت کا قطعی معاہدہ لکھ دیا وہ خلفائے راشدین تھے جو ہر زمانہ میں مسلمانوں کے راہنمائے کل مانے گئے ہیں کیا عمر بن عبدالعزیز جنہوں نے دمشق کے عامل کو فرمان بھیجا کہ ولید نے گرجے کو توڑ کر مسجد میں جو اضافہ کرلیا تھا وہ ڈھا دیا جائے اور عیسائیوں کو اجازت دی جائے کہ وہ وہاں پھر اپنا گرجا بنالیں، عمر ثانی نہیں تسلیم کئے گئے ہیں اور کیا وہ لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کے جائز قائم مقام نہ تھے کیا خاص دولت عباسیہ کے عہد میں دارالخلافت بغداد میں سینکڑوں ہزاروں عظیم الشان گرجے تعمیر نہیں ہوئے جہاں نہایت آزادی سے ہر ایک قسم کی مذہبی رسوم ادا کی جاتی تھی۔

ہم پامر صاحب کے ہم خیال مصنفین کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ اگر ان کو شبہ ہو تو **دیر الروم، دیر اشمونی، دیر الثعاب، دیرورثا، دیر درمالس، دیر سمالو، دیر عذازی، دیر العارصیه، دیر الزرلقیه، دیر الزندرود** کے حالات **معجم البلدان** میں پڑھیں۔ **عضد الدوله دیلمی** کہ دیلمی خاندان کا سرتاج اور خلافت بغداد کی قسمت کا مالک تھا اس کا وزیر اعظم **نصر بن هارون** ایک عیسائی رئیس زادہ تھا اس نے **عضد الدوله** کی خاص اجازت سے تمام ممالک اسلامی میں چرچ اور گرجے تعمیر کرائے۔ (روضۃ الصفاء۔ حبیب السیر ذکر سلطنت عضد الدولۃ)

......بغداد میں عیسائیوں کے اور بہت سے گرجے تھے لیکن ہم نے مشہور اور ممتاز گرجوں کے نام لکھے ہیں بعض گرجے خاص خاص تہواروں کے لئے مخصوص تھے جہاں اوقات معینہ پر بڑا مجمع ہوتا تھا اور بڑی شان وشوکت سے عیسائی اپنے مراسم مذہبی ادا کرتے تھے۔

بے شبہ مسلمانوں میں ایسے بھی تنگ دل لوگ گزرے ہیں جو دوسرے مذہبوں کی آزادی کو صدمہ پہنچاتے تھے لیکن یہ شخصی حالتیں ہیں اور ان سے عام رائے کا اندازہ نہیں ہوسکتا۔ہم کومعلوم ہے کہ علی بن سلمان گورنر مصر نے مصر کے تمام گرجے ڈھادیئے تھے لیکن اس کے ساتھ ہم اس سے بھی واقف ہیں کہ عیسیٰ بن موسیٰ نے جو خاندان عباسی سے تھا اور 171ء میں مصر کا گورنر مقرر ہوا خاص سرکاری خزانہ سے کل گرجے نئے سرے سے تعمیر کرائے۔

مسلمانوں کی حکومت میں دوسرے مذہب والوں کو جو ملکی عہدے ملتے رہے ہیں کون گورنمنٹ اس سے بڑھ کر دے سکتی ہے تاریخ ابن خلکان، وفات الوفیات میں ہم بہت سے یہودی اور عیسائیوں کے نام پاتے ہیں جو مختلف وقتوں میں بڑے بڑے معزز عہدوں پر فائز رہے آغاز اسلام سے عبدالملک بن مروان کی سلطنت تک شام، عراق کا دفتر رومی وفارسی زبان میں رہا اور اتنی وسیع مدت تک خراج کے محکمہ میں عموماً دوسری ہی قومیں سیاہ وسفید کی مالک تھیں اکبر وجہانگیر کی فیاضیوں کو تو ہندوستان کا ایک ایک بچہ جانتا ہے عام میل جول کے لحاظ سے دیکھو تو تاریخ کے ہر صفحہ میں مسلمانوں کی بے تعصبی کی شہادت ملے گی۔

سینکڑوں عیسائی اور یہودی علماء جو عباسیوں کے دربار میں اٹھتے بیٹھتے تھے ان سے خلفاء کس بے تکلفی اور یگانگت سے ملتے تھے جبرئیل جو ایک عیسائی فاضل تھا اس کو ہارون الرشید نے علاوہ بے شمار جاگیروں اور صلوں کے یہ عزت دی تھی کہ دربار میں جو شخص کوئی حاجت پیش کرنا چاہتا تھا اس کو پہلے جبرئیل کی خدمت میں باضابطہ حاضر ہونا پڑتا تھا اس کا بیٹا بختیشوع جاہ ومنزلت کے اس پایہ تک پہنچا کہ لباس

وآرائش میں خلیفہ متوکل باللہ کا ہمسر گنا جاتا تھا۔خلیفہ المعتصم باللہ حکیم سلمویہ کی بیماری میں خود عیادت کو جاتا تھا اور جب اس نے انتقال کیا تو ایک دن کھانا نہیں کھایا اور حکم دیا کہ اس کا جنازہ دارالخلافہ میں لاکر رکھا جائے اور اس کے اس خواب کا تذکرہ صاحب کشف الظنون نے ذکر حکمت میں اور علامہ بن ابی صبیعۃ نے حنین کے ترجمے میں مختلف روایتوں کے ساتھ کیا ہے میں نے جو روایت لکھی ہے وہ نامہ دانشوران ناصری سے لکھی ہے۔

عزیز بخور و شمع کے ساتھ عیسائیوں کے طریقے کے موافق اس پر نماز پڑھی خلیفہ معتضد باللہ کے دربار میں جہاں تمام وزراء اور امراء دست بستہ کھڑے رہتے تھے صرف وزیر اعظم اور ثابت بن قرۃ کو جو ایک صابی المذہب عالم تھا، بیٹھنے کی اجازت تھی۔ایک دن معتضد اور ثابت بن قرۃ ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر ٹہل رہے تھے کہ دفعتاً معتضد نے ہاتھ کھینچ لیا۔ثابت ڈر گیا۔ معتضد نے کہا کہ ڈرو نہیں میرا ہاتھ اوپر تھا۔میں نے یہ گستاخی پسند نہ کی اہل علم کا ہاتھ اوپر ہونا چاہیے۔

ابتدا میں مسلمانوں نے انہی قوموں سے علوم وفنون سیکھے اور جب خود استادی کے رتبہ پر پہنچے تو کس سیر چشمی اور فیاضی سے انکو علم وفنون کی تعلیم دیکر شاگردی کا حق ادا کر دیا ان کا باہمی اخلاص اور آپس میں دوستانہ گرمجوشی آج بھی تعجب سے دیکھی جاتی ہے علامہ شریف الرضی نے جو مسلمانوں کے ایک بڑے فرقے کے پیشوائے مذہبی ہیں ابو اسحٰق صابی کا ایسا حسرت انگیز مرثیہ لکھا کہ اگر اس کا ہم مذہب اور نہایت دلی دوست بھی لکھتا تو اس سے بہتر، زیادہ درد انگیز اور پر اثر نہ لکھتا اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے کہ علامہ موصوف جب کبھی ابو اسحٰق صابی کے مزار سے

گزرتے تو ہمیشہ اس کی تعظیم کے لئے سواری سے اتر پڑتے تھے اور اس کی قبر کے سامنے سے پیادہ پا گزرتے تھے۔

ہم کو افسوس ہے کہ اس ضمنی بحث کو ہم نے بہت کچھ سمیٹ کر لکھا تاہم موقع اور مقام کی حیثیت سے زیادہ لکھ گئے ناظرین معاف فرمائیں لیکن یہ خیال رکھیں کہ میری بحث کے مخاطب صرف پامر صاحب نہیں ہیں۔ یورپ میں ان کے اور بھی بہت ہم زبان ہیں اس لئے اس بحث کو طول دیا۔ (ماخوذ از المامون والغزالی صفحہ 117)

باب پنجم

قادیانی جماعت اقلیتی فرقہ ......

- تاریخ ساز فیصلہ
- احمدی/قادیانی غیر مسلم کیوں ......؟
- لاہوری جماعت کی وجوہ تکفیر

فساد قلب ونظر ہے فرنگ کی تہذیب
کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف
رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید
ضمیر پاک وخیال بلند وذوقِ لطیف

قادیانی اور لاہوری اقلیتی فرقے......

عصر حاضر میں مغرب کی ذہنی غلامی اور مرعوبانہ طرز فکر کے سبب جس نام نہاد آزاد خیالی اور وسعت فکری نے فروغ پایا ہے آزاد خیالی جو کہ حقیقت میں اسلام سے بغاوت کا دوسرا نام ہے۔ اس فکر کے بدترین نتائج میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جو شخص مسلمان پیدا ہو یا اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے اسے بہر صورت مسلمان ہی کہا جائے خواہ وہ اپنے قول و فعل سے اسلام کے بنیادی عقائد سے انحراف اور اسلام سے کھلم کھلا بغاوت کا اعلان ہی کیوں نہ کرتا ہو. مرتد کی سزائے موت سے انکار دراصل اس باغیانہ روش کی کڑی ہے۔

اس طرز فکر کا نتیجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کو بھی مسلمان کہا جارہا ہے جو سرکارِ دو عالم ﷺ کی رسالت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں اور ان لوگوں کو بھی مسلمان کہا جارہا ہے جو رسول اکرم ﷺ کی کسی بات کو واجب الاتباع نہیں سمجھتے ہیں اور آپ ﷺ کو (معاذ اللہ) ایک ڈاکیہ سے زیادہ حیثیت دینے کو تیار نہیں ہیں۔ ستم بالائے ستم یہ ہے کہ قادیانی جماعت اور اس کے بانی کو کافر کہنے پر مسلمانوں کو مطعون کیا جاتا ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ قادیانیوں کا خارج از اسلام ہونا دو دو چار کی طرح واضح ہے۔ ان کے عقائد، ان کا دین، ان کی جماعت اور ان کا طریق کار غرض ان کی ہر چیز امت مسلمہ سے بالکل مختلف ہے۔ اس فرقہ کا بانی غلام احمد قادیانی نے نبوت کا دعویٰ کر کے ایک نئے مذہب اور ایک نئے عقیدہ کی داغ بیل ڈال کر قرآن وحدیث کی واضح نصوص اور اللہ اور اس کے رسول کے لائے ہوئے مذہب اسلام سے مکمل طور پر

انحراف کیا ہوا ہے۔ اس شخص نے نبوت کی نت نئی قسمیں ایجاد کر کے ختم نبوت کے اجماعی اور تواتر سے ثابت عقیدہ سے بغاوت کی ہے جبکہ ختم نبوت امت مسلمہ کا بنیادی عقیدہ ہے، اس سے انکار کفر اور ارتداد ہے۔

اسلام کی تاریخ میں مسیلمہ کذاب سے لے کر قادیانی تک سینکڑوں مدعیانِ نبوت پیدا ہوئے ہیں لیکن پوری تاریخ میں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی جسمیں ایسے کذابوں اور ان کے پیروکاروں کو کسی نے مسلمان قرار دینے کا تصور بھی کیا ہو۔ ماضی کی طرح دورِ جدید میں بھی پوری امت مسلمہ متفقہ طور پر قادیانی عقائد سے نفرت اور بیزاری کا اظہار کرتی ہے اور مسلمانوں کا کوئی مکتب فکر ایسا نہیں ہے جو قادیانیوں کو مسلمان سمجھتا ہو پوری امت مسلمہ غلام احمد قادیانی اور اسکے پیروکاروں کے کفر پر متفق ہے۔

مسلمانوں کی عالمی تنظیم ''رابطة العالم الاسلامی'' نے پوری دنیا کی اسلامی تنظیموں کی ایک عظیم کانفرنس مکہ مکرمہ میں منعقد کی تھی جس میں ڈیڑھ سو ممالک سے مسلمانوں کے نمائندے شریک ہوئے تھے۔ اس کانفرنس میں قادیانی جماعت کے عقائد کی علمی تحقیق اور ناقدانہ جائزہ کے بعد کانفرنس کے شرکاء نے متفقہ طور پر قادیانی جماعت کے کفر پر فتویٰ صادر کیا، اور واضح الفاظ میں اس جماعت کے شر پسندانہ عزائم کی قلعی کھول کر مسلمانوں کو متنبہ کیا۔

ذیل میں قرارداد کا ترجمہ پیش خدمت ہے:

قادیانیت ایک سازشی مذہب ہے جو اپنے ناپاک مقاصد کو چھپانے کے لئے اسلام کا نام استعمال کرتا ہے۔ اسلام سے اس مذہب کی مخالفت کے واضح ترین مظاہر

درج ذیل ہیں:

الف......اس مذہب کا بانی نبوت کا دعویدار تھا۔

ب......یہ مذہب قرآن کی واضح نصوص میں تحریف کرتا ہے۔

ج......اس مذہب نے جہاد کو منسوخ قرار دیا ہے۔

قادیانیت برطانوی سامراج کا پروردہ مذہب ہے اور اسی کی حمایت کے سائے میں اس نے پر پُرزے نکالے ہیں یہی وجہ ہے کہ قادیانیت امتِ مسلمہ کے مسائل سے غداری کر کے سامراج صہونیت کی آلہ کار بنتی رہی ہے اور جو قوتیں اسلام کے خلاف اٹھتی ہیں یہ ان کے ساتھ تعاون کرتی ہے اور انہیں اسلامی عقائد کی شکست وریخت اور تحریف کے لئے استعمال کرتی ہے جس کا طریقۂ کار یہ ہوتا ہے کہ:

الف......اسلام دشمن قوتوں کی مالی مدد سے ایسی عبادت گاہیں قائم کی جاتی ہیں جن میں قادیانیت کے گمراہ کن افکار کو پھیلایا جاتا ہے۔

ب......ایسے مدارس، ادارے اور یتیم خانے کھولے جاتے ہیں جن کے ذریعہ قادیانیت دشمن اسلام طاقتوں کے مقاصد پورے کرنے کے لئے اپنی تخریبی سرگرمیاں پھیلاتی ہے اور قادیانیت دنیا کی مختلف زبانوں میں قرآن پاک کے تحریف شدہ نسخے بھی پھیلا رہی ہے۔

قادیانیت کے خطرے کے سدباب کے لئے یہ کانفرنس درج ذیل قرارداد منظور کرتی ہے کہ:

1......ہر اسلامی تنظیم اپنی اپنی جگہ اس بات کی کوشش کرے گی کہ مسلمانوں کی عبادت گاہوں، مدارس، یتیم خانوں اور تمام ان جگہوں سے قادیانی سرگرمیوں کو بالکل

روک دیا جائے جہاں یہ لوگ اپنی سیاسی کاروائیاں کرتے ہیں اور عالم اسلام کے تمام مسلمانوں کے سامنے قادیانیوں کی حقیقت کھول کر بیان کردی جائے تاکہ مسلمان ان کے جال میں گرفتار نہ ہوسکیں۔

2......اس بات کا واشگاف اعلان کیا جائے کہ یہ گروہ کافر اور اسلام سے باغی ہے۔

3......قادیانیوں یا احمدیوں کے ساتھ کسی قسم کا عملی تعاون روا نہ رکھا جائے۔ معاشی، اجتماعی اور ثقافتی سطح پر ان کا مکمل بائیکاٹ کیا جائے۔ ان کے ساتھ شادی بیاہ کا تعلق قائم نہ کیا جائے، انہیں مسلمانوں کے قبرستانوں میں دفن نہ کیا جائے اور تمام معاملات میں ان کے ساتھ کافروں کا سلوک کیا جائے۔

4......تمام اسلامی حکومتوں سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ مدعی نبوت مرزا غلام احمد کے تمام متبعین کی تمام سرگرمیوں کو روک دیں۔ انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دے دیں اور انہیں ملک کے کلیدی عہدوں تک نہ پہنچنے دیں۔

5......قادیانیت نے قرآن پاک میں جو تحریفیں کی ہیں، ان کی تصویریں اور کاپیاں شائع کی جائیں۔ تاکہ لوگ ان سے باخبر ہوسکیں اور قادیانیوں نے قرآن پاک کے جو ترجمے شائع کیئے ہیں۔ انہیں صرف لفظی ترجمے کی حد تک محدود کرایا جائے اور ان ترجموں کی اشاعت پر پابندی لگائی جائے۔

6......جتنی جماعتیں اسلام سے منحرف ہیں ان سب کے ساتھ قادیانیوں جیسا معاملہ کیا جائے۔ (عصر حاضر میں اسلام کیسے نافذ ہو۔ ص 676)

رابطہ عالم اسلامی کی درج بالا قرارداد کرۂ ارض کے تمام مسلمانوں کا متفقہ فیصلہ ہے۔ یہ فیصلہ درحقیقت علماء اور محققین امت کا اجماعی فتویٰ ہے۔ اس اعتبار سے قادیانی گروہ کے کفر کو ثابت کرنے کے لئے مزید ناقدانہ جائزے اور دلائل و براہین کے پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن قارئین کی دلچسپی کے لئے اور درج بالا اجماعی فیصلے کو مؤکد کرنے کی غرض سے قادیانیوں کے چیدہ چیدہ کفریہ عقائد کو اختصار کے ساتھ عرض کرتے ہیں:

1......دعوائے نبوت کرتے ہوئے مرزا غلام احمد قادیانی لکھتا ہے:

سچا خدا وہ ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔ (دافع البلاء طبع سوم قادیان 1946ء ص11)

میں اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اس نے مجھے بھیجا ہے اور اسی نے میرا نام نبی رکھا ہے۔ (تتمہ حقیقۃ الوحی ص68 مطبوعہ قادیان 1934)

میں رسول اور نبی ہوں یعنی باعتبار ظلیت کاملہ کے میں وہ آئینہ ہوں جس میں محمدی شکل اور محمدی نبوت کا کامل انعکاس ہے۔ (نزول مسیح ص3 طبع اول مطبع قادیان 1909)

میں جبکہ اس مدت تک ڈیڑھ سو پیشگوئی کے قریب خدا کی طرف سے پا کر بچشم خود دیکھ چکا ہوں کہ صاف طور پر پوری ہو گئیں تو میں اپنی نسبت نبی یا رسول کے نام سے کیونکر انکار کر سکتا ہوں، اور جبکہ خود خدا تعالیٰ نے یہ نام میرے رکھے ہیں تو میں کیونکر رد کروں یا اس کے سوا کسی دوسرے سے ڈروں۔ (ایک غلطی کا ازالہ ص8 مطبوعہ قادیان 1901)

خدا تعالیٰ نے مجھے تمام انبیاء کا مظہر ٹھہرایا ہے اور تمام نبیوں کے نام میری طرف

منسوب کئے ہیں میں آدم ہوں، میں شیث ہوں، میں نوح ہوں، میں ابراہیم ہوں، میں اسحاق ہوں، میں اسماعیل ہوں، میں یعقوب ہوں، میں یوسف ہوں، میں عیسیٰ ہوں میں موسیٰ ہوں، میں داؤد ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مظہر اتم ہوں، یعنی ظلی طور پر محمد اور احمد ہوں۔ (حاشیہ حقیقۃ الوحی ص 72 مطبوعہ قادیان 1934ء)

ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم رسول اور نبی ہیں۔ (اخبار بدر 5 مارچ 1908ء مندرجہ حقیقۃ النبوۃ)

انبیاء اگرچہ بہت سے ہوئے ہیں مگر میں معرفت میں کسی سے کم نہیں ہوں۔

(نزول المسیح ص 97 طبع اول قادیان 1909ء)

میں خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں اور اگر میں اس سے انکار کروں تو میرا گناہ ہوگا اور جس حالت میں خدا میرا نام نبی رکھتا ہے تو میں کیونکر انکار کر سکتا ہوں؟ میں اس پر قائم ہوں اس وقت تک جو اس دنیا سے گزر جاؤں۔ (اخبار عام 26 مئی 1908ء منقول از حقیقۃ النبوۃ مرزا محمود ص 271)

2 ...... مرزا غلام احمد قادیانی نے قرآن کریم میں بہت سی جگہوں پر تحریفات کی ہیں اور اس شخص نے یہاں تک جسارت کی ہے کہ وہ آیات جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نازل ہوئیں تھیں ان کو اپنے حق میں قرار دیا اور جو القاب اور امتیازات آنحضرت ﷺ کے لئے قرآن پاک نے بیان فرمائے تھے وہ سب کے سب اپنے لئے مخصوص کرتا ہوا یہ دعویٰ کیا کہ اس کو یہ استحقاق بذریعہ وحی ملا ہے اور جسارت یہاں تک ختم نہیں ہوتی ہے بلکہ یہاں تک دعویٰ کرتا ہے کہ اس پر نازل ہونے والی وحی قرآن کے برابر ہے۔ اپنے فارسی قصیدہ میں اپنی مدح سرائی کرتا ہوا

دعویٰ کرتا ہے، ترجمہ پیش خدمت ہے:

خدا کی وحی جو میں سنتا ہوں خدا کی قسم! میں اسے ہر غلطی سے پاک سمجھتا ہوں، قرآن پاک کی طرح اسے تمام غلطیوں سے پاک یقین کرتا ہوں یہی میرا ایمان ہے۔

(نزول المسیح ص99 مطبوعہ قادیان 1909ء)

3...... مسلمان انبیاء کرام پر ایمان لانے اور ان کی تعظیم و تکریم کو اپنا جزو ایمان سمجھتے ہیں پیغمبر پاک ﷺ اگرچہ تمام انبیاء کرام سے افضل ہیں لیکن آپ نے کبھی بھی انبیاء کرامؑ کی شان میں ناشائستہ جملہ ارشاد نہیں فرمایا ہے۔ لیکن مرزا قادیانی انسانی پستیوں کے قعر مذلت میں کھڑا ہو کر انبیاء کرام کی شان میں گستاخیاں کرتا ہے۔

ایک مثال ملاحظہ فرمائیں:

مجھے کئی سال سے ذیابیطس کی بیماری ہے۔ پندرہ بیس مرتبہ روز پیشاب آتا ہے اور بعض اوقات سو سو دفعہ ایک دن میں پیشاب آتا ہے ایک دفعہ مجھے ایک دوست نے یہ صلاح دی کہ ذیابیطس کے لئے افیون مفید ہوتی ہے۔ پس علاج کی غرض سے مضائقہ نہیں ہے۔ میں نے جواب دیا کہ اگر میں ذیابیطس کے لئے افیون کی عادت کرلوں تو میں ڈرتا ہوں کہ لوگ ٹھٹھا کر کے یہ نہ کہیں کہ پہلا مسیح تو شرابی تھا اور دوسرا افیونی۔ (نسیم دعوت ص69 مطبوعہ قادیان 1936ء)

4...... جہاد منسوخ ہونے اور تا قیامت جہاد کا حکم اٹھ جانے پر مرزا قادیانی کس شد و مد سے زور دیتا ہے درج ذیل عبارات سے اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

آج سے انسانی جہاد جو تلوار سے کیا جاتا تھا خدا کے حکم کے ساتھ بند کیا گیا۔ اب اس کے بعد جو شخص کافر پر تلوار اٹھاتا ہے اور اپنا نام غازی رکھتا ہے وہ اس رسول کریم ﷺ کی نافرمانی کرتا ہے جس نے آج سے تیرہ سو برس پہلے فرما دیا ہے کہ مسیح موعود کے آنے

پر تمام تلوار کے جہاد ختم ہو جائیں گے۔ سو اب میرے ظہور کے بعد تلوار کا کوئی جہاد نہیں ہماری طرف سے امان اور صلح کا جھنڈا بلند کیا گیا۔ (ضمیمہ خطبہ الہامیہ ص28)

اب چھوڑدو جہاد کا اے دوستو خیال
دین کے لئے حرام ہے اب جنگ وقتال
اب آگیا مسیح جو دین کا امام ہے
دین کی تمام جنگوں کا اب اختتام ہے
اب آسمان سے نور خدا کا نزول ہے
اب جنگ اور جہادکا فتویٰ فضول ہے
دشمن ہے خدا کا جو کرتا ہے اب جہاد
منکر نبی کا ہے جو رکھتا ہے یہ اعتقاد

(ضمیمہ تحفہ گولڑویہ ص39 تبلیغ رسالت ج9 ص49)

اب سے زمینی جہاد بند کیئے گئے اور لڑائیوں کا خاتمہ ہو گیا۔

(ضمیمہ خطبہ الہامیہ ص17 مطبوعہ ربوہ)

5......مرزائی لوگ اپنے اس عقیدہ کا برملا اعلان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد نبیوں کی آمد کا سلسلہ بند نہیں ہوا ہے بلکہ آپ کے بعد نبی آ سکتے ہیں۔

مرزا بشیر الدین محمود لکھتا ہے:

اگر میری گردن کے دونوں طرف تلوار رکھ دی جائے اور مجھے کہا جائے کہ تم یہ کہو کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا تو میں اسے ضرور کہوں گا کہ تو جھوٹا ہے۔ کذاب ہے۔ آپ ﷺ کے بعد نبی آ سکتے ہیں اور ضرور آ سکتے ہیں۔

(انوار خلافت ص65 مصنفہ محمود احمد)

نافذ العمل قانون میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے ساتھ ساتھ قادیانی جماعت کی ایک شاخ لاہوری جماعت کو بھی کافر قرار دیا گیا ہے۔ لاہوری جماعت جس کا بانی محمد علی لاہوری ہے، یہ جماعت بہ کثرت یہ دعویٰ کرتی رہی ہے کہ وہ مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی اور پیغمبر نہیں مانتی ہے بلکہ **مسیح موعود اور مجدد** مانتی ہے اسلئے عقیدۂ ختم نبوت سے انکار نہ کرنے کے سبب اس پر کفر کا فتویٰ نہ لگنا چاہیئے۔

اس دلیل کا سیدھا سا جواب یہ ہے کہ جس شخص کا دعوائے نبوت دو دو چار کی طرح جھوٹ ثابت ہو چکا ہو اور جس کے کفر پر تمام امت مسلمہ کا اجماع ہو، اس کو صرف نبی ہی نہیں سچا اور واجب الاتباع سمجھنا بھی صریح کفر ہے۔ چہ جائیکہ اس کو **مسیح موعود، مہدی معہود، مجدد اور محدث و صاحب الہام** تسلیم کیا جائے جیسا کہ لاہوری جماعت تسلیم کرتی ہے۔

1...... واقعہ یہ ہے کہ عقیدہ کے اعتبار سے ان دونوں جماعتوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ بلکہ مرزا غلام احمد قادیانی کی حیات میں اور اس کے بعد اس کے خلیفۂ اول حکیم نور الدین کے انتقال تک جماعتِ قادیان اور جماعت لاہور کوئی الگ جماعتیں نہ تھیں۔ اس پورے عرصہ میں مرا غلام احمد قادیانی کے تمام متبعین خواہ مرزا بشیر الدین ہو یا محمد علی لاہوری سب کے سب پوری آزادی کے ساتھ اور ڈنکے کی چوٹ غلام احمد قادیانی کو نبی اور رسول کہتے تھے اور اس کا عقیدہ رکھتے تھے۔ محمد علی لاہوری عرصۂ دراز تک قادیانی رسالہ ''ریویو آف ریلیجنز'' کا ایڈیٹر رہا ہے۔ اس دوران وہ باقاعدگی کے ساتھ غلام احمد قادیانی کے لئے نبی اور رسول کا لفظ استعمال کرتا رہا، اور اس کی نبوت کو بے ڈھنگے دلائل کے ذریعہ ثابت کرنے کی کوشش میں ایڑی چوٹی کا زور بھی لگاتا رہا۔

اس کے ایسے مضامین کو اگر جمع کیا جائے تو ایک موٹی کتاب بن سکتی ہے۔ نمونہ کے لئے دو اقتباسات پیش خدمت ہیں:

آنحضرت ﷺ کے بعد خدا نے تمام نبوتوں اور رسالتوں کے دروازے بند کر دیئے مگر آپ کے متبعین کامل کے لئے جو آپ کے رنگ میں رنگیں ہو کر آپ کے اخلاق کاملہ سے نور حاصل کرتے ہیں ان کے لئے یہ دروازہ بند نہیں ہوا۔

(ریویو آف ریلیجنز ج 5 ص 186 مطبوعہ احمدیہ کتاب گھر قادیان)

جس شخص (قادیانی) کو اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں دنیا کی اصلاح کے لئے مامور اور نبی بنا کر بھیجا ہے وہ شہرت پسند نہیں ہے بلکہ ایک عرصہ دراز تک جب تک اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نہیں دیا کہ وہ لوگوں سے بیعت تو بہ لیں آپ کو کسی سے کچھ سروکار نہیں تھا اور سالہا سال تک گوشۂ خلوت سے باہر نہیں نکلے۔ یہی سنت قدیم سے انبیاء کی چلی آئی ہے۔ (ریویو آف ریلیجنز ج 5 ص 131، 132)

2 ...... پیغامِ صلح جو لاہوری جماعت کا نمائندہ اخبار ہے، اس کی 16 اکتوبر 1913ء کی اشاعت میں پوری جماعت کی طرف سے اجتماعی حلفیہ بیان شائع ہوا:

معلوم ہوا ہے کہ بعض احباب کو کسی نے غلط فہمی میں ڈال دیا ہے کہ اخبار ہذا کے ساتھ تعلق رکھنے والے احباب یا ان میں سے کوئی سیدنا و ہادینا حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود، مہدی معہود علیہ الصلاۃ والسلام کے مدارج عالیہ کو اصلیت سے کم یا استخفاف کی نظر سے دیکھتا ہے۔ ہم تمام احمدی جن کا کسی نہ کسی صورت میں اخبار کے ساتھ تعلق ہے خدا تعالیٰ کو جو دلوں کا بھید جاننے والا ہے حاضر و ناظر جان کر علی الاعلان کہتے ہیں کہ ہماری نسبت اس قسم کی غلط فہمی پھیلانا محض بہتان ہے۔

ہم حضرت مسیح موعود ومہدی معہود کو اس زمانہ کا نبی اور نجات دہندہ مانتے ہیں۔(پیغام صلح 16 اکتوبر 1913ء بحوالہ ماہنامہ فرقان)

درج بالا شواہد اور حلفیہ بیان لاہوری جماعت کے اصل عقائد کی قلعی کھولتے ہیں لفظی ہیر پھیر کے باوجود معنی کی وحدت پر دونوں متفق ہیں، جبکہ لفظی ہیر پھیر کا متوازی راستہ محمد علی لاہوری نے اس وقت اختیار کیا جب مرزا غلام احمد قادیانی کا خلیفۂ اول حکیم نور الدین کے انتقال کے بعد سریرِ خلافت مرزا غلام احمد قادیانی کے بیٹے مرزا بشیر الدین محمود کے حصہ میں آئی تو فرطِ عتاب میں محمد علی لاہوری قادیان سے نقل مکانی کر کے لاہور آیا اور یہاں اپنی الگ جماعت کی داغ بیل ڈالی۔ جماعت کی وجہ تاسیس عقائد نہیں سیاسی اور قائدانہ نوعیت کے مفادات تھے۔ جس کے لئے محمد علی لاہوری کو لفظی ہیر پھیر کی حد تک پینترا بدلنا پڑا اور نہ واقع میں دونوں کے عقائد میں کوئی تفاوت نہیں ہے۔

چند مابہ الاتفاق عقائد درج ذیل ہیں:

الف...... جس طرح قادیانی جماعت مرزا غلام احمد کے الہام کو حجت اور واجب الاتباع سمجھتی ہے اسی طرح لاہوری جماعت بھی سمجھتی ہے۔

ب...... قادیانی جماعت جس طرح مرزا غلام احمد کے تمام کفریات کی تصدیق کرتی ہے اور ان پر ایمان لانے کو واجب سمجھتی ہے اسی طرح لاہوری جماعت بھی انہیں واجب التصدیق سمجھتی ہے۔

ج...... جس طرح قادیانی جماعت مرزا غلام احمد قادیانی کی کتابوں کو اپنے لئے سند اور ماخذ سمجھتی ہے اسی طرح لاہوری جماعت بھی سمجھتی ہے۔ بالکل اسی طرح جس

طرح مسلمان قرآن پاک کو اپنے لئے حجت اور سند سمجھتے ہیں۔

د......جس طرح قادیانی جماعت مرزا غلام احمد کو نبی نہ ماننے والوں کو کافر کہتی ہے اسی طرح لاہوری جماعت بھی انہیں کافر کہتی ہے۔

ان دونوں جماعتوں میں اگر کوئی فرق ہے تو وہ صرف الفاظ کے ہیر پھیر کی حد تک ہے ورنہ حقیقت میں دونوں ایک ہیں۔ لفظی ہیر پھیر مثلاً یہ ہے کہ قادیانی جماعت مرزا غلام احمد کے لئے لفظ ''نبی'' اور ''رسول'' استعمال کرتی ہے جبکہ لاہوری جماعت اس کے لئے لفظ **''مجدد''، ''صاحب الهام'' ''محدث''** استعمال کرتی ہے جبکہ واقع میں ان الفاظ سے لاہوری جماعت وہی مفہوم لیتی ہے جو مفہوم قادیانی جماعت ''نبی'' اور ''رسول'' سے لیتی ہے۔

محمد علی لاہوری کی کتاب **''النبوۃ فی الاسلام''** جو علیحدگی کے بہت بعد لکھی گئی ہے اس سے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

درحقیقت جو کچھ فرمایا ہے (یعنی مرزا غلام احمد نے جو کچھ کہا ہے) گو اس کے الفاظ میں تھوڑا تھوڑا تغیر ہو مگر ماحصل سب کا ایک ہی ہے یعنی یہ کہ اول فرمایا کہ **صاحب خاتم** ہونے کے معنی یہ ہیں کہ بجز اس کی مہر کے کوئی فیض کسی کو نہیں پہنچ سکتا۔ پھر فرمایا کہ **صاحب خاتم** ہونے سے مراد ہے کہ اسکی مہر سے ایک ایسی نبوت بھی مل سکتی ہے جس کے لئے امتی ہونا لازمی ہے۔ اب امتی ہونے کے معنی یہی ہیں کہ کامل اطاعت آنحضرت کی کیجائے اور اپنے آپ کو آنحضرت ﷺ کی محبت میں فنا کر دیا جائے تب آپ ﷺ کے فیض سے ایک قسم کی نبوت بھی مل سکتی ہے وہ نبوت کیا ہے؟ اس کو آخر میں جا کر صاف حل کر دیا ہے کہ وہ ایک **ظلی نبوت** ہے

جس کے معنی ہیں فیض محمدی سے وحی پانا اور یہ بھی فرمایا کہ وہ قیامت تک باقی رہے گی۔ (النبوۃ فی الاسلام ص153 مطبوعہ لاہور)

اس کتاب کی دوسری جگہ پر لکھتا ہے:

تمام نبوتیں اس پر ختم ہیں اور اسکی شریعت خاتم الشرائع ہے مگر ایک قسم کی نبوت ختم نہیں یعنی وہ نبوت جو اس کی کامل پیروی سے ملتی ہے اور جو اس کے چراغ میں سے نور لیتی ہے وہ ختم نہیں کیونکہ وہ محمدی نبوت ہے یعنی اس کا ظل ہے اور اسی کے ذریعہ سے ہے اور اسی کا مظہر ہے۔ (النبوۃ فی الاسلام ص150 مطبوعہ لاہور)

حضرت (مرزا غلام احمد) آنحضرت ﷺ کے اظلال میں سے ایک کامل ظل (سایہ) ہے پس ان کی بیوی اس لئے ام المؤمنین ہے اور یہ بھی ظلی طور پر مرتبہ ہے ....حضرت مسیح موعود (غلام احمد) نبی نہیں ہے مگر آنحضرت ﷺ کی نبوت ان میں منعکس ہے۔ (مباحثہ راولپنڈی ص196)

لاہوری جماعت اور قادیانی جماعت دونوں مرزا غلام احمد کو نبی نہ ماننے والوں کو کافر کہتی ہیں۔ مسلمانوں کو کافر سمجھنے کے سبب یہ لوگ مسلمانوں کے پیچھے نماز پڑھنے، ان کے ساتھ شادی بیاہ کرنے اور انکی نماز جنازہ پڑھنے کو حرام سمجھتے ہیں۔

غیر احمدی کے پیچھے نماز پڑھنے کے بارے میں مرزا غلام احمد لکھتا ہے:

تکفیر کرنے والے اور تکذیب کرنے والے ہلاک شدہ قوم ہیں اس لئے وہ اس لائق نہیں ہیں کہ میری جماعت میں سے کوئی شخص ان کے پیچھے نماز پڑھے کیا زندہ مردہ کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے؟ پس یاد رکھو کہ جیسے خدا نے مجھے اطلاع دی ہے تمہارے

اور حرام ہے اور قطعی حرام ہے کہ کسی منکر اور مکذب یا کسی متردد کے پیچھے نماز پڑھو بلکہ چاہیئے کہ تمہارا وہی امام ہو جو تم میں سے ہو۔" (تحفہ گولڑویہ ص 28 مطبوعہ ربوہ)

غیر احمدیوں کے ساتھ شادی بیاہ کا تعلق قائم رکھنے کے حوالہ سے مرزا بشیر الدین محمود لکھتا ہے:

حضرت مسیح موعود نے اس احمدی پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا ہے جو اپنی لڑکی غیر احمدی کو دے، آپ سے ایک شخص نے بار بار پوچھا اور کئی قسم کی مجبوریوں کو پیش کیا لیکن آپ نے اس کو یہی فرمایا کہ لڑکی کو بٹھائے رکھو لیکن غیر احمدیوں کو نہ دو۔ (انوار خلافت ص 94 مطبوعہ امرتسر)

غیر احمدیوں کی نماز جنازہ پڑھنے کے حوالہ سے مرزا بشیر الدین محمود لکھتا ہے:

اب ایک سوال رہ جاتا ہے کہ غیر احمدی حضرت مسیح موعود کے منکر ہوئے اس لئے ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھنی چاہیئے لیکن اگر کسی غیر احمدی کا چھوٹا بچہ مر جائے تو اس کا جنازہ بھی نہ پڑھا جائے؟ وہ تو مسیح موعود کا منکر نہیں ہے۔ میں یہ سوال کرنے والے سے پوچھتا ہوں کہ اگر یہ بات درست ہے تو پھر ہندوؤں اور عیسائیوں کے بچوں کی نماز جنازہ کیوں نہیں پڑھی جاتی؟ اور کتنے لوگ ہیں جو ان کا جنازہ پڑھتے ہیں۔ (انوار خلافت ص 93 مطبوعہ امرتسر)

اسی لئے مرزا غلام احمد کا پیروکار چودھری ظفر اللہ خان، سابق وزیر خارجہ پاکستان، نے قائداعظم کی نماز جنازہ میں شرکت نہیں کی کیونکہ قادیانیوں کے بقول:

"وہ کافر اور مکذب تھے"

قادیانی اخبار "الفضل" لکھتا ہے:

کیا یہ حقیقت نہیں کہ ابو طالب بھی قائداعظم کی طرح مسلمانوں کے بہت بڑے محسن تھے مگر نہ مسلمانوں نے آپ کا جنازہ پڑھا اور نہ رسول خدا نے۔ (الفضل ص28 اکتوبر 1952ء)

واقعہ یہ ہے کہ قادیانی جماعت اور لاہوری جماعت دونوں کے عقائد، مذہب، امت اور افکار.... غرض ہر چیز مسلمانوں سے نہ صرف مختلف بلکہ بالکل متضاد ہے، ان کا امت مسلمہ سے کوئی تعلق نہیں ہے اور اپنی یہ حیثیت خود مرزائیوں کو مسلم ہے کہ ان کا اور مسلمانوں کا مذہب ایک نہیں ہے اور وہ مسلمانوں سے بالکل الگ ایک مستقل امت ہیں مرزا بشیر الدین محمود نے فرنگی سرکار سے مرزائیوں کو مسلمانوں سے الگ ایک مستقل اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کیا تھا۔

مرزا بشیر الدین محمود کہتا ہے:

میں نے اپنے نمائندے کی معرفت ایک بڑے ذمہ دار انگریز افسر کو کہلوا بھیجا کہ پارسیوں اور عیسائیوں کی طرح ہمارے حقوق بھی تسلیم کیئے جائیں۔ جس پر اس افسر نے کہا کہ وہ تو اقلیت ہیں اور تم ایک مذہبی فرقہ ہو۔ اس پر میں نے کہا کہ پارسی اور عیسائی بھی مذہبی فرقہ ہیں جس طرح ان کے حقوق الگ تسلیم کئے گئے ہیں اسی طرح ہمارے بھی تسلیم کیئے جائیں۔ (الفضل اخبار 13 نومبر 1946)

آئین اور نافذ العمل قانون میں قادیانی اور لاہوری جماعتوں کو مستقل غیر مسلم اقلیت قرار دینا دراصل مرزائیوں کی دیرینہ خواہش کے مطابق ہے۔ ایک اقلیتی گروہ کی حیثیت سے ملک میں ان کے حقوق بھی محفوظ ہو گئے اور انہیں مسلمانوں کا ایک گروہ سمجھنے کا اشتباہ بھی رفع ہوا۔

دفعہ 298 - ب اور 298 - پ دونوں دراصل رفع اشتباہ اور مرزائی مذہب اور مذہب اسلام میں امتیاز قائم کرنے کے لئے وضع کی گئی ہیں مندرجہ دفعات کے

مطابق تمام وہ القاب، خطابات اور شعائر جو اسلام کی خصوصیات ٹھہری ہیں از روئے قانون مرزائیوں کے لئے ان کا استعمال ممنوع اور مستوجبِ تعزیر قرار دیا گیا ہے۔

دفعہ 298-ب کے مطابق:

الف......کوئی مرزئی اپنے کسی فرد کو علاوہ خلیفہ یا پیغمبر حضرت محمد ﷺ کے مصاحب کے بطور امیر المؤمنین خلیفة المؤمنین، خلیفة المسلمین، صحابی یا رضی الله عنه کے حوالہ دے یا خطاب کرے۔

ب......کوئی مرزائی علاوہ زوجہ پیغمبر حضرت محمد کے بطور ام المؤمنین کے حوالہ دے یا خطاب کرے۔

ج......اپنی عبادت گاہ کو بطور مسجد کے حوالہ دے، نام لے یا پکارے۔

د......اپنے عقیدہ میں پیروی کردہ عبادت کے لئے بلانے کے لئے کسی طریقہ یا شکل کو بطور اذان کے حوالہ دے، یا اس طرح اذان دے جس طرح مسلمان دیتے ہیں۔

تو اسے دونوں اقسام میں سے کسی قسم کی سزائے قید دی جائے گی جس کی مدت تین سال تک ہوسکتی ہے اور وہ جرمانے کا بھی مستوجب ہوگا۔

دفعہ 298-پ کے مطابق:

مرزائیوں کا اپنے عقیدہ اور مذہب کا کسی بھی شکل میں بطور اسلام کے حوالہ دینا یا اس کو اسلام سے تعبیر کرنا ممنوع ہے اور مستوجب تعزیر ہے جس کی سزا تین سال تک بمعہ جرمانہ ہوسکتی ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

تاریخ ساز فیصلہ......

دنیا میں اگر کوئی نیا مذہب پیدا ہوتا ہے تو اسے روکنا کسی کے بس کی بات نہیں۔ لہٰذا اگر قادیانیت واقعے کے مطابق اپنے آپ کو اسلام سے الگ ایک مستقل مذہب کی حیثیت میں پیش کرتی تو معاملہ اتنا سنگین نہ ہوتا۔ لیکن اس نئے مذہب نے انصاف اور سچائی کا یہ سیدھا راستہ اختیار کرنے کے بجائے دجل وفریب کا راستہ اختیار کیا اور اپنی صحیح حیثیت واضح کرنے کے بجائے اپنے آپ کو اسلام ہی کے نام سے دنیا میں متعارف کرایا واقعات کی اس غلط تعبیر نے عالم اسلام کو جو پے در پے شدید نقصانات پہنچائے وہ اب انتہائی سنگین نوعیت اختیار کر گئے تھے اور دنیائے اسلام میں قادیانیت کی تباہ کاریاں اس نقطے تک پہنچ گئی تھیں جس کی نظیر تاریخ اسلام میں شاید صرف قرامطہ کے فتنے میں ملتی ہے۔

تاریخ ساز فیصلہ

19 رشعبان 1394ھ مطابق 7 رستمبر 1947ء کا دن پاکستان بلکہ اسلام کی تاریخ میں ایک یادگار دن شمار ہوگا اس مبارک دن میں اللہ تعالیٰ نے پاکستان کی قومی اسمبلی سے وہ سنگین اور نازک مسئلہ طے کرا دیا جس نے تقریباً نوے سال سے عالم اسلام کو تشویش اور اضطراب میں مبتلا کیا ہوا تھا۔قادیانیت نے عالم اسلام کے جسم پر ایک رستے ہوئے ناسور کی شکل اختیار کر لی تھی اور وہ نہ صرف مذہبی بلکہ معاشی اور سیاسی سطح پر بھی عالم اسلام کے مفادات کو مسلسل تباہ کن نقصانات پہنچا رہی تھی۔اور اس کی شر انگیزیوں کا موثر سد باب اس کے بغیر ممکن نہیں تھا کہ ان کی صحیح حیثیت کو آئینی اور قانونی طور پر تسلیم کر کے اس کا واضح اعلان کیا جائے۔

دنیا میں اگر کوئی نیا مذہب پیدا ہوتا ہے تو اسے روکنا کسی کے بس کی بات نہیں۔ لہٰذا اگر قادیانیت واقعے کے مطابق اپنے آپ کو اسلام سے الگ ایک مستقل مذہب کی حیثیت میں پیش کرتی تو معاملہ اتنا سنگین نہ ہوتا۔لیکن اس نئے مذہب نے انصاف اور سچائی کا یہ سیدھا راستہ اختیار کرنے کے بجائے دجل وفریب کا راستہ اختیار کیا اور اپنی صحیح حیثیت واضح کرنے کے بجائے اپنے آپ کو اسلام ہی کے نام سے دنیا میں متعارف کرایا واقعات کی اس غلط تعبیر نے عالم اسلام کو جو پے در پے شدید نقصانات پہنچائے وہ اب انتہائی سنگین نوعیت اختیار کر گئے تھے اور دنیائے اسلام میں قادیانیت کی تباہ کاریاں اس نقطے تک پہنچ گئی تھیں جس کی نظیر تاریخ اسلام میں شاید صرف قرامطہ کے فتنے میں ملتی ہے۔

اسی بناء پر مسلمانوں کی طرف سے سالہا سال سے یہ مطالبہ کیا جارہا تھا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے تمام متبعین کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر دنیا پر ان کی صحیح حیثیت واضح کردی جائے۔ یہ مطالبہ غیر منقسم ہندوستان ہی میں شروع ہوگیا تھا۔ امام العصر حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے اس مقصد کے لئے بطور خاص چن لیا تھا۔ انھوں نے اپنی عمر کے آخری دور میں ملک کے طول وعرض میں تبلیغی دورے کرکے مسلمانوں کو اس شدید خطرے سے آگاہ کیا اور علمی سطح پر اس فتنے کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیئے۔ ان تبلیغی دوروں میں حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاند پوریؒ، حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھیؒ، حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ، حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ اور احقر کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم العالی ان کے رفیق تھے، اور ان ہی حضرات کی پیہم کوششوں سے 1935ء کے مقدمہ بھاولپور میں پہلی بار قادیانیوں کے غیر مسلم ہونے کا عدالتی نوٹس پر اعلان کیا گیا۔

علامہ اقبال مرحوم جنھوں نے ختم نبوت کے مسئلہ پر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ ہی سے علمی استفادہ کیا تھا اور دوسرے بہت سے مسلمان رہنما قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے لئے مسلسل کوشاں رہے لیکن یہ سب حضرات یہ مطالبہ ایک ایسی حکومت سے کر رہے تھے جس نے مرزائیت کا یہ پودا اپنے ہاتھوں سے کاشت کیا تھا اور جو مسلسل اس نئے مذہب کی پیٹھ تھپکنے کی پالیسی پر کاربند تھی۔ اس لئے ان حضرات کے مطالبے صدا بصحرا ثابت ہوئے اور ان کی شنوائی نہ ہوسکی۔

پاکستان بننے کے بعد یہ مطالبہ ازسرنو شروع ہوا اور 1953ء میں اسی کی خاطر

ہزارہا مسلمانوں نے اپنی جانیں قربان کردیں، لیکن ستائیس سال کے اس عرصے میں حکمرانوں کی غفلت اور لاپروائی کے نتیجے میں یہ مطالبہ پورا نہ ہوسکا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت موجودہ حکومت کی قسمت میں لکھی تھی چنانچہ 7 ستمبر کی شام کو پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں نے یہ تاریخ ساز آئینی ترمیم منظور کرلی۔

اسی آئینی ترمیم کے ذریعہ مندرجہ ذیل امور کی اطمینان بخش وضاحت ہوگئی ہے:

1...... آئین کی دفعہ 106 کی شق نمبر 3 جہاں صوبائی انتخابات کی نشستوں کے لئے اقلیتوں کے نام درج ہیں، وہاں مندرجہ ذیل الفاظ بڑھا دیئے گئے ہیں. ''اور قادیانی جماعت یا لاہوری جماعت کے اشخاص (جو اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں'' اس طرح مرزائیوں کے دونوں گروپوں کو اقلیت قرار دے دیا گیا ہے۔

2...... دفعہ 260 نمبر 2 کے مندرجہ ذیل نئی شق کا اضافہ کیا گیا ہے:

3...... جو شخص خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ کے آخری نبی ہونے پر قطعی اور غیر مشروط طور پر ایمان نہیں رکھتا یا جو محمد ﷺ کے بعد کسی مفہوم میں یا کسی بھی قسم کا نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یا جو کسی ایسے مدعی کو نبی یا دینی مصلح تسلیم کرتا ہے۔ وہ آئین یا قانون کی اغراض کے لئے مسلمان نہیں ہے۔''

4...... ایک متفقہ قرارداد کے ذریعہ مجموعہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ 295 الف میں حسب ذیل تشریح درج کرنے کی سفارش کی گئی ہے۔

''کوئی مسلمان جو آئین کی دفعہ 260 کی شق نمبر 3 کی تصریحات کے مطابق حضرت محمد ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کے تصور کے خلاف عقیدہ رکھے یا عمل یا تبلیغ کرے وہ دفعہ ہذا کے تحت مستوجب سزا ہوگا، اس طرح مسلمانوں

کے لئے قادیانی مذہب اختیار کرنے کو قابل سزا جرم قرار دے دیا گیا ہے۔

5......قومی رجسٹریشن ایکٹ 1973ء اور انتخابی فہرستوں کے قواعد 1947ء منتجہ قانونی اور ضابطے کی ترمیمات کرنے کی سفارش کی گئی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ شناختی کارڈوں پر مرزائیوں کو یہ تصریح کرنی ہوگی کہ وہ قادیانی مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔

ان تاریخ ساز ترمیمات کے ذریعہ مسلمانوں کا یہ متفقہ مطالبہ جس واضح اور غیر مبہم انداز میں پورا ہوگیا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ عرصہ دراز کے بعد اس اعلان نے مسلمانوں کو وہ سچی مسرت عطا کی ہے جو قلب و روح کی گہرائیوں سے اٹھتی ہے۔ اس کارنامے پر پارلیمنٹ کے تمام ارا کین پوری قوم کی طرف سے دلی مبارکباد اور گرم جوش خراج تحسین کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اسلام کی ایک ایسی عظیم خدمت کی توفیق عطا فرمائی ہے جو اسلام کی تاریخ میں انشاء اللہ ہمیشہ یادگار رہے گی اس موقعہ پر ملک بھر کے عوام علماء اور ہر شعبہ زندگی کے افراد نے جس مکمل اتحاد کا مظاہرہ کیا اور اپنے جذبات کے اظہار میں جس نظم وضبط، صبر وتحمل اور امن پسندی کا ثبوت دیا وہ اس ملک کی تاریخ کا ایک مثالی واقعہ ہے اور یہ درحقیقت اسی ہوش مندانہ طرز عمل کا ثمرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے مسئلے کو انتہائی خوبصورتی کے ساتھ طے کرا دیا جو برسوں سے الجھا پڑا تھا۔

ناانصافی ہوگی اگر یہاں وزیر اعظم پاکستان جناب **ذوالفقار علی** کے تدبر کو بطور خاص خراج تحسین پیش نہ کیا جائے جنھوں نے اس مسئلہ کی نزاکت واہمیت کو سمجھا اور اس کے حل کے لئے ایسا خوبصورت طریقہ اختیار کیا جو ہر لحاظ سے پائیدار

اور پوری دنیا کے لئے واجب التسلیم ہو ہمیں خوشی ہے کہ قوم نے وزیر اعظم کے اس کارنامے کے اعتراف میں کسی بخل سے کام نہیں لیا۔ اور اپنے عمل سے یہ ثابت کر دیا کہ وہ حکومت کو اس کی غلط کاریوں پر ٹوکنے کے ساتھ ساتھ اس کے قابل تعریف کارناموں کو کھلے دل سے سراہنے کی بھی پوری صلاحیت رکھتی ہے اور اگر حکومت ملک و ملت کی صلاح وفلاح کے لئے سیدھا راستہ اختیار کرے تو یہ قوم اسے آنکھوں پر بٹھا سکتی ہے۔

اس تاریخی اقدام کا ایک لازمی فائدہ یہ ہوا ہے کہ اس کی وجہ سے حکومت عوام کے اور قریب آ گئی ہے اور دونوں کے دلوں میں جو فاصلے تھے وہ اور کم ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حکومت، اپوزیشن اور عوام سب کو اس بات کی توفیق عطا فرمائے کہ وہ اس باہمی اعتماد، مفاہمت، اور یگانگت کی فضا کو برقرار رکھیں۔ اسی طرح ملک کو درپیش تمام مسائل آسانی سے حل ہو سکتے ہیں اور پاکستان کو صحیح معنی میں اسلامی نظام زندگی کا گہوارہ بنایا جا سکتا ہے۔

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب

(ماخوذ از عصر حاضر میں اسلام کیسے نافذ ہو)

کتابیات

1 قرآن پاک ________ ••

2 تفسیر ابن کثیر۔علامہ ابن کثیر ________ ••

3 الجامع لاحکام القرآن۔امام ابوعبداللہ قرطبی ________ ••

4 احکام القرآن للجصاص۔امام ابوبکر جصاص ________ ••

5 تفسیر کبیر۔امام فخر الدین رازیؒ ________ ••

6 معارف القرآن۔مفتی محمد شفیع (مفتی اعظم پاکستان) ________ ••

7 صحیح البخاری ________ ••

8 صحیح المسلم ________ ••

9 سنن ابی داوٗد ________ ••

10 سنن النسائی ________ ••

11 مشکوۃ المصابیح ________ ••

12 جامع الترمذی ________ ••

13 سنن ابن ماجہ ________ ••

14 شرح معانی الآثار۔امام طحاویؒ ________ ••

15 معارف السنن۔مولانا محمد یوسف بنوریؒ ________ ••

16 بذل المجھود۔مولانا خلیل احمدؒ سہارنپوری ________ ••

17 فتح الباری۔حافظ ابن حجر عسقلانی ________ ••

18 مصنف عبدالرزاق۔ حافظ ابوبکر عبدالرزاقؒ ________________ ••

19 زادالمعاد۔ امام ابن قیمؒ ________________ ••

20 تکملۃ فتح الملہم۔ شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی ________________ ••

21 الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ قاضی عیاضؒ ________________ ••

22 ردالمختار۔ امام ابن عابدینؒ ________________ ••

23 فتح القدیر، امام ابن ہمام حنفیؒ ________________ ••

24 فتاویٰ عالمگیریہ۔ مولانا نظامؒ مع رفقاء ________________ ••

25 الشہاب الثاقب۔ علامہ شبیر احمد عثمانی ________________ ••

26 السراج المنیر ________________ ••

27 الصارم المسول علی شاتم الرسول۔ امام بن تیمیہؒ ________________ ••

28 الفقہ الاسلامی وادلتہ۔ ڈاکٹر وہبہ زحیلی ________________ ••

29 کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ۔ امام عبدالرحمٰن جزاری ________________ ••

30 اکفاء الملحدین۔ علامہ انور شاہ کاشمیری ________________ ••

31 عصر حاضر میں اسلام کیسے نافذ ہو۔ شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی ________________ ••

32 نفاذ شریعت اور اس کے مسائل۔ شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی ________________ ••

33 مجموعہ قوانین اسلام۔ ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن ________________ ••

34 پاکستان پینل کوڈ ________________ ••

35 قادیانی فتنہ اور ملت اسلامیہ کا موقف۔ مفتی محمد تقی عثمانی، مولانا سمیع الحق اکوڑہ خٹک ••

36 بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع۔ امام ابوبکر بن سعود کاسانیؒ ________________ ••

37 ہدایہ، امام برہان الدین علی بن محمد مرغینانیؒ ____________ ••

38 اسلامی عدالت۔ مولانا مجاہد الاسلام قاسمی ____________ ••

39 فتاویٰ محمودیہ۔ مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ ____________ ••

40 الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ____________ ••

41 الفتاویٰ التاتارخانیۃ۔ امام عالم بن علاء دہلوی ____________ ••

42 البحر الرائق۔ امام ابن نجیمؒ ____________ ••

43 فتاویٰ دارالعلوم دیوبند۔ مفتی محمد شفیعؒ ____________ ••

44 احکام القرآن۔ مفتی محمد شفیعؒ ____________ ••

45 الفاروق۔ مولانا شبلی نعمانیؒ ____________ ••

46 المامون والغزالی۔ مولانا شبلی نعمانی ____________ ••

47 معجم لغۃ الفقہاء۔ ڈاکٹر رواس قلعہ جی اور ڈاکٹر حامد صادق قیبی ____________ ••

48 التفرقۃ بین الزندقۃ والاسلام۔ امام غزالیؒ ____________ ••

49 کلیات اقبال۔ ڈاکٹر اقبال ____________ ••

50 سیر الصحابۃ ____________ ••

51 ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین۔ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ ____________ ••

52 امداد الاحکام۔ مولانا ظفر احمد عثمانی ____________ ••

53 جواہر الفقہ۔ مفتی محمد شفیعؒ ____________ ••

54 امانی الاحبار شرح معانی الآثار۔ مولانا محمد یوسفؒ بن مولانا محمد الیاسؒ ____________ ••

55 قانونی ڈکشنری۔ ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن ____________ ••

56 کریمینل میجرایکٹ ______ ••
57 اسلامک جیورس پروڈنس، سرعبدالرحیم ______ ••
58 قانون التشریع الجنائی۔ڈاکٹرعبدالقادرعودۃ ______ ••
59 مرقاۃ شرح مشکاۃ۔ملاعلی قاریؒ ______ ••
60 التاریخ الاسلامی۔ڈاکٹرحسن ابراہیم حسن ______ ••
61 کتاب الخطط والآثار۔علامہ مقریزیؒ ______ ••
62 تاریخ الطبری۔امام طبریؒ ______ ••
63 مجلۃ الاحکام العدلیۃ۔جماعۃ العلماء ______ ••
64 المبسوط۔شمس الائمۃ سرخسیؒ ______ ••
65 امدادالفتاوی۔مولانااشرف علی تھانویؒ ______ ••
66 سیرۃ النبیؐ۔مولاناشبلی نعمانیؒ ______ ••
67 احکام اسلام عقل کی نظر میں۔مولانااشرف علی تھانویؒ ______ ••
68 الاشباہ والنظائر۔امام ابن نجیم حنفیؒ ______ ••

توہینِ رسالتؐ، اقلیتیں اور قانونِ تحفظ مذاہب



کتاب ہذا میں اسلامی قانون اور پاکستان کے مروجہ قانون کی روشنی میں توہینِ رسالتؐ، توہینِ انبیاءؑ، توہینِ قرآن، توہینِ صحابہؓ، اسلامی مکاتبِ فکر کے قانونی حقوق اور اسلامی ریاست کی اقلیتوں کے قانونی اور سیاسی حقوق جیسے اہم موضوعات پر جامع تحقیقی انداز میں بحث کی گئی ہے، مغربی قوانین کے ساتھ تقابلی جائزہ کتاب ہذا کی منفرد خصوصیت ہے

تحقیق و تصنیف

مفتی نذیر احمد خان

ایڈووکیٹ ہائی کورٹ ، استاذ جامعہ نوریہ عالمیہ

L.L.B., M.A. (HISTORY)



اسلام کا ایک مکمل ضابطہ عدل و انصاف ہے جس میں کسی کی ذرہ برابر حق تلفی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ نظام خلیفہ وقت تک کو مدعی کے ساتھ ایک کٹہرے میں کھڑا کر دیتا ہے اور گورنروں کو بھی کوڑے کی سزا دلوا دیتا ہے۔ یہاں امیر، غریب، اپنے، پرائے، اعلیٰ، اسفل اور حاکم و محکوم سب کے لئے انصاف کا ترازو یکساں ہوتا ہے۔ اگر ہم آج اپنے ممالک میں اس نظام کو نافذ کرنے کا تہیہ کر لیں تو کوئی بعید نہیں کہ یہ میزان عدل سیدھا ہو جائے...... جس میں کوئی کجی اور یک طرفہ جھکاؤ نہ ہو۔